
طبقات الشعراء

طبع اول : جنوری ۱۹۶۸ع

تعداد : ۱۰۰ Rs.

811.09
B K 8

ناشر : سید امتیاز علی تاج ، ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقیِ ادب ، لاہور

طابع : سید اظہارالحسن رضوی

مطبع : مطبع عالیہ ، ۱۲۰/۵ ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : ~~[illegible] روپے~~

بعون صانع زمین و مکان و خلاق زمین و زمان

۸۰

اردو کا کلاسیکی ادب

تذکرہ

طبقات الشعرا

قدرت اللہ شوق

ناشر

مجلس ترقی ادب

۲ - نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ

لاہور

تذکرۂ

طبقات الشعرا

[وشتہ' بسال ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۴-۵ء]

مؤلفۂ

قدرت اللہ شوق صدیقی

(ساکن موضع موی ، ضلع بدایوں)

مرتبہ

نثار احمد فاروقی

استاد شعبۂ عربی ، دہلی یونیورسٹی ، دہلی ۷

فہرست

طبقهٔ اول

در بیان ایجاد شعر ریختہ و ذکر شعرای دکھنی و بعضی معاصر آں ہا ۔

طبقۂ دوم

در ذکر شاعران ایہام گو

طبقهٔ سوم
در ذکر شعرائے متاخرین و بعضے نوشقان دیگر

طبقهٔ چہارم

در ذکر شعرائے تازہ گو و بعضی نوسنمان دیگر

(د ۰ ۱ الف) مشتمل بر پنج مقالات ۔

مقالهٔ اولیٰ

در ذکر بعضے تازہ گویان سرآمد روزگار

مقالهٔ دوم

در ذکر بعضی سلاطین روزگار و وزرای نام دار
و امرای والا تبار و بعضی منصب داران
سرکار فیض آثار و مصاحبان شاهزادهٔ عالی مقدار

مقالۂ سوم
در ذکر بعضی اُمرائے افغانان این دیار وغیرہ
افاغنۂ قرب و جوار

مقاله چهارم
در ذکر بعضی عزیزان و یاران هم دم و دوست داران ثابت قدم

مقالهٔ پنجم

در ذکر بعضی برادران و خویشان و دوستداران
و عزیزان دل ریسالهٔ بعضی از ایشان که
چندان مایهٔ شاعری نه دارند و به سبب موزونی
طبیعت خود را از خود ندانند پنداشته در جرگه
شعرا می شمرند

فہرست ضمیمہ

اسمائے شعراء

اشاریہ

مقدمه

تذکرۂ طبقات الشعرا

مؤلفۂ

قدرت‌الله شوق

مرتبہ

نثار احمد فاروقی

استاد شعبۂ عربی و فارسی ، دهلی یونی ورسٹی ، دهلی ے

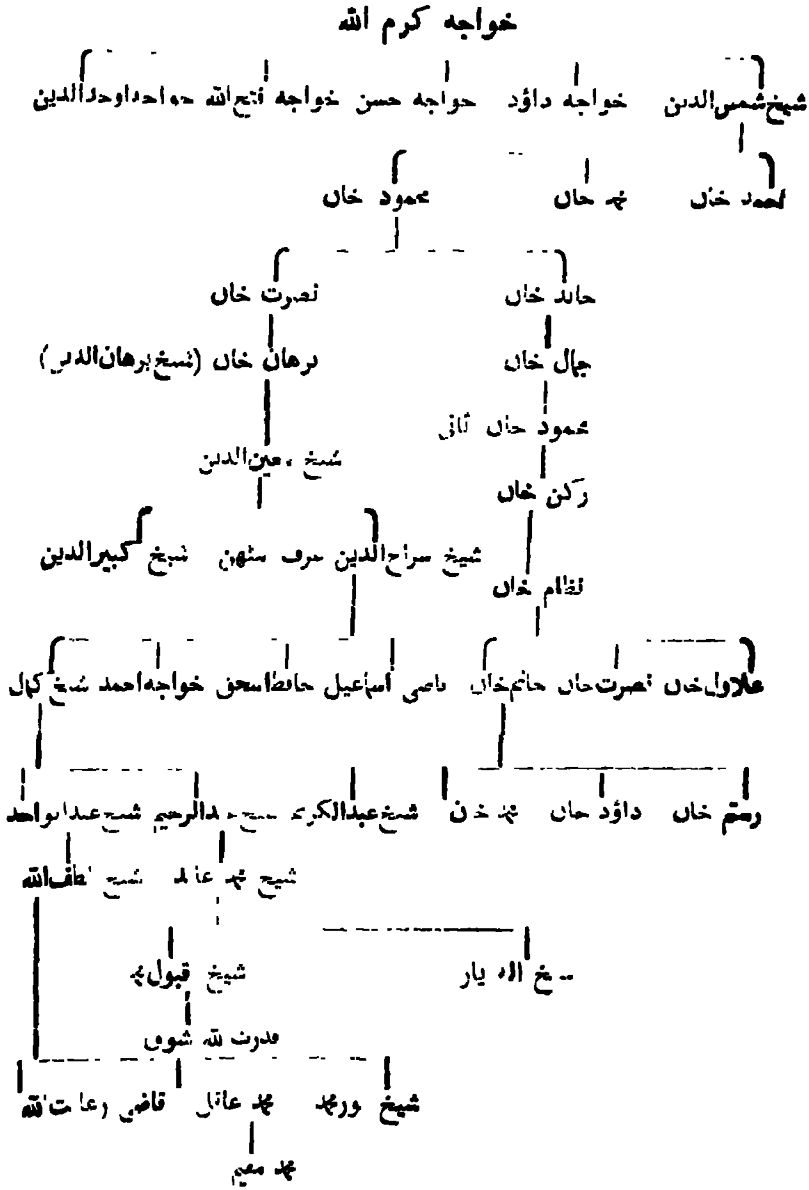
تذکرۂ طبقات الشعرا کا مؤلف، قدرت اللہ شوق رامپوری، اصلاً موضع موئی[1] قصبہ کابر، تحصیل بہیڑی ضلع بریلی، کا باشندہ[2] ہے۔ اس کے باپ شیخ قبول محمد تھے اور وہ خواجہ کرم اللہ[3] کے اخلاف میں ہیں۔ شوق نے خود اپنے خاندان کا حال "تاریخ جام جہاں نما" (قلمی نسخہ رامپور) میں بڑے تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کی رو سے خاندانی شجرہ یوں ہے:

۱۔ موئی بہ فتح اول و دوم و ہمزہ و یائے معروف۔ تحصیل بہیڑی میں چھوٹا سا گاؤں ہے۔ یہ علاقہ روہیل کھنڈ میں شامل تھا اور نواب روہیلوں کے تحت تھا، جب یہ حصہ علاقہ سرکار انگریزی کی عملداری میں آگیا (۱۸۰۱ء) تو یہ موضع ضلع بریلی میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۲۔ عبدالحی صفا بدایونی ("تذکرہ شمیم سخن" صفحہ ۱۴۰) نے باشندۂ امروہہ ضلع مرادآباد لکھا ہے، یہ غلط ہے۔

۳۔ قدرت اللہ شوق کے مورث اعلیٰ کا نام کہیں کرم اللہ اور کہیں عم اللہ لکھا ہوا ملتا ہے۔ خود "تاریخ جام جہاں نما" میں بھی یہ اختلاف موجود ہے، لیکن کرم اللہ کئی بار لکھا ہے اس لیے ہم نے اسے ترجیح دی ہے۔

شجرۂ نسب


خواجه کرم الله
شیخ شمس الدین
خواجه داؤد
خواجه حسن
خواجه فتح الله
خواجه اوحدالدین
احمد خان
محمد خان
محمود خان
حامد خان
نصرت خان
جمال خان
برهان خان (شیخ برهان الدین)
محمود خان ثانی
شیخ معین الدین
رکن خان
شیخ سراج الدین عرف سٹھن
شیخ کبیرالدین
نظام خان
علاول خان
نصرت خان
حاتم خان
قاضی اسماعیل
حافظ اسحق
خواجه احمد
شیخ کمال
رستم خان
داؤد خان
محمد خان
شیخ عبدالکریم
شیخ عبدالرحیم
شیخ عبدالواحد
شیخ محمد عاقل
شیخ لطف الله
شیخ قبول محمد
شیخ اله یار
قدرت الله شوق
شیخ نور محمد
محمد عاقل
قاضی رعایت الله
محمد معین

تذکرۂ اسلاف

اپنے اسلاف کے بارے میں شوق کے بیان کا ملخص ترجمہ یہ ہے:

''میرے جد بزرگوار، شیخ کرم‌اللہ‌شہید[1] و خواجہ نصیرالدین صدیقی اوحدی، سید ناصر و سید ابراہیم کی رفاقت میں، مع چھ ہزار سوار کے، رائے پتھورا سے جنگ کے لیے آئے۔ سنپت (سونی‌پت) کے نواح میں فروکش ہوئے، رائے پتھورا سے جنگ ہوئی، سید ناصر اور سید ابراہیم اس معرکے میں شہید ہوگئے۔ چناں‌چہ ان دونوں کے مزار سنپت میں مشہور ہیں۔ چند ایام کے بعد میران سید حسین جنگ سوار، ہندوستان میں آئے اور اجمیر میں شہید ہوئے۔ خواجہ کرم‌اللہ و خواجہ نصیرالدین کی اولاد بھی میران سید حسین کے ساتھ تھی، وہ لوگ پھر سنپت میں آگئے اور وہیں آباد ہوگئے۔ خواجہ کرم‌اللہ کے پانچ بیٹے تھے: شیخ شمس‌الدین خواجہ داؤد، خواجہ حسن، خواجہ‌فتح اللہ اور خواجہ اوحدالدین یہ لوگ خواجہ کرم‌اللہ کے مزار پر مقیم ہوگئے۔ سلطان قطب‌الدین مبارک شاہ نے اُن کو اپنے پاس رکھا، خانی کا خطاب دیا اور بڑے بیٹے سمس‌الدین کو پنج‌ہزاری منصب عطا کیا اور بقیہ بھائیوں کو پرگنہ باڑی و بیانہ میں جاگیر عطا کی۔ ان کا حال ''تاریخ‌مبارک‌شاہی'' و ''تاریخ اکبری'' میں موجود ہے۔ بیانہ کے قیام کے بعد

۱۔ احمد علی خاں شوق نے شیخ کرم‌اللہ لکھا تھا (''اورینٹل کالج میگزین'' نومبر ۱۹۳۰ء) ہم نے یہاں تصحیح کردی ہے۔

شمس الدین خاں سے ، احمد خاں ، محمد خاں اور محمود خاں تین بیٹے پیدا ہوئے ۔

شمس الدین خاں کا حال محمود شاہ کی سلطنت کے ضمن میں بیان کرچکا ہوں ۔ محمد خاں کا حال خضر خاں کی سلطنت کے ضمن میں اور محمود خاں کا حال بہلول لودی کے حالات میں درج کرچکا ہوں ۔ محمود کے دو بیٹے ، چاند خاں اور نصرت خاں ہوئے ۔ نصرت خاں کے بیٹے برهان خاں، چاند خاں کے بیٹے جمال خاں ہوئے جمال خاں کے بیٹے محمود خاں تاں اور اُن کے بیٹے رکن خاں اور اُن کے بیٹے نظام خاں تھے ۔ نظام خاں کا حال بابر کے عہد حکومت کے سلسلے میں بیان کرچکا ہوں ۔ نظام خاں کے تین بیٹے تھے : علاول خاں ، نصرت خاں ، حاتم خاں ۔ حاتم خاں کے تین بیٹے : رستم خاں ، داؤد خاں اور محمد خاں اور اُن کی اولاد بیانہ میں موجود ہے اور سب صاحب دولت هیں ۔

ایک زمانے کے بعد برهان خاں بن نصرت خاں بن محمود خاں بن شمس خاں نے خانی کا خطاب ترک کرکے توکل اختیار کیا ۔ خانقاہ میں ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے اور شیخ برھان الدین کے نام سے مشہور ہوئے ۔ شیخ برھان الدین کے بیٹے معین الدین ہوئے اور باپ کے قدم بہ قدم تھے شیخ معین الدین کے بیٹے شیخ سراج الدین عرف مٹھن اور شیخ کبیر الدین تھے ۔ اُن کے چچا زاد بھائیوں نے بابر بادشاہ سے کوئی شکایت کی ، شاہی فوج وہاں بھیجی گئی ، جدال و قتال ہوا ۔ سراج الدین بہ عمر ۱۲ سال اور کبیر الدین بہ عمر ۸ سال وہاں سے بھاگ کر

سنبھل میں شیخ زین الدین علی سہروردی انصاری کی خدمت میں آئے ۔ شیخ زین الدین علی نے اپنی لڑکی کا نکاح ان سے کر دیا ۔ علاؤ الدین خاں ، حصی تو پرگنہ اجاؤں کی خدمت دی ، وہ شیخ زین الدین علی کا مرید تھا ۔ اس نے اپنی لڑکی کا نکاح سراج الدین عرف مٹھن سے کر دیا ۔ شیخ زین الدین علی کی وفات کے بعد ، یہ عہد ہمایوں ، دونوں بھائی سنبھل سے پرگنہ اجاؤں میں آ گئے اور علاؤ الدین خاں کی وفات کے بعد سولی پرگنہ ساز میں کوہ نیوں کے دامن میں آباد ہوئے ۔ راجا راج حل قوم کتھیر ، جو اس وقت زمیندار اور حاکم دامن کوہ نہنوں کا تھا ۔ اس نے موضع موئی پرگنہ کابر ، کہ فی الحال میرا مسکن ہے ، مع بارہ گاؤں کے حمایت کیا ۔ شیخ سراج الدین عرف مٹھن کے چار بیٹے تھے : قاضی اسماعیل ، حافظ اسحق ، خواجہ احمد اور شیخ کمال ۔ ان کی اولاد کثیر ہوئی ۔ سب کی اولاد اس وقت موجود ہے ۔ شیخ کمال ، مؤلف کے جد کلاں ، کے تین لڑکے ہوئے : شیخ عبدالکریم ، شیخ عبدالرحیم اور شیخ عبدالواحد ۔

شیخ عبدالکریم کی نسل منقطع ہو گئی ، شیخ عبدالواحد سے شیخ لطف اللہ ، ان سے شیخ نور محمد ، محمد عاقل ، فضائل پناہ قاضی رعایت اللہ پیدا ہوئے ۔ شیخ محمد عاقل سے زبدۂ عصر ، مفاخر سولوی محمد مقیم پیدا ہوئے ۔ مولوی محمد مقیم کی تصانیف سے حاشیہ ''شرح وقایہ'' رسالہ علم کلام و فقہ اور فارسی کی مثنویاں وغیرہ ہیں ۔

شیخ عبدالرحیم سے شیخ محمد عابد پیدا ہوئے ، جو

میرے جد حقیقی ہیں اور دنیوی شوکت و حشمت بہت رکھتے تھے ۔ شیخ محمد عابد سے شیخ اللہ یار اور میرے والد شیخ قبول محمد پیدا ہوئے ۱۔''

مؤلف کے حالات

قدرت اللہ شوق کی ولادت موضع 'موئی' ۲ میں ہوئی ۔ رسمی ابتدائی درسیات کی تکمیل بھی ظاہرا وہیں کی ہوئی ۔ مگر شوق کی سکونت زمانۂ شعور میں طویل عرصے تک رام پور ہی میں رہی قیاس چاہتا ہے کہ اس نے یہاں کے علما سے بھی انتہائی درسی کتابیں پڑھی ہوں گی ۔

شوق نے مختلف وقفوں میں آنولہ، پیلی بھیت ، بدایوں، بسولی، ٹانڈہ وغیرہ کا سفر بھی کیا ہے ، لیکن وہ کبھی دہلی یا لکھنؤ

---

۱ ۔ رک تاریخ ''جام جہاں نما'' (قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور) ترجمہ و تلخیص از احمد علی خان شوق ، ''اورینٹل کالج میگزین'' جلد ۔ شمارہ ۱ ، نومبر ۱۹۳۰ع صفحات ۶۷ تا ۲۷ ۔

۲ ۔ یہ جگہ اس زمانے میں ریاست رام پور کے زیر نگیں تھی ، اودھ کی ماتحتی سے ریاست رام پور نکل کر برٹش اقتدار کے تحت میں آئی تو یہ تمام حصۂ ملک ، ریاست رام پور سے جدا ہوگیا اور اسی روز سے رام پور سے ان لوگوں کی آمد کا سلسلہ کم ہوگیا ۔ اس سے قبل موئی کے قاضی زادوں کا ایک محلہ رام پور میں علیحدہ آباد تھا ، جو اب تک ''قاضی کی گلی'' کے نام سے مشہور ہے اور مولوی قدرت اللہ مرحوم کے خاندان کے آدمی اس میں آباد تھے اور اب بھی کچھ لوگ موجود ہیں اور اسی خاندان کے کچھ لوگ بچھرایوں ضلع مرادآباد میں آباد ہوگئے ۔ فی الحال (۱۹۳۰ع) موضع موئی کے بڑے جاگیر دار قاضی عنایت اللہ زندہ ہیں''۔ (''اورینٹل کالج میگزین'' ، حوالہ ، ماسبق)

بھی گیا ہو ، اس کا ثبوت موجود نہیں۱ - زیر بحث تذکرے میں وہ علاقۂ روھیل کھنڈ کے شاعروں سے اپنی واقفیت کا زیادہ اظہار کرتا ہے ، حالاں کہ اُن کے بارے میں بھی ہمیں تفصیل سے کچھ نہیں بتاتا -

جس زمانے میں ۱۱۸۵ھ (۷۲-۱۷۷۱ع) قائم چاندپوری اور غلام ہمدانی مصحفی امروھوی ، ٹانڈہ میں نواب محمد یار خاں امیر (متوفی ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۵ع) کے دربار سے وابستہ تھے ، شوق بھی آنولہ میں موجود تھا ۔ لیکن یہ تذکرہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ شمالی ہند ، خصوصاً دھلی کے بعض بہت معروف شعرا کے سلسلے میں نہایت غلط اطلاعات فراہم کرتا ہے اور اُن کے بارے میں موٹی موٹی باتوں سے بھی بے خبر ہے - ایسے بیانات جن کی تصحیح یا تصریح ضروری تھی ہم نے اس تذکرے کے آخر میں "تعلیقات" کے تحت اُن سے بحث کی ہے -

اساتذہ

اس تذکرے میں شوق نے خود اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں لکھا - نہ یہی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ فن شعر میں کس کا شاگرد ہے - بعض تذکرہ نگاروں نے[۲] جن میں امیر مینائی اور

۱- میرزا مظہر جان جاناں سے شوق نے اپنی ملاقات کا حوالہ دیا ہے۔ غالباً وہ اُن کے سفر روھیل کھنڈ کے زمانے میں ۱۱۸۵ھ (۱۷۷۱ع) ملا ہوگا -

۲ - "انتخاب یادگار" صفحہ ۱۸۳ " تذکرہ سعادت خاں ناصر" اور "تذکرۂ گلشن بے خار" مولفہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے دریافت ہوا کہ فن شعر میں قائم چاندپوری تلمیذ مرزا رفیع سودا کے شاگرد تھے - رفتہ رفتہ ایسے استاد ہوئے کہ صاحب ارشاد ہوئے . . . " مگر شیفتہ نے کوئی ایسی عبارت نہیں لکھی جو شوق کے تلمیذ قائم ہونے پر مشعر ہو ، ملاحظہ ہو "گلشن بے خار" صفحہ ۱۱۲ -

پنڈت کیفی شامل ہیں[1] اسے قائم چاندپوری کا شاگرد بتایا ہے ، مگر خود شوق کے کسی بیان سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی ۔ اگرچہ یہ بات کچھ ایسی مستبعد نہیں ہے کہ اس سے لازماً انکار کیا جائے پھر بھی کسی قدیم شہادت کی غیر موجودگی میں اور متاخرین کے قول کی بنیاد[2] پر ، اسے بغیر شک قبول نہیں کرنا چاہیے

شوق نے اپنے ایک استاد مولوی غلام طیب بہاری کا ذکر تاریخ ''جام جہاں نما'' میں کیا ہے :

''متوطن بہار ، مولوی وہاج الدین گوپاموی کے شاگردوں میں سے تھے اور بعض کتب مطوّلات ملا کمال الدین صاحب سے بھی پڑھی تھیں ۔ جودت ذہن اور جدت طبع بدرجۂ اتم تھی ۔ علوم متداولہ میں کافی مہارت تھی ، باوجود اشتغال علوم ظاہری کے ، اکثر اوقات ریاضت اور مجاہدۂ باطنی میں بھی کوشش کرتے تھے ۔ خدمت فقرا خصوصاً شاہ قدرت اللہ صفی پوری کی خدمت میں حاضر ہوکر فائدہ حاصل کرتے تھے ، فقر میں بھی کامل تھے ۔ اکثر طلبہ اُن کی خدمت میں فیض یاب ہوکر فاضل ہوگئے ۔ ان اوراق کے مؤلف (قدرت اللہ شوق) نے بھی ان سے فیض پایا اور کتب مطوّلات اُن کی خدمت میں پڑھیں ۔ اس خاکسار کے حال پر بہت عنایت فرماتے تھے''[3]

---

۱ ۔ ''خمخانۂ جاوید'' جلد پنجم ، صفحہ ۸۲

۲ ۔ ''تذکرہ شعرائے رام پور'' : جارج فانتوم (قلمی رام پور) میں بھی شوق کو تلمیذ قائم چاندپوری لکھا گیا ہے ۔

۳۔ ''تذکرہ کاملانِ رام پور'' صفحہ ۲۹۸-۲۹۹ (ہمدرد پریس دہلی ۱۹۲۹ع)

احمد علی خاں شوق اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ :

"۱۱۹۷ھ میں مرتبہ مناجات سے رحلت فرمائی اور رامپور میں مسجد عثمان کے حجرے میں دفن ہوئے۔ حضرت خدا کی مسجد متصل نگریہ کی دوکان کے ... ہے۔ میں نے جب ہوش سنبھالا۔ ایک قبر صحن مسجد میں بائیں کی طرف دیکھی ہے۔ اہل محلہ سے کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ مگر غالباً یہی مزار ہے جو توسیع مسجد میں صحن میں کسی وقت آگیا ہے۔ مولوی عبدالقادر خاں اپنے روزنامچے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا تھا، مگر ان کے ذہن و ذکا کا وصف بہت سنا، ان کے فرزند مولوی محمد حیات نے علوم رسمیہ کی تکمیل کرلی تھی اب معلوم نہیں (۱۲۱۴ھ ۱۷۹۹ع) کہاں ہیں"۔

تصانیف

شوق کی مندرجہ ذیل تصانیف کا ہمیں علم ہے :

(۱) "تاریخ جام جہاں نما"

اس میں ہندوستان اور ایران کے سلاطین اور اولیا کے حالات ہیں۔ ابتدا میں مقدمہ ہے، پھر ۳۹ طبقے بنائے ہیں۔ اس کی تالیف کا آغاز ۱۱۹۱ھ میں ہوا تھا۔ غالباً پہلی روایت رمضان ۱۱۹۹ھ مطابق جولائی ۱۷۸۵ع میں اتمام کو پہنچی، مگر مؤلف نے آخردم تک اس میں اضافے اور ترمیمیں کی ہیں"۔ . . یہ فارسی زبان میں عالم

---

۱ - "وقائع عبدالقادرخانی" (اردو ترجمہ) صفحہ ۸۷ (عبارت میں ۱۲۱۴ھ، مولوی عبدالقادر خاں کے روزنامچے کا زمانہ تحریر ظاہر کرتا ہے)

2 - STOREY : Bio. bibliography of Persian Literature V. I pt, I p. 143

۳ - "اورینٹل کالج میگزین" جلد ۷ س ۱ (نومبر ۱۹۳۰ع)

کی تاریخ ہے ۔ خاتمۂ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں اس کی تالیف ہوئی تھی ۔ مگر دہلی نیز روہیلوں کے حالات میں جا بہ جا اضافے کیے گئے ہیں ۔ چناں چہ دوسری جلد کے ورق ۷۳ ب پر ۱۱۹۲ھ ، ۷۱ ب پر ۱۱۹۳ھ ۷۵ ب پر ۱۱۹۵ھ ۷۶ الف پر ۱۱۹۶ھ ۷۸ الف پر ۱۲۰۳ھ ۸۲ الف پر ۱۲۰۶ھ ۸۷ الف پر ۱۲۱۲ھ ۸۸ ب پر ۱۲۱۳ھ ۹۰ الف پر ۱۲۱۸ھ ۹۴ ب پر ۱۲۲۱ھ اور ۹۵ الف پر ۱۲۲۳ھ پائے جاتے ہیں ۔ مؤخرالذکر کو شوق نے ''اکنون'' سے تعبیر کیا ہے ۔

علاوہ ازیں ، مولوی غلام طیب بہاری کو لکھا ہے کہ ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) میں رام پور کے اندر انتقال کیا ۔ میر درد اور ملا حسن فرنگی محلی کی وفات ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) میں بتائی ہے اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ کتاب خانہ عالیہ رام پور میں محفوظ ہے ۔ شیخ عبدالرحمان ولد شیخ نتھو ساکن محلہ گوجر ٹولہ نے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳-۵۴ع) میں اسے رام پور میں لکھا ہے ۔ جلد ساز نے اس نسخے کو دو جلدوں میں تقسیم کردیا ہے ۔ اوراق کی تعداد ۳۴۴ اور سائز درمیانی ہے ، خط نستعلیق اور کتابت پر اغلاط ہے''[۱]

اس کتاب کا یہ واحد خطی نسخہ ہے جو رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے ۔ یہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے ۔

(۲) تکملۃ الشعراے جام جمشید

اس کی تالیف کا آغاز ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) کے بعد ہوا، اضافوں کا سلسلہ تقریباً ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) تک جاری رہا ۔ سبب تالیف کے ذیل میں شوق نے لکھا ہے کہ جب میں ''جام جہاں نما'' کی تالیف سے فارغ ہوا تو بعض دوستوں نے فرمائش کی کہ اس تاریخ میں شعراے فارسی

---

۱ ۔ ''دستور الفصاحت'' مرتبہ امتیاز علی عرشی (رام پور ۱۹۴۳ع) صفحہ ۷ ۔

کا تذکرہ نہیں ہے ، لہٰذا اس کے تکملے کے طور پر یہ تصنیف کی گئی ۔ مقدمے میں جن کتابوں سے استفادے کا ذکر ہے اُن میں سے چند یہ ہیں :

۱ ۔ ''ریاض الشعرا'' : والہ داغستانی
۲ ۔ ''مجمع النفائس'' : سراج الدین علی خان آرزو
۳ ۔ ''کلمات الشعرا'' : افضل بیگ سرخوش
۴ ۔ ''سرو آزاد'' : غلام علی آزاد بلگرامی
۵ ۔ ''منتخب اللطائف'' : رحیم علی خان

یہ تذکرہ دو مقالوں میں تقسیم ہوا ہے :

مقالۂ اول : در ذکر شعرائے عرب
مقالۂ دوم : در ذکر شعرائے عجم

''کتاب خانہ عالیہ رام پور میں اس کے دو قلمی نسخے ہیں ۔ ایک ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں حافظ غلام محی الدین[۱] نے صاحب زادہ

---

۱ ۔ پنج شنبہ غرہ شعبان ۱۲۱۸ھ کو تمام ہوا ، اس میں ۱۸۰ صفحے ہیں (اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۰ع) امیر مینائی نے ''تذکرۂ انتخاب یادگار'' کی تالیف میں اس سے فائدہ اٹھایا ہے ۔ لیکن وہ اس کا نام غلط سمجھے ہیں ۔ کاظم خان شیدا کے حال میں (صفحہ ۱۸۶) ''تذکرۂ طبقات الشعرا'' لکھتے ہیں ۔ اسی طرح میر منہو مصحف کے حال میں ہے (صفحہ ۲۰۳) ۔ قائم چاندپوری کے ذکر میں لکھتے ہیں : ''فارسی کلام ان کا جس قدر طبقات الشعرا تذکرۂ فارسی مولوی قدرت اللہ شوق میں پایا ، وہ لکھنے میں آیا ''۔ (صفحہ ۳۰۱) میر محمد نعیم کے ذیل میں ''تذکرۂ تکملۃ الشعرا'' تالیف مولوی قدرت اللہ شوق (صفحہ ۳۸۹) اور حاجی گل محمد وفا کے ترجمے میں صرف ''تذکرۂ مولوی قدرت اللہ شوق'' (صفحہ ۳۹۵) لکھا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہی ''تکملۃ الشعرائے جام جمشید'' ان کا ماخذ رہا ہے اور وہ اسی کا نام غلطی سے ''طبقات الشعرا'' بھی سمجھتے ہیں ۔

مظفرعلی خاں بہادر کے لیے رام پور میں لکھا ہے ۔ دوسرا مصنف کے دستخطی نسخے سے ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ع) میں چند کاتبوں نے نقل کیا ، اور مالک کتاب محمد عبدالسلام ہاشمی نے ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ع) میں ربیع الاول کی ۱۱ تاریخ کو اس کا منقول عنہ ، سے مقابلہ انجام کو پہنچایا ۔

اول الذکر نسخے کے دیباچے اور خاتمے میں اس کا نام ''تکملۃ الشعراے جام جمشید'' اور دوسرے کے دیباچے میں ''تکملۃ الشعرا و مخزن دو در'' اور خاتمے میں''تذکرہ تکملۂ جام جہاں نما معروف بہ تذکرۂ مخزن دو در'' لکھا ہے ۔

کتاب میں سال تالیف مذکور نہیں ، البتہ دیباچے میں مصنف نے یہ ظاہر کردیا ہے کہ ''جام جہاں نما'' سے فراغت کے بعد بعض اعزا و احباب کی فرمایش سے اسے تصنیف کیا تھا ۔ ''جام جہاں نما'' ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ختم ہوئی تھی ، لہٰذا اسے اس سن کے بعد شروع ہونا چاہیے ۔ جوں کہ مرزا مظہر اور سودا متوفی ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۱ع) کو متوفی اور میر تقی میر کو لکھنئو میں مقیم بتایا ہے اور میر ۱۱۹۶ھ (۱۷۸۲ع)[1] کے قریب وہاں گئے ہیں اس لیے قیاس یہ ہے کہ اسی سال میں اس کا آغاز ہوا ۔

رھین کو ، جو ''عقد ثریا'' کی تالیف کے وقت (۱۱۹۹ھ) زندہ تھا ، لکھا ہے کہ اس کے انتقال کو دو برس ہوئے ، خواجہ میر درد متوفی ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۵ع) کے انتقال کو چند سال بتاتے ہیں ۔ بیدار متوفی ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع) کو زندہ لکھا ہے ، قائم متوفی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ع) یا ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ع) کو کہتا ہے کہ چند سال پہلے فوت ہوگئے ۔ شاہ عالم بادشاہ دہلی کو لکھا ہے

---

۱ ۔ مولانا عرشی نے میر کے سفر لکھنئو کا سن ۱۱۹۷ھ (۱۷۸۳ع) لکھا ہے ، ہم نے یہاں ترمیم کردی ہے۔

کہ ۴۰ سال سے تخت دہلی پر متمکن ہیں۔ آنھوں نے ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ع) میں تخت پر قدم رکھا ہے۔ اس حساب سے چالیسواں سال ۱۲۱۳ھ (۱۷۹۸ع) میں ہونا چاہیے۔ حکیم عطاء اللہ خاں غمیں کو زندہ بتایا ہے، اور آن کا ''قطعہ تاریخ وفات چیری صاحب'' نقل کیا ہے، جس سے ۱۲۰۳ھ برآمد ہوتے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۲۱۳ھ کے بعد اس کی تکمیل ہوئی ہے۔''

(۳) دیوان اردو :

مختلف شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت اللہ شوق نے اپنا دیوان اردو مرتب کرلیا تھا لیکن اب وہ دستیاب نہیں ہوتا۔ اپنے کلام کا کچھ انتخاب خود شوق نے ''تذکرۂ طبقات الشعرا'' میں دیا ہے۔ اس کے علاوہ مصحفی[۲] شیفتہ[۳]، امیر مینائی[۴]، اور پنڈت کیفی[۵] کے تذکروں میں بھی انتخاب کلام موجود ہے۔

عبدالغفور نساخ نے لکھا ہے ''ان سے دو دیوان و تذکرۂ شعرا

---

۱ - ''دستورالفصاحت'' : صفحہ ۱۷-۲۷ (حواشی) نیز رجوع شود : اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۰ع ''تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان'' (طبع تہران ۱۹۶۴ع) صفحات ۳۶۸ تا ۳۷۱ -

Storey : Persian Literature v, 1 pt II P. 877 ·

۲ - ''ریاض الفصحا'' : صفحہ ۱۵۰ (۱۸ اشعار) -

۳ '' گلشن بے خار'' : صفحہ ۱۱۲ (۱ شعر)

۴ - ''انتخاب یادگار'' : صفحہ ۱۸۳

۵ - ''خمخانہ جاوید'' جلد پنجم : صفحہ ۸۲ (۳۹ اشعار) - یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اردو کا یہ مشہور شعر قدرت‌اللہ شوق کا زائیدہ فکر ہے :

غافل مجھے کرتا ہے یہ گھڑیال منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

یادگار ھیں'' لیکن اس عبارت سے یہ ظاہر نہیں ھوتا کہ یہ نساخ کی نظر سے گذرے ھیں ۔

پنڈت کیفی کا بیان ھے کہ دیوان شوق ان کے کتب خانے میں موجود تھا ۔[۲] پنڈت کیفی کا ذخیرۂ کتب اُن کی زندگی ھی میں بہت کچھ منتشر ھوگیا تھا ، اب میں یہ بتانے سے قاصر ھوں کہ وہ نسخہ کہاں ھوسکتا ھے ۔

(۴) تذکرہ طبقات الشعرا

یہی زیرنظر کتاب ھے اور اس پر گفتگو آئندہ اوراق میں ھوگی ۔

تلامذہ

قدرت اللہ شوق کا شمار اپنے زمانے کے اساتذہ میں ھوتا تھا ۔ رام پور اور اس کے نواح میں اُن کے شاگردوں کی خاصی [۳]تعداد گرم سخن تھی ۔ مصحفی نے لکھا ھے :

''اکثر مردم آں نواح بہ حلقۂ شاگردیش در آمدند ۔''[۳]

اور شیفتہ کہتے ھیں کہ ''در جرگۂ فضلا ثبت است'' [۴]

مختلف ذرائع سے شوق کے مندرجہ ذیل تلامذہ کا حال معلوم ھوتا ھے :

(۱) اخون زادہ احمد خاں غفلت: (''تذکرہ کاملان رام پور'' صفحہ ۸، ''انتخاب یادگار'' صفحہ ۲۶۵)[۵] انھوں نے یکم ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۸۴۳ع کو انتقال کیا ۔ صاحب دیوان تھے ۔

---

۱ ۔ ''سخن شعرا'' ۔ صفحہ ۲۵۵ ۔
۲ ۔ ''خمخانۂ جاوید'' جلد پنجم ۔ صفحہ ۸۲ ۔
۳ ۔ ''ریاض الفصحا''۔ صفحہ ۱۵۰ ۔
۴ ۔ '' گلشن بے خار'' ۔ صفحہ ۱۱۲ ۔
۵ ۔ آئندہ حوالوں میں ''تذکرۂ کاملان رام پور'' کا مخفف کاملان اور ''انتخاب یاد گار'' کا یاد گار استعمال ہوا ھے ۔

(۲) حکیم احمد خاں فاخر : اردو میں شوق کے شاگرد تھے ، ۱۱۹۸ھ (۱۷۸۳ ع) میں پیدا ہوئے ۱۳ - صفر ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ ع) کو وفات ہوئی - فن طب میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں (کاملان/۸ - ۹ نیز یادگار/۲۸۰)
(۳) الہ داد عرف شبراتی تخلص طالب : متوفی ۲۹ - شوال ۱۲۷۵ھ مطابق مئی ۱۸۵۹ ع (کاملان/۲۵ یادگار/۲۰۸)
(۴) غلام قادر مسکین والد مولوی فخرالدین : متوفی ۱۳ - رمضان ۱۲۱۶ھ مطابق جنوری ۱۸۰۲ع (کاملان/۱۰۳ یادگار/۳۴۱)
(۵) غلام محمد خاں ماهر : متوفی ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ ع) (کاملان/۳۰۳ یادگار/۳۳۴)
(۶) عنبر شاہ خاں آشفتہ[۱] : فارسی میں شوق کے شاگرد تھے (یادگار طبقہ دوم/۵ - تذکرہ هندی/)
(۷) احمد خاں احمد : متوفی ۸ شعبان ۱۲۲۱ھ مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۸۰۶ع (یادگار طبقہ دوم/۱۰)
(۸) شیخ غلام علی حرفت : متوفی ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ع) (یادگار طبقہ ۲ /۱۰۸)
(۹) شیخ کریم الدین صنعت : متوفی ۳ - محرم ۱۲۶۵ھ مطابق ۳۰ - نومبر ۱۸۴۸ع یادگار طبقہ ۲/۲۰۴)
(۱۰) میرزا سکھو عرف کرم خاں کرم : متوفی ۷ - ذی‌الحجہ ۱۲۵۳ھ مطابق ۵ - مارچ ۱۸۳۸ع (یادگار طبقہ ۲/۳۱۴)
(۱۱) میر محب علی مفلس : متوفی ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ع) (یادگار/۳۴۷)
(۱۲) ناصر خاں ناصر : متوفی ۱۲۰۲ھ (۱۷۸۷ع) (یادگار/۳۷۱)

---

۱ - یہ لائق ذکر ہے کہ نظام رام پوری کے استاد اور پیر و مرشد، احمد علی احمد ، انھیں عنبر شاہ خاں آشفتہ کے شاگرد تھے (یادگار طبقہ ۲/۹) اس طرح نظام کا سلسلۂ تلمذ بھی شوق تک پہنچتا ہے -

(۱۳) مستقیم خاں وسعت : متوفی ۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۶ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۳۰ع چہار شنبہ بہ عمر ۹۸ سال (تاریخ لطیف) (یادگار/۳۹۳)

احباب

قدرت اللہ شوق نے اس تذکرے میں اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں کا بیان کثرت سے کیا ہے ۔ آخری معاملہ خصوصیت سے اُنھیں شعرا کے بیان میں ہے جو مؤلف سے قرابت قریبہ رکھتے تھے یا اُن سے دوستانہ تعلقات تھے ۔ اس ضمن میں جو نام آئے ہیں اُنھیں سہولت کے پیش نظر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

(الف) جن سے قدرت اللہ شوق اپنی رشتہ داری کا مدعی ہے ، اُن میں صرف ایک نام شیخ محمد واصل کا آتا ہے ۔

(ب) جو شعرا اس کے احباب میں شامل تھے اُن میں سے چند کے نام یہ ہیں :

قدرت اللہ بلیغ (۱۶۱ الف)
صدرالدین خاں وحشت (۱۸۵ ب)
نواب نصراللہ خاں سلطان (۲۰۹ ب)
محمد معصوم ہمدم (۲۱۱ الف)
محمد شرف عاصی (۲۱۲ الف)
احمد خاں (۲۱۵ ب)
عزیز خاں بے جان (۲۲۰ ب)
غلام جیلانی رفعت [1] (متوفی ۲۷ ۔ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۶ ۔ اکتوبر ۱۸۱۹ع دو شنبہ بہ وقت چاشت ، بہ عمر ۸۰ سال) (۲۲۷ الف)

---

۱ ۔ رک : " تذکرۂ کاملان رام پور" صفحہ ۲۸۴ ۔

الف خاں ذوق (۲۳۷ ب)
میر حسن مائل (۲۴۳ ب)
سید کرم علی (۲۵۳ الف)
اعزالدین عزیز (۲۵۷ الف)
حیات اللہ بدایونی (۲۶۱ الف)
حافظ بدھا شیفتہ (۲۶۶ الف)
ولی اللہ سندیلوی (۲۶۹ الف)
محمد نصیر (۲۷۰ ب)
محمد بلاقی خاکسار (۲۷۴ ب)
محمد اکرم آشنا [1] (۲۸۵ الف) (متوفی ۱۲۳۴ھ ۱۸۱۸ع
به عمر ۵۷ سال)

(ج) مندرجہ ذیل شعرا سے وہ ذاتی ملاقات کا دعویٰ کرتا ہے :
میرزا مظہر (۲۶ الف)
میر سوز (۹۷ الف)
فضل علی ممتاز (۱۰۵ ب)
مراد علی حیرت (۱۰۶ الف)
اکرام اللہ محشر (۱۱۱ الف)
فیض اللہ بیگ فدوی (۱۱۶ الف)
علی محمد خنداں (۱۴۱ الف)
جنیل شاہ سائل (۱۵۶ الف)
نواب محمد یار خاں امیر (۱۸۸ الف)
نواب فیض اللہ خان امید (۲۱۳ ب)

---

۱ - یہ مولوی عبدالقادر غمگیں رام پوری (مرتب روز نامچہ) کے والد ہیں - حالات کے لیے رک : ''وقائع عبدالقادر خانی'' صفحہ ۴۹ - ۵۰ (اردوترجمہ) (''انتخاب یادگار'' صفحہ ۶ میں سال وفات ۱۲۲۹ھ صحیح نہیں ہے)

دوست علی عشق (۲۵۹ ب)
محمد جلیس جلیس (۲۵۸ ب)

قصۂ پدماوت کی تکمیل

قدرت اللہ شوق کا ایک بالواسطہ کارنامہ اور بھی ہے ۔ یعنی حکیم ضیاءالدین عبرت (متوفی ۱۲۰۴ھ) نے نواب مجو خاں (متوفی ۱۲۰۹ھ) کی فرمائش پر ھندی کے مشہور قصہ پدماوت کو اردو میں نظم کرنا شروع کیا تھا ، لیکن ابھی اسے مکمل نہ کرنے پائے تھے جو ان کی اپنی زندگی کا افسانہ تمام ہوگیا ۔ اور یہ کتاب نا تمام رہ گئی ۔ قدرت اللہ شوق نے اس قصے کی تکمیل کے لیے غلام علی عشرت بریلوی (متوفی ۲۸ شوال ۱۲۳۶ھ)[1] سے فرمائش کی ۔ انھوں نے اسے ڈیڑھ مہینے میں نظم کر ڈالا اور اس طرح یہ ادھوری تصنیف ضائع ہونے سے بچ گئی ۔ اس کا بیان خود غلام علی عشرت نے ان لفظوں میں کیا ہے :

" . . . . خاکسار بے مقدار سید غلام علی مشہدی متخلص بہ عشرت ، ساکن بریلی ، ابجد خوان دبستان مرزا علی لطف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ، کو ذات با برکات ان کی ، ذوق یاب شعر و شاعری کی کلام کرامت نظام مرزا رفیع السودا مرحوم و مغفور سے ہے ، بلکہ شاگرد رشید ان کے ھیں ، چند روز سے سنہ

---

۱ ۔ "ھائے میر عشرت" مادہ تاریخ وفات ہے ۔ انتقال ۲۸ شوال ۱۲۳۶ھ کو ھوا تھا ، سن میلادی کے مطابق ۲۹ جولائی ۱۸۲۱ء روز یکشنبہ ہے ۔ (ملاحظہ ھو : "تاریخ لطیف" قلمی صفحہ [illegible] به حوالہ "نگار" جولائی ۱۹۶۳ء)
"تذکرہ کاملان رامپور" میں ۱۲۲۶ھ غلط [illegible] (کاملان صفحہ ۲۰۲)

بارہ سو گیارہ میں درمیان شہر رامپور کے . . . .
بہ جہت الفت معصے یاراں . . . . وارد تھا ۔ بلکہ
بیچ سرکار . . . . محمد عثمان خان و احمد خان صاحب
سلمہا الرحمان کہ خاندان . . . فیض اتم خان مرحوم . . .
سے سوائے رشتۂ خواھر زندگی کے نسبت فرزندگی . . . .
بھی رکھنے ھیں ، سر رشتہ روزگار . . . رکھتا تھا . . .
شب و روز ان کی . . . ندگی میں تھا ، اور واسطے
حظ طبع آن کے ، غزلیات تازہ کہنا ، اور علاوہ
سب دوستان اس بزم موافقت اور محبان جلیس محفل
مودّت کے رابطہ الفت کا بیچ خدمت فیض درجت
مولوی صاحب ، مشفق ، فیض رساں ، مظہر کرم و
احسان ، مولوی قدرت اللہ صاحب کی ، زیادہ رکھتا تھا
اور اکثر اوقات بیچ خدمت شریف اس مطرح تجلیات
ایزد بے ہمال اور مسند نشین فضل وکمال دینی و دنیوی
کے ، کہ آن کو بھی ذوق شعر و شاعری سے کمال ہے ،
بلکہ تخلص بھی اپنا شوق فرماتے ھیں ، حاضر ھوتا اور
خاص بعد نماز جمعہ متبرکہ کے ، ان کے مکان جنت نشان
پر مشاعرے میں داخل ھوکر گل ھائے غزلیات تازہ
و شعر ھائے بلند آوازہ شعرائے شہر وغیرہ سے دامن
گوش و ھوش اپنے کو بھرتا اور خزف پارہ ھائے
فکر ناقص اپنی کو بھی مقابل جواھر زواھر ان
جوھریان بازار سخن دانی کے کرتا چنانچہ ایک مجلس
مشاعرہ میں کہ شعرائے کہین و مہین ، بہ صدائے
رنگین مشغول غزل خوانی تھے . . . . اس روز بعد
غزل خوانی کے مولوی صاحب فیض رسان ، سلمہ الرحمان

به کمال اشفاق مشفقانه و بسیار اخلاق استاداله طرف اس غریب کے ، که شاگردی آن کے تلمیذان کرامت بیان کی فخر اپنا جانتا ہے ، متوجه ہوکر فرمانے لگے که ایک فرمائش ہماری ہے ، اگر تم خوشی خاطر ہماری کو تکلیف اپنی پر مقدم رکھ کر اقبال اس کا کرو تو عین سلوک و احسان ہے ۔ میں نے عرض کیا که ہر چند یه ہیچ مدان اس لائق تو نہیں که کچھ کام آپ کا اس پر موقوف ہو ، لیکن فرمائیے که فدوی فرمائش عالی کو موجب سعادت دارین کا جان کر به جان و دل مصروف ہو ۔ بارے مولوی صاحب نے طوطی زبان . . کو . . . . یوں مترنم کیا . . . که "ایک عزیز . . . میر ضیاءالدین نام متخلص به عبرت ، متوطن شاه جہان‌آباد خوش باش قصبه رام‌پور ہمارے آشنا تھے . . . . گاه گاه مشق شعر کی بھی فرماتے اور علم طبابت میں گوے سبقت . . . اطباے زمانه سے لے گئے تھے . . . وه . . . بیچ سلک رفقاے نجو خاں مرحوم کے ہم سلک ہوکر خلوت و جلوت میں انیس و جلیس رہتے ، بس که اس خان والا شان کو بھی شوق شعر خوانی اور معنی رسی اور زبان دانی کا زیاده تھا ، اکثر به پاس خاطر عاطر اس کے اشعار فا و ہندی کے کہتے ۔ علی ہذا القیاس به فرمائش خلاصهٔ دود مان حشمت . . کے انھوں نے راجا رتن‌سین اور پدماوت کا به زبان پوربی تصنیف مولانا ملک محمد جایسی کے زبان ر . . تصنیف کرنا شروع کیا ، اور به مقدمه اپنی . . .

شعر و شاعری کا شوق بہ فرو گذاشت نہ کیا۔ القصہ چہارم حصہ اس دہے کا نہ نکات عجیب و لطیف . . . قلم . . . سے اپنے یہاں تک تحریر . . . . کیا کہ راجا رتن سین مالک چتوڑ کا ، شوہر پدمنی یعنی پدم . . . سے . . . جوگی ہوا اور . . . شہر اپنے سے ساتھ سولہ ہزار رفیق . . . . و سلامت اسی واسطے شکر مقال کی ہے . . . مدت مدید . . . میں نواح شہر سنگل دیپ میں داخل ہو کر ایک پربت میں کہ قریب باغ پدم کے تھی ، ڈیرہ کیا اور طوطی نے خبر راجا رتن کی کہ جس جس رنج سے مع لشکر سولہ ہزار جوگی کے آئے تھے ، پدم کو پہنچائی . . . یہ حکایت نہایت کو پہنچی کہ ضیاءالدین عبرت کو مرض الموت ہوا ، اور . . . طرف دارالبقا کی رنجہ فرمایا۔ اب عرصہ سات آٹھ برس کا گزرا کہ کوئی موزوں طبع کچھ کچھ اپنے جی میں سمجھ کر ، واسطے تمام کرنے اس کلام . . . الیام کے دست انداز نہ ہوا ، اور وہ صاحب . . . یعنی نجو خان سپہ سالار بھی بیچ کارزار فرنگیاں آتش بار کے ، رفاقت نواب غلام محمد خاں پسر نواب فیض اللہ خاں مرحوم . . . میں . . . آوری تمام کام آیا۔ مہربان ، اب اسدعا اور آرزو ہم سب کی یہ ہے یہ سبب فکر تمہاری کے یہ قصہ عجیب و غریب باقی ماندہ بیچ سلک نظم آبدار کی ، آب و تاب

ہ اشارہ اس طرف ہے . . . حسیف کو منحوس جان . . . ذاتی ہوئے . . . کہ جو . . . کرنا چاہئے . . . کرنے کی ۔

انتظام کی پاوے" . . . . . الغرض ترغیب دینے مولوی صاحب سے ، اور بھی کرم فرما میرے ، چنان چہ . . . حافظ بدھن . . . شیفتہ اور خلف الرشید ان کے . . . حافظ شیخ الاسلام ادھم و . . . مولوی غلام جیلانی رفعت ، و ھمت خاں ھمت و مرزا کراست علی اکرم و عنبر شاہ . . . . آشفتہ و . . . . شجاعت علی نسیم و کبیر خاں تسلیم ، و سید رفیع الدرجات . . . نور چشم ضیاءالدین عبرت اور کئی آشنا مجوز اس کے ہوئے کہ نظم کرنا قصۂ باقی ماندہ کا عین صلاح ہے . . . میں نے بہ پاس خاطر مولوی قدرت اللہ شوق وغیرہ سے (کذا) باقی ماندہ یہ قصہ . . عرصہ یک و نیم ماہ میں ، ساتھ اس جلدی کے انصرام بانا اس کلام کا محال تھا ، تمام کیا . . . اور مادۂ تاریخ اتمام . . . کا سوائے الفاظ تصنیف دو شاعر کے بہتر نہ پایا ، بلکہ یہ تاریخ ایسی مناسب اور انسب ہوئی کہ شعرائے شہر وغیرہ صغیر و کبیر کو رشک آیا اور سب نے متفق ہو کے فرمایا کہ یہ مادہ تاریخ کا الہام غیبی ہے . . . سنہ بارہ سو گیارہ بے کم و کاست بر آئے " ۔[۱]

---

۱ ۔ دیباچہ "مثنوی پدماوت" اردو ، (طبع بھارت الیکٹرک پریس سہارن پور ۱۹۳۰ع)

نیز رجوع شود : "کاملان رام پور" صفحہ ۱۰۳-۲۰۳ ، "قومی زبان" (کراچی) جلد ۲۶ شمارہ ۵ (مئی ۱۹۶۵ع) "ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں" صفحات ۱۵۴ تا ۱۵۶ ۔

اسی دیباچے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت اللہ شوق کے مکان پر ہر جمعہ نو نماز جمعہ کے بعد محفل مشاعرہ منعقد ہوتی تھی ، غالباً یہ مشاعرہ طرحی ہوتا تھا ۔ ''طبقات الشعرا '' میں بیشتر ہم عصر شعرا کی ہم طرح غزلیں درج ہوئی ہیں ، عجب نہیں کہ یہ انھیں مشاعروں میں پڑھی گئی ہوں ۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مشاعرے میں پڑھی جانے والی غزلوں کے مسودات حاصل کر لیے جاتے تھے اور ترتیب تذکرہ کے وقت وہی سب سے اہم مسالے کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ۔

وفات

شوق نے کتنی عمر پائی ، اس کا ہمیں علم نہیں ۔ انھوں نے ۱۲۲۴ھ (مطابق ۱۸۱۰ع) میں انتقال کیا جیسا کہ حکیم احمد خاں فاخر کے نوشتہ[۱] قطعہ تاریخ وفات سے ظاہر ہوتا ہے :

سفر کرد از جہاں چوں حضرت شوق
بر آورد از زباں ہر یک بشر ہائے
دلم تاریخ گفت ، از روے افسوس = ۱
سراج شاعری از بزم شد وائے = ۱۲۲۳ + ۱ = ۱۲۲۴ھ

اُن کے مدفن کا سراغ بھی نہیں ملا ۔ قیاس چاہتا ہے کہ اُنھوں نے رام پور ہی میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے ہوں گے ۔ اُن کی اولاد اور اعقاب کا حال بھی معلوم نہیں ہوتا ۔

---

۱ ۔ ''انتخاب یادگار'' صفحہ ۱۸۳ ۔ یہ قطعہ ''تاریخ لطیف'' مؤلفہ مہدی علی خاں رام پور (قلمی نسخہ رام پور) میں بھی موجود ہے ۔ نیز ملاحظہ ہو رسالہ ''نگار'' رام پور (ایڈیٹر : اکبر علی خاں) جولائی ۱۹۶۳ع اور ''تذکرۂ سمیم سخن'' از عبدالحی صفا بدایونی (۱۸۸۴ع) صفحہ ۱۳۱ ۔

(۲)

طبقات الشعرا

یہ تذکرہ ، قدرت اللہ شوق کی سب تصانیف میں بہت اہمیت کا حامل ہے ۔ اور چوں کہ اس کی کم یابی نے بہت سی غلط فہمیوں کو عام کردیا ہے ، اس لیے یہاں ہم اس کا تعارف قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کریں گے ۔

سب سے پہلے تذکرے کے نام کا مسئلہ آتا ہے ۔ اس کے متعدد نام ملتے ہیں : خود شوق نے ''تکملۃ الشعرا'' میں اس کا مختلف جگہوں پر جدا جدا ناموں سے ذکر کیا ہے ، کہیں اس کا نام ''تذکرۂ ہندی''[۱] ، کہیں ''حقیقۃ الشعرا''[۲] ، کہیں ''تذکرۂ طبقات شعرائے ہندی''[۳] اور کہیں ''طبقات الشعرا''[۴] لکھا ہے ،

دراصل اس کا نام شوق نے ''طبقات الشعرا'' ہی رکھا تھا ، اس لیے کہ اس میں شعرا کا حال طبقات میں تقسیم کر کے درج کیا گیا ہے ۔ اور یہی دیباچۂ تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے ۔ لیکن ''حقیقت شعرا''[۵] (بدون الف لام) اس کا تاریخی نام ہے جو اعزالدین عزیز عثمانی بدایونی نے برآمد کیا تھا ۔ اس سے کتاب کا سال اتمام ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ء) نکلتا ہے ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے اس کا نام ''حقیقت شعرا'' ہی

---

۱ ۔ ''تکملۃالشعرائے جام جمشید'' (قلمی رامپور) ورق ۱۲۷ ب ۔

۲ ۔ '' امیر بدایونی ... گاہے شعر ریختہ ہم می گفت ، حال چہ از تذکرۂ حقیقت الشعرا اشعار او اکثر نگاشتہ شد'' ('' تکملۃ الشعرائے جام جمشید'' ۔ صفحہ ۷۸)

۳ ۔ ''تذکرۂ طبقات الشعرا'' (قلمی) ورق ۔

۴ ۔ '' ایں مختصر کہ مسمی بہ طبقات الشعرا است ... '' (دیباچہ ''طبقات الشعرا'' ورق ۲ الف ، نسخۂ آصفیہ)

۵ ۔ ''تذکرہ طبقات الشعرا'' (قلمی نسخہ آصفیہ) ورق ۲۵۷ الف ۔

رکھا گیا ہو۔ طبقات ثانی کے تیار کرتے وقت جب کچھ مقالوں کا اضافہ کیا گیا تو نام "طبقات السعرا" رکھ دیا گیا ہو۔ لیکن اس کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔

یہ تذکرہ مدت تک نایاب رہا اور آج بھی بہت کمیاب ہے۔ مگر اس کا حوالہ اکثر اصحاب کو پریشان کرتا رہا ہے۔ احمد علی خاں شوق نے ۱۹۳۰ء میں لکھا تھا کہ "اس وقت تک تذکرہ حقیقت الشعرا، جس میں اردو کلام جمع (کذا) کیا ہے میری نظر سے نہیں گذرا۔"[1] عبدالغفور نساخ نے بھی لکھا ہے کہ "ان سے دیوان و تذکرۂ شعرا یادگار ہیں۔"[2] لیکن اس بیان سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ نساخ نے دیکھے بھی ہیں۔

اس تذکرے کے وجود خارجی کا علم غالباً سب سے پہلے پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کو ہوا اور انھوں نے ہمیں باخبر کیا:

> "شعرائے اردو کا ایک تذکرہ ان سے یادگار ہے۔ جس کا نام طبقات الشعرا ہے جو مؤلف کے کتب خانے میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ یہ تذکرہ اب تک طبع نہیں ہوا۔ شاعروں کے متعلق آپ اپنے زمانے کے بہترین محققوں میں تھے۔ "تذکرہ طبقات الشعرا" کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ معاصرین اور قدما کے حالات اور کلام کی تفتیش و تحقیق میں آپ نے بہت کاوش کی ہے۔"[3]

مؤلف "خمخانۂ جاوید" کا یہ بیان کہ شوق "شاعروں کے متعلق اپنے زمانے کے بہترین محققوں میں تھے" بہت بڑا مبالغہ ہے۔

۱۔ "اورینٹل کالج میگزین" (لاہور) نومبر ۱۹۳۰ء۔
۲۔ "سخن شعرا" صفحہ ۲۵۵
۳۔ "خمخانۂ جاوید" جلد پنجم صفحہ ۸۲۔

تذکرے کی اہمیت

مصحفی ، اعظم الدولہ سرور اور امیر مینائی بہ ظاہر تذکرۂ شوق کے وجود سے بے خبر ہیں اپنی بہت سی کوتاہیوں کے باجود یہ تذکرہ بعض خصوصیات کا حامل ہے ۔ پہلی خصوصیت تو یہ کہ اس میں بیشتر ہم عصر شعرا کے کلام کا انتخاب خود ان شاعروں کے مسودات سے کیا گیا ہے ۔ ان میں میر تقی میر بھی شامل ہیں جو تالیف تذکرہ کے وقت راجانا گرمل کے متوسلین میں داخل تھے :

''محمدتقی میر . . . مصنف تذکرہ شعرائے ہندوستان . . .
اکثر سخن طرازان و معنی یابان ، محاورات و روز مرات
ایں فن ازایشاں اخذ نمودہ . . . ازمدتے بہ سبب افراط
و تفریط روزگار . . . ہمراہ ناگرمل کہ دیوان تن و دخیل
پادشاہی بود ، درقلعۂ ڈیک شنیدہ می شود ، حق تعالیٰ
زندہ دارد . . .[1] ''

''از غزلیات تازہ اوست کہ بایں راقم الحروف نوشتہ[2] . . .''

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۴ع) میں میر ، راجا ناگرمل کے ساتھ تھے ، اور انتخاب غزلیات سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سن تک وہ کون کون سی غزلیں کہہ چکے تھے ۔

ثانیاً اس تذکرے میں بیشتر شعرا شوق کے ہم عصر ہیں اور علاقہ روہیل کھنڈ ، خصوصاً رام پور کے باشندے ہیں ۔ یہ تخصیص فن تذکرہ نویسی کے لحاظ سے قابل تعریف نہ سہی ، لیکن اس سے بارھویں صدی ہجری (اٹھارھویں صدی عیسوی) کے نصف آخر میں ریاست رام پور کا علمی و ادبی ماحول سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے اس

---

۱ ۔ ''طبقات الشعرا'' (قلمی) ورق ۸۶ ب و ۸۷ الف ۔
۲ ۔ ''طبقات الشعرا'' (قلمی) ورق ۹۳ الف ۔

تذکرے کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ جا بہ جا یہ حوالہ پائیں گے کہ انتخاب کلام خود شاعر نے تیار کر کے دیا ، یا اس کی بیاض سے نقل لیا گیا اور جیسا کہ ہم نے دیباچۂ "پدماوت" کے حوالے سے لکھا ہے ، شوق کے مکان پر ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوتی تھی اور غالباً یہ طرحی محفل سخن تھی ۔ اسی مشاعرے کی بیشتر ہم طرح غزلیں تذکرے میں درج ہوئی ہیں ۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ "طبقات الشعرا" بہ اعتبار ترتیب زمانی اردو شاعروں کا آٹھواں تذکرہ ہے اور طبقاتی تقسیم کی بنیاد پر مرتب ہونے والے تذکروں میں اس کا دوسرا نمبر ہے ۔ اس نہج کا پہلا تذکرہ ، جو زماناً بھی اس سے مقدم ہے ۔ قائم چاندپوری کا "مخزن نکات" ہے جس کا زمانۂ تالیف مابین ۱۱۵۶ھ و ۱۱۶۸ھ ہے[1] میر حسن دہلوی نے بھی اپنے "تذکرہ شعرائے اردو" میں ، شعرا کو تین طبقوں (متقدمین ، متوسطین ، متاخرین) میں تقسیم کیا ہے ۔ لیکن وہ بہ اعتبار زمانہ تذکرۂ شوق کے بعد آتا ہے ۔ اس کی تالیف اتمام ۱۱۹۱ھ (۱۷۷۷ع) میں ہوا گو داخلی قرائن کے زمانۂ آغاز ۱۱۸۴ھ (۱۷۷۰ع) معلوم ہوتا ہے ۔ مگر تذکرۂ شوق کی روایت اولیں ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ع) میں تمام ہوچکی تھی ۔

اس طرح قدرت اللہ شوق کا یہ تذکرہ ، شعرائے اردو کے قدیم ترین تذکروں میں شمار کیا جا سکتا ہے ۔ اس دور میں جو

---

۱ ۔ زمانۂ تالیف کی بحث کے لیے مقدمہ "دستور الفصاحت" مرتبہ امتیاز علی عرشی ملاحظہ ہو — راقم الحروف کا بھی یہ خیال ہے کہ قائم چاندپوری کا تذکرہ ، میر کے "نکات الشعرا" پر تقدم رکھتا ہے (رک : دہلی کالج میگزین : میر نمبر ۱۹۶۲ع)

تذکرے لکھے گئے' اور اب دستیاب ہوتے ہیں ۔ ان کے نام یہ ہیں :

۱ ۔ نکات الشعرا :	میر تقی میر	۱۱۶۵ھ	(۲-۱۷۵۱ع)
۲ ۔ مخزن نکت :	قائم چاندپوری	۱۱۶۸ھ	(۵-۱۷۵۴ع)
۳ ۔ تذکرہ ریختہ گویاں :	فتح علی حسینی گردیزی	۱۱۶۸ھ	(۵-۱۷۵۴ع)
۴ ۔ تذکرہ گلشن گفتار :	خواجہ خان حمید اورنگ آبادی	۱۱۶۵ھ	(۲-۱۷۵۱ع)
۵ ۔ تذکرہ ریاض حسنی :	خواجہ‌عنایت اللہ فتوت اورنگ آبادی	۱۱۶۸ھ	(۵-۱۷۵۴ع)
۶ ۔ تحفۃ الشعرا :	افضل بیگ قاقشال اورنگ آبادی	۱۱۶۵ھ	(۲-۱۷۵۱ع)
۷ ۔ چمنستان‌شعرا :	لچھمی نرائن شفیق	۱۱۷۵ھ	(۲-۱۷۶۱ع)
۸ ۔ طبقات الشعرا :	قدرت اللہ شوق	۱۱۸۸ھ	(۱۷۷۴ع)
۹ ۔ تذکرہ شعرائے اردو :	میر حسن دہلوی	۱۱۹۱ھ	(۱۷۷۷ع)

ان تذکروں میں فتوت کا ''تذکرۂ ریاض حسنی'' ہنوز

---

۱ ۔ قاسم نے تذکرہ سودا کا حوالہ دیا ہے ، لیکن یہ کسی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے ۔ اسی طرح میر حسن نے عہد محمد شاہ میں امام الدین کے تذکرہ تالیف کرنے کا ذکر کیا ہے ۔ یہ اب دستیاب نہیں ہوتا ۔ اس لیے ان دونوں کو ہم نے شمار نہیں کیا ۔

۲ ۔ اس کا قلمی نسخہ سنٹرل رکارڈس آفس ، (ارم منزل حیدر آباد) میں محفوظ ہے ۔ اس کا تعارف نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے سہ ماہی ''نوائے ادب''(بمبئی) جلد۷شمارہ۲ بابت اپریل۱۹۵۶ئ میں کرا دیا تھا ۔ (نیز ''ہندوستانی'' جنوری ۱۹۳۶ع)

غیر مطبوعہ ہے ۔ باقی تذکرے شائع ہوچکے ہیں ۔

زمانۂ تالیف

تذکرۂ شوق کا زمانۂ تالیف متعین کرنا کچھ ایسا دشوار طلب مسئلہ نہیں ہے ۔ لیکن بعض متاخرین کے بیانات اور کچھ داخلی قرائن نے اس میں الجھن پیدا کر دی ہے ۔ مثلاً شیخ چاند نے مرزا رفیع سودا کے ۱۱۸۸ ھ سے قبل کے کلام پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس سنہ میں دو تذکرے لکھے گئے ۔ ایک تو قدرت اللہ شوق کا ''طبقات الشعرا'' دوسرا میرحسن کا ''تذکرہ شعرائے ھندی''(کذا) ۔ ان دونوں تذکروں کے سنین تالیف زیادہ صاف اور یقینی نہیں ۔ شوق نے پہلی مرتبہ ۱۱۸۸ھ میں اپنا تذکرہ لکھا پھر ۱۲۰۹ ھ میں اس میں معتدبہ اضافہ کیا ۔ لیکن ۱۱۸۸ھ میں جن شاعروں کا حال لکھا ہے ۔ ترمیم کے بعد ان کے کلام کے نمونوں میں بہت کم تبدیلی کی ہے ۔ ھمارے پیش نظر ۱۱۸۸ ھ اور ۱۲۰۹ ھ کے دونوں تذکرے ہیں''۔[1]

شیخ چاند کے مندرجہ بالا بیان کی تنقیح ضروری ہے ۔ شوق کے تذکرے کا زمانۂ تالیف کیا ہے اس سے تو آئندہ سطور میں بحث ہوگی ۔ لیکن میر حسن کے تذکرے کو بھی انھوں نے ۱۱۸۸ھ (۷۴-۱۷۷۳ع) کے مؤلفات میں شمار کیا ہے ۔ یہ محل نظر ہے ۔ میر حسن نے خود اپنے تذکرے کا سن اختتام ''یک ھزار و یکصد و نو دو یک'' لکھا ہے ظاھرا اس کی تسوید کا کام ۱۱۸۸ ھ (۱۷۷۴ع) کے بعد ہوا ۔ اگرچہ مواد کی فراھمی ۱۱۸۴ھ(۱۷۷۰ع) سے شروع ہوچکی تھی ۔[2]

۱۔ ''سودا'' صفحہ ۱۲۷ (نیز کتابیات کے ذیل میں صفحہ ۳۹۴)۔

۲ ۔ زمانۂ تالیف کی بحث مقدمہ ''دستورالفصاحت''، مرتبہ امتیاز علی عرشی میں ملاحظہ ہو ۔

رہا ''طبقات الشعرا'' کا زمانۂ تالیف ، اسے متعین کرنا کچھ دشوار نہیں ۔ تاریخ آغاز کا علم تو خود تذکرے کے دیباچے سے ہوجاتا ہے : '' در سنہ یک ہزار و یک صد و ہشتاد و ہشت ہجری در سلک تحریر آوردم۔'' [1] اور داخلی شواہد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی روایت کا اکثر حصہ اسی سن میں لکھا گیا تھا ۔ چناں‌چہ نواب محمد یار خان امیر کے حال میں لکھا ہے : ''قریب یک ماہ شد کہ ازیں جہان فانی رحلت نمودہ ۔'' [2] نواب محمد یار خان نے یکم ذی قعدہ ۱۱۸۸ ھ مطابق ۳ جنوری ۱۷۷۵ع کو بہ مرض استسقا و سل انتقال کیا تھا ، [3] اس حساب سے ترجمۂ امیر ذی‌الحجہ ۱۱۸۸ ھ میں لکھا گیا ہے ۔

عزیز بدایونی کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے ترتیب تذکرہ کی تاریخ ''حقیقت شعرا'' برآمد کی ہے ۔ [4] اس سے ۱۱۸۹ ھ مستفاد ہوتے ہیں ۔ یہ ظاہرا تاریخ اتمام تالیف ہے ۔ ۱۱۸۹ ھ (۱۷۷۵ع) کے بعد شوق نے تراجم شعرا میں بہت اہم اضافے کیے ہیں اور انتخاب کلام میں بھی کمی بیشی کرتے رہے ۔ تراجم میں جو اضافے بعد میں کیے گئے ہیں ان کی بحث زمانۂ کتابت کے ذیل میں آئے گی ۔

اختلاف نسخ

ابھی تک ''تذکرہ طبقات الشعرا'' کے چار قلمی نسخوں کا علم ہوا ہے ۔

(۱) نسخہ کتب خانہ آصفیہ ، حیدر آباد دکن — ن۱

---

۱ ۔ ''طبقات الشعرا'' (نسخہ آصفیہ) ورق ۳ الف ۔

۲ ۔ ''طبقات الشعرا'' (ورق ۱۸۸ب)

۳ ۔ ''انتخاب یادگار'' صفحہ ۳۲

۴ ۔ ''طبقات الشعرا'' (ورق ۲۵۴ الف)

(۲) نسخه کتب خانه دارالمصنفین ، اعظم گڑھ - ن ۲
(۳) نسخه سنٹرل رکارڈس آفس ، حیدر آباد ، دکن = ن ۳
(۴) نسخه کتاب خانه پنڈت برج موهن دتاتریه کیفی دهلوی،
(یه نسخه اب لاهور پہنچ گیا هے)

زیر نظر کتاب کا متن کتب خانۂ آصفیه (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری) حیدر آباد ، دکن کے قلمی نسخے پر مبنی هے - یه مذکوره بالا سب نسخوں میں زیاده صحیح، مکمل اور قابل اعتماد هے - یه باور کرنے کے قوی قرائن موجود هیں که خود مؤلف کی نظر سے گزر چکا هے - لیکن اس میں ایک گڑ بڑ بھی هے - کہیں کہیں اچانک ایک آدھ ورق غائب هو جاتا هے - یعنی پاورق کی عبارت سر صفحۂ آئنده سے مطابق نہیں رهتی - ان اوراق کے غائب هونے سے دو شاعروں کا ترجمه بھی طبقات میں نہیں ملتا ، حالاں که ان کا انتخاب کلام موجود هے - ایک مرزا رفیع سودا ، دوسرے راجا نول رائے وفا - میں اچھی طرح جائزه لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا هوں که یه کتاب کے ناقص هونے کی وجه سے نہیں هوا ، بلکه یه اوراق خود مؤلف تذکره نے بعض شعرا کا انتخاب کلام کم کرنے کی غرض سے نکالے هیں اور بقیه صفحوں کی عبارت کو باهم مربوط کرنا بھول گیا هے - اس طرح جو اوراق خارج هوئے ان میں سودا اور وفا کے تراجم بھی نکل گئے اور پھر شامل نه هوسکے - "تکملۂ الشعرائے جام جمشید" میں سودا کا ذکر ان الفاظ میں هوا هے :

"مرزا رفیع سودا تخلص ، متوطن دهلی ، از اکمل و اشهر شعرائے ریخته گوے هندوستان است و در ریخته گوئی عدیل و نظیر خود در خطۂ هندوستان نه داشت ، و دم استادی و ملک الشعرائی می زد ، در غزل و مثنوی و رباعی یکتائے وقت خود بود ، خصوصاً در قصیده گوئی

بے مثل و بے بدل بود ۔ احوالش مفصل در تذکرۂ هندی به تحریر آمده ۔ دیوان کلیات او در ریختہ قریب چهل جز دارد ۔ گاهے فکر شعر فارسی هم می کرد ، اشعارش قریب دو سه جز به نظر رسیده'' [1]

''تذکرہ طبقات الشعرا'' میں تراجم کی عام روش اور اختصار کو دیکھتے ہوئے یہ باور کرنے کو جی تو نہیں چاهتا کہ شوق نے سودا کا حال ''تفصیل سے'' لکھا ہوگا ، اور اس میں کچھ معلومات متداول مآخذ سے زیادہ یا مختلف بھی ہوں گے ، لیکن اگر ''تکملۃ الشعرا'' کی محولہ بالا عبارت کو صحیح سمجھا جائے تو افسوس ہوتا ہے کہ ''طبقات‌الشعرا'' میں سودا کا ترجمہ نہیں ہے ، اس کی کم سے کم یہی اہمیت ہوتی کہ شاعر کی زندگی میں اس کے ایک هم عصر کے قلم سے نکلا تھا ۔ مزید افسوس یہ ہے کہ یہ عبارت سنٹرل ریکارڈس آفس اور دارالمصنفین اعظم‌گڑھ کے نسخوں میں بھی نہیں ہے ۔

کتب خانۂ آصفیہ کے اسی نسخے کی تلخیص [2] جناب ابواللیث صدیقی نے ۱۹۴۷ع میں کتابی صورت میں شائع کی تھی لیکن اس تلخیص کا نسخہ مبنیٰ علیہ سے مقابلہ کرنے پر اندازہ ہوا کہ انھوں نے عبارت میں کتربیونت ، قیاسی اضافے اور قرأت کی غلطیاں حد و شمار سے زیادہ کی ہیں ۔

اسی نسخے کا تعارف جناب احمد اللہ قادری نے رسالہ ''نیرنگ'' رام پور [3] میں شائع کرایا تھا اور غالباً یہی وہ نسخہ ہے جسے

---

۱ ۔ ''تکملۃ الشعراے جام جمشید''(قلمی نسخہ رامپور) ورق ۱۴۷

۲ ۔ مکتوب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی بہ نام راقم‌الحروف ۔

۳ ۔ رسالہ''نیرنگ'' رام‌پور خاص نمبر ۱۹۲۹ع (مخزونہ رضا لائبریری، رام پور)

بنیاد بنا کر مرزا فرحت اللہ بیگ ، ''تذکرہ طبقات الشعرا'' کو انجمن ترقی اردو کی فرمایش پر ایڈٹ کر رہے تھے - لیکن انھوں نے ترتیب کا کام ختم کیا تھا یا نہیں ، اور کیا تھا تو وہ مسودہ کہاں گیا ، اب ان سب باتوں کا جواب دینا مشکل ہے -

نسخہ ۲

''طبقات الشعرا'' کا دوسرا خطی نسخہ کتب خانۂ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں محفوظ ہے - یہ اصل نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا ، لیکن اس کے جو اختلافات نسخہ ۳ پر نقل ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہوا کہ بہ ظاہر نسخہ ۲ و ۳ کا منقول عنہ ایک ہی ہے ، اور ان میں انتخاب کلام کی کمی بیشی کے سوا تراجم میں کوئی اہم فرق نہیں ہے - اور اس کے مقابلے میں نسخہ ۱ میں بہت کچھ اضافے اور ترمیمیں ہوئی ہیں -

میرے استفسار پر دارالمصنفین سے مولانا ابوالبقا ندوی نے اطلاع دی تھی کہ یہ نسخہ ناقص الآخر ہے اور اس میں ترقیمے کی عبارت نہیں ہے -

نسخہ ۳

''طبقات الشعرا'' کا تیسرا ، اور ناقص، اور زماناً سب سے مؤخر نسخہ سنٹرل ریکارڈس آفس حیدر آباد دکن میں محفوظ ہے - اس کا پہلا ترقیمہ تو وہی ہے جو نسخۂ آصفیہ کے آخر میں ہے اور اس میں صاف طور پر ۹ رجب ۱۲۰۱ھ لکھا ہوا ہے[1] ، دوسرے ترقیمے کی عبارت یہ ہے :

''حقیر فقیر سید محمد علی ملیح آبادی نے ایک کرم خوردہ

---

۱ - ملاحظہ ہو : سہ ماہی ''نوائے ادب'' بمبئی جلد ۷ ش ۳ (جولائی ۱۹۵۶ع) صفحہ ۳۳ - نیز رسالہ سہ ماہی ''ہندوستانی'' الہ آباد ، جنوری ۱۹۳۶ع صفحہ ۷۷ -

نسخے سے ۲۳ یوم میں نقل کرکے اپنے خالگی کتب خانے میں داخل کیا اور اصل نسخے سے اس کی صحت بہ وجہ عجلت نہ ہوسکی اور یہ صحت کسی صحیح نسخے کے دستیاب ہونے پر منحصر رکھی۔ فقط ۲۹ ۔ رمضان ۱۳۲۷ھ[1] محلہ حسینی علم حیدر آباد دکن ۔"

اس نسخے میں ۲۶۴ صفحات ہیں مسطر ۱۷ سطری اور سائز $9\frac{1}{2} \times 6\frac{1}{2}$ ہے ۔ یہ جس نسخے سے نقل ہوا ہے وہ اب ناپید ہے ۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ کاتب اس کے نسخۂ منقول عنہ کا بھی وہی ہے جو نسخۂ آصفیہ (ن ا) کا ہے ، اور تاریخ اتمام کتابت بھی ترقیمے میں وہی ۹ رجب ۱۲۰۱ھ دی ہوئی ہے ۔[2] مگر اس بات کا قرینہ کہ نسخہ آصفیہ ، سنٹرل رکارڈس آفس والے نسخے کی بنیاد نہیں ہے ، ایک تو خارجی ہے ؛ یعنی محمد علی ملیح آبادی نے اپنے نسخہ منقول عنہ کو "کرم خوردہ" بتایا ہے اور نسخۂ آصفیہ ایسا نہیں ہے ۔ دوسرے داخلی ؛ یعنی دونوں (ن ا و ن م) میں تراجم شعرا اور انتخاب کلام کی کمی بیشی کا نمایاں فرق ہے ۔ تراجم شعرا جو مشترک ہیں ان میں کوئی اہم اختلاف بعض جزوی لفظی تبدیلیوں کے سوا نہیں ہے ، لیکن انتخاب کلام کسی شاعر کا نسخۂ آصفیہ میں کم اور نسخہ م میں زیادہ ہے وکذابالعکس۔ مگر نسخہ م میں صرف پہلا مقالہ ہے ، جو چار طبقوں میں تقسیم ہوا ہے ۔

محمد علی ملیح آبادی نے جس "کرم خوردہ" نسخے سے اسے نقل کیا تھا ، ظاہرا وہ پر غلط ہوگا لیکن یہ حضرت بھی زیادہ صحیح خواں نہیں ہیں ، اکثر الفاظ جو اٹکل سے بھی بہ آسانی پڑھے

---

۱ - یہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۹ع کے مطابق ہے ۔
۲ - یہ ۲۷ اپریل ۱۷۸۷ء کے مطابق ہے ۔

جا سکتے تھے ان کی سمجھ ھی میں نہیں آئے ۔ متعدد جگہ نقل کی حیرت الگیز غلطیوں نے اس نسخے کو غلط در غلط بنا دیا ھے ۔

غالبا یہی نسخہ بعد کو محمد علی ملیح آبادی کے کتب خانے سے مولوی ابو محمد عمر الیافعی مرحوم (حیدر آباد) کے ذخیرۂ ذاتی میں منتقل ھوا ۔ انھوں نے اس کے ھر ورق کے بعد ایک سادہ ورق لگوا کر دوبارہ شیرازہ بندی کرائی اور نسخہ دارالمصنفین کے مقابلے کے لیے اعظم گڑھ بھیج دیا ۔ وھاں اس کا مقابلہ پروفیسر نجیب اشرف ندوی نے کیا ، جو اب انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے ناظم ھیں ۔ انھوں نے نسخۂ ۲ کے اختلافات متن ، ان سادہ اوراق پر درج کیے ھیں جو اسی مقصد کے لیے نسخہ ۳ کے ساتھ لگوائے گئے تھے ۔ جا بہ جا بعض اشعار یا اتتخص کے بارے میں اپنی طرف سے کوئی نکتہ بہ طور یاد داشت بھی لکھ دیا ھے ۔ دونوں نسخوں کے اختلافات کی نوعیت یہ ھے کہ نسخہ ۳ میں صرف پہلا مقالہ ھے ، جسے چار طبقات میں تقسیم کیا گیا ھے ، اور نسخہ ۱ میں چار مقالے بعد میں اضافہ ھوئے ھیں ۔ کچھ معمولی لفظی تبدیلیاں ھیں ؛ کچھ اشعار میں اختلاف روایت ھے ، بعض شعرا کا انتخاب نسخہ ۱ سے طویل تر ھے خود مؤلف تذکرہ کا کچھ کلام جو نسخہ ۳ میں ھے نسخہ آصفیہ سے غیر حاضر ھے یہ غالباً ترمیم کے وقت نکال دیا گیا ۔

نسخہ ۲ کے بعض الفاظ کو پڑھنے میں پروفیسر نجیب اشرف ندوی سے بھی تسامح ھوا ھے کلام کا معتدبہ حصہ ایسا ھے جو دونوں نسخوں میں (ن۲ و ن ۳) کم و بیش ھے ۔ اس مقابلے کو بہ غور دیکھ کر میں نے یہ استنباط کیا ھے کہ اعظم گڑھ کے نسخے کا متن نسخہ ۳ کے مطابق ھے (بعض اختلافات کتابت کا استثنا) اور دونوں کا منقول عنہ نسخہ ایک ھی ھے ۔ مولانا

عمرالیافعی کو شاید اس زمانے تک نسخۂ آصفیہ کا علم نہ ہوا ہوگا ورنہ وہ اس سے بھی مقابلہ و تصحیح کراتے ۔ [1]

البتہ سنٹرل رکارڈس آفس والا نسخہ جس نسخے سے نقل ہوا وہ غالباً اس تذکرے کی روایت اولیں رہی ہوگی ۔ نسخۂ آصفیہ ، مرسومہ و اضافہ شدہ روایت ہے ۔

شیخ چاند نے اپنی کتاب میں جن دو خطی نسخوں کا حوالہ دیا ہے [2] ان میں سے ایک ۱۱۸۸ ھ کا اور دوسرا ۱۲۰۹ ھ کا بتاتے ہیں ، لیکن انھوں نے یہ نسخے کہاں دیکھے ہیں اس کا ذکر نہیں کیا ۔ میرا قیاس کہتا ہے کہ ان کے پیش نظر یہی نسخہ ۱ و نسخہ ۳ رہے ہیں اور ان کے محولہ نسخے بہ ظاہر ان کے سوا نہیں ہیں ۔

زمانۂ کتابت

ایک مشکل اور پیش آتی ہے ۔ نسخۂ آصفیہ کے ترقیمے کی عبارت ہے :

"چوں ایں نسخۂ طبقات الشعرا ، باعانت ایزدی و برہ نمونی شوق کہ راہ بر جمیع مقاصد است ، و بہ حسب فرمائش بعضے اعزا کہ فن شعر ریختہ را باوجود بے جانی عزیز از جان می داشتند باتمام رسید و صورت اختتام یافت تمت تمام شد بعون الملک الوہاب ، نسخہ طبقات الشعرا بہ موجب فرمائش خان مہربان دوست محمد خان

---

۱ ۔ کتب خانۂ آصفیہ کا یہ نسخہ غالباً ۱۹۳۶ء کے بعد دریافت ہوا ہے ۔ نصیرالدین ہاشمی نے جنوری ۱۹۳۶ء کے "ہندوستانی" میں لکھا تھا کہ جامعۂ عثمانیہ اور کتب خانۂ آصفیہ میں "طبقات الشعرا" کا کوئی نسخہ نہیں ہے ۔

۲ ۔ "سودا" صفحہ ۱۲۶ و ۲۹۳ ۔

خلف الصدق خاں صاحب نصرت خاں حاکم بہ حفظ بندہ
احقر العباد فیض علی ، بتاریخ نہم شہر رجب بروز
پنجشنبہ وقت سہ پہر ۱۲۰۱ ھجری[۱] ۔"

یہ سن بہت اشکال پیدا کر رہا ہے ۔ اسے ۱۲۰۱ھ بھی پڑھا جاسکتا ہے جیسا کہ صاف لکھا ہوا بھی ہے اور تقویم ہجری و عیسوی کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹ رجب ۱۲۰۱ھ

---

۱ ۔ "طبقات الشعرا" (قلمی نسخہ آصفیہ) ورق ۲۹۳ الف ، یہ نسخۂ آصفیہ کا ترقیمہ ہے ۔ لیکن نسخہ پ جو محمد عمر سیج آبادی نے نقل کیا ہے ۔ اس کے آخر میں بھی محمد علی (ناقل نسخہ) کی توسعہ عبارت سے پہلے یہی عبارت موجود ہے ۔ اگر ۱ اور ل ۳ کی عبارت ترقیمہ کا واحد ہوتا اور متن میں اسی کمی نسی کا دیا جاتا ۔ عجیب معمہ ہے ۔ بہ ظاہر یہ سن نظر آتا ہے کہ ۱۲۰۱ھ کے ایک نسخے سے وہ نسخہ نقل ہوا ، جس سے ل ۳ کی نقل تیار ہوئی اور پھر اس ۱۲۰۱ھ کے نسخے پر مؤلف تذکرہ نے کچھ اضافے کیے اور اس اضافہ شدہ نسخے سے کاتب نے نسخۂ آصفیہ تیار کیا ، اس لیے وہ حصے جو صریحاً ۱۲۰۱ھ کے بعد کے ہیں ۔ مثلاً حوال جرأت کا سال وفات ، سلیمان شکوہ کا قیام لکھنؤ وغیرہ ، اس میں شامل متن ہوگئے اور ناقل نسخہ مرسومہ کی بد توجہی سے ترقیمے میں سن ثابت وہی رہا جو نسخۂ منقولہ عنہ کا تھا۔اس کے سوا کوئی صورت ایسی نہیں جو اس اشکال کو رفع کرسکے ۔

ن ۱ و ن ۳ میں ترقیمے کا سن صاف طور پر ۱۲۰۱ھ پڑھا جاتا ہے ۔ تقویم ہجری و عیسوی سے بھی اس کی تائید ہی ہوتی ہے کہ ۹ رجب ۱۲۰۱ھ کو پنجشنبہ تھا (اس تقویم میں ایک دن کا فرق رہتا ہے ۔ اس لیے 'جمعہ' درست ہوتا ہے) مگر ۹ رجب ۱۲۰۱ھ کو منگل کا دن تھا ۔ حالاں کہ نسخے میں پنجشنبہ لکھا ہوا ہے ۔ تقویم کے حساب میں صرف ایک دن کا فرق (رویت کی گڑبڑ کی وجہ سے) نکلتا ہے ۔ اتنا اختلاف ممکن نہیں کہ واقع کسی تاریخ کو پنجشنبہ ہو اور تقویم سہ شنبہ بتاتی ہو ۔

کو دنٔ پنجشنبه تھا اور ۹ رجب ۱۲۰۱ کو سه شنبه تھا ۔ لیکن بعض حضرات نے ، جن میں ابوللیث صدیقی ، نصیرالدین ہاشمی اور شیخ چاند بھی شامل ہیں اسے ۱۲۱۰ ھ پڑھا ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے ۔

داخلی شواہد تلاش کیے جائیں تو قدرت اللہ شوق نے سنین کا اہتمام نہیں کیا ہے لیکن نظر به ظاہر مندرجه ذیل تراجم کے سنین متعین ہوسکتے ہیں ۔

(الف) ۔ میر کا ترجمه ۱۱۸۸ ھ میں شامل ہوا ہے ۔ جب وہ راجا ناگرمل کے متوسل تھے ۔

(ب) ۔ محمد یار خاں امیر کا حال بھی ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ میں لکھا گیا ہے ۔

(ج) ۔ حاتم کو به قید حیات لکھا ہے اور یه که "انھوں نے "دیوان زادہ" مرتب کر لیا ہے ۔

حاتم کا انتقال ۱۱۹۷ ھ میں ہوا اور "دیوان زادہ" ۱۱۶۹ ھ میں ترتیب دیا گیا تھا ۔

(د) ۔ قائم چاندپوری کے بارے میں لکھا ہے :

"بر حال این ہیچ مداں اکثر شفقت می فرماید اتفاق صحبت داشتن و گپ زدن بسیار می افتد ، از چند مدت در رفاقت نواب محمد یارخاں امیر ۔ ۔ ۔ بود(ورق ۷۷ الف)

اس لیے ظاہر ہے که یه ترجمه بھی ۱۱۸۸ھ میں لکھا گیا ہے ۔ کیوں که اسی زمانے میں قائم کھٹیر میں مقیم تھے ۔

(ہ) سید ضیا کے حال میں لکھا ہے که :

"از شاگردان میر محمد تقی موصوف و از استادان میر حسن که مصنف مثنوی بدر منیر است بوده ۔ ۔ ۔

(ورق ۱۴۰ب)

مثنوی بدر منیر سے لازماً میر حسن کی مثنوی 'سحرالبیان' مراد ہے اس کا سال تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے لہذا یہ ترجمہ اسی سن کے بعد لکھا گیا ہے۔ آگے چل کر میر حسن کے ترجمے میں لکھا ہے کہ :

"حالا در لکھنئو شہرت کمال یافته چند اشعار او بعضے احباب نقل کردہ آوردہ بودند ، ازاں انتخاب نمودہ به تحریر می آیدا ۔"

میر حسن کا انتقال محرم ۱۲۰۱ھ (اکتوبر ۱۷۸۶ع)میں ہوا ہے لہذا تذکرے کا یہ حصہ ۱۱۹۹ھ (۱۷۸۴-۵ع)میں لکھا گیا ہے جب کہ مثنوی میر حسن وجود میں آ چکی تھی اور میر حسن بقید حیات تھے ۔

(و) مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ کا ترجمہ اس میں شامل ہے اور لکھا ہے کہ :

"دفعه در بلدۂ بنارس از مرگ مفاجات درگذشت"۔ ۲

بقول ولیم بیل و نجم الغنی رامپوری جہاں دار شاہ کا انتقال ۲۵ - شعبان ۱۲۰۲ھ مطابق ۳۱ مئی ۱۷۸۸ع کو بہ عارضہ ہیضہ ہوا تھا ۔ لہذا ان کا یہ ترجمہ بھی ۱۲۰۲ھ کے بعد لکھا گیا ہوگا ۔

(ز) مغفرعلی حسرت کا ذکر باصطلاح ارباب نہیں کیا ہے ، بلکہ لکھا ہے :

---

۱ - "طبقات السعرا" ورق ۱۳۲ الف ۔

۲- "طبقات‌الشعرا" ورق ۱۷۳ ب نیز ملاحظہ ہو نجم الغنی : "تاریخ اودھ" جلد ۳ صفحہ ۲٦۷

W. FRACKL IN Shah Alam pp 159--167 (Allahabad, 1934)

KEENE : The fall of the Moghul Empire, (London, 1887) pp 166-7

"در بلدۂ لکھنئو اقامت دارد" ۱

حسرت نے ۱۲۰۰ھ (۸۶-۱۷۸۵ع) میں انتقال کیا ہے ، اس کا ترجمہ اس سن سے پہلے ہی شامل ہونا چاہیے ۔

(ح) شہزادہ سلیمان شکوہ کا ترجمہ ۱۲۰۳ھ (۱۷۸۸ع) کے بعد کا اضافہ معلوم ہوتا ہے :

"ازمدتے بہ سبب افراط و تفریط روزگار ......

از قلعہ دہلی برآمدہ در لکھنئو اقامت ورزیدہ ... "

اس "افراط و تفریط روزگار" سے اگر قلعہ دہلی پر غلام قادر روھیلہ کا تسلط مراد ہے تو وہ آخر ۱۲۰۳ھ(۱۷۸۸ع) کا واقعہ ہے[2] لکھنئو میں سلیمان شکوہ کے دربار میں مشاعروں کے انعقاد کا حوالہ بھی ہے ، یہ محفلیں ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ع) اور ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ع)کے درمیان منعقد ہوتی رہی تھیں ۔ اس تذکرے میں یہی سب سے مؤخر اضافہ معلوم ہوتا ہے اور ان شواہد کی روشنی میں کچھ شک نہیں کہ سن کتابت ۱۲۱۰ھ (۹۵-۱۷۹۴ع) ہی تسلیم کیا جانا چاہیے ۔

تذکرے کے ماخذ

جس زمانے میں(۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ع) شوق نے اپنے تذکرے کی ترتیب کا آغاز کیا ہے شعرائے اردو کے کم ازکم سات تذکرے وجود میں آ چکے تھے ۔ قیاس چاہتا ہے کہ محمد یار خاکسار کا تذکرہ بھی جو انھوں نے اپنے "معشوق چہل سالہ" کے نام سے ترتیب دیا تھا[3] ، اس وقت تک ناپید نہ ہوا ہوگا ۔ یہ تذکرہ خواہ شور

---

۱ ۔ "طبقات الشعرا" ورق ۱۲۱ ب

2. SARKAR : Fall of the Moghal Empire vol III p 451 (Calcutta, 1938)

۳ ۔ رک : دہلی کالج میگزین : میر نمبر (۱۹۶۲ع) "نکات الشعر کی ایک اور روایت" از نثار احمد فاروقی ۔

کی نظر سے نہ گزرا ہو ، لیکن ان کے علم میں ضرور تھا اور اس علم کا ذریعہ "نکات الشعرا" ہے ۔ ان تذکروں کے علاوہ شعرائے فارسی کے وہ تذکرے جو ہندوستان میں لکھے گئے اور جن میں اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے بعض ذولسانین شعرا کے تراجم بھی شامل ہیں ، جو فارسی کے ساتھ ہی اردو میں بھی منہ کا مزا بدلنے کے لیے ، یا اس "فن بے اعتبار" کا اعتبار بڑھانے کے لیے ، کبھی کبھی کچھ کہہ لیا کرتے تھے ۔ یہ سب تذکرے شوق کے لیے بہت اچھے مآخذ ہوسکتے تھے ۔ لیکن 'طبقات الشعرا' کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف تذکرہ نے مواد کی فراہمی میں مراجع کتابی سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ اہتمام نہیں کیا ۔ آسے مندرجہ ذیل تذکروں کے وجود خارجی کا علم ہے ، لیکن وہ ان سے استفادے کا مدعی نہیں :

(۱) "تذکرۂ محمد یار خاکسار" ۔ (ورق ۳۴ب)
(۲) "روضۃالصفا" (تذکرۂ اولیائے بداؤں) : (ورق ۱۱۰ب)
(۳) "نکات الشعرا" : میر تقی میر (ورق ۸۶ب)
(۴) "مخزن نکات" : قائم چاندپوری
(۵) "تذکرۂ سعرائے اردو" : میر حسن دہلوی

قائم اور میر حسن کے تذکروں کا شوق نے کوئی حوالہ نہیں دیا ۔ لیکن دونوں کے لیے گمان ہے کہ شوق کے علم میں ہوں گے ۔ قائم کے "تذکرۂمخزن‌نکات" اور میر کے "تذکرۂنکات‌الشعرا" سے اخذ و اقتباس کی صریح شہادتیں موجود ہیں اور ان پر تفصیلی بحث حواشی میں کی گئی ہے ، یہاں چند مثالیں لکھی جاتی ہیں :

(۱) شوق نے یہ شعر شعوری جوالاپوری سے منسوب کیا ہے :

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

"نکات الشعرا" میں بھی یہ شعر اسی طرح درج ہے[1] - یوں معلوم ہوتا ہے کہ میر نے (یا تذکرۂ میر کے اولین ناقلوں نے) اس غزل کے دو شعروں کے دو مختلف مصرعوں کو مخلوط کرکے ایک شعر بنا دیا ہے اور وہی غلطی متوارث ہو کر شوق کو پہنچی اور "نکات الشعرا" سے نقل کرنے کی چغلی کھا رہی ہے -

(۲) اسی طرح شوق نے یہ شعر مرزا قاسم ادہم نامی شاعر سے منسوب کیا ہے[2] :

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے خدا کا دانا
ہوئے جوگی تو کیا یاں واں ، جدھر نکلے آدھر نکلے

میر نے اسی زمین کی ایک غزل کے پانچ شعر احمدی گجراتی سے منسوب کیے ہیں[3] اور اس کے بعد اسی کے ترجمے میں لکھا ہے :

"از قاسم مرزا است او ہم ہمیں غزل گفتہ معلوم نیست کہ کجائی بود"

پھر مذکورہ بالا شعر لکھا ہے[4] - میرا خیال ہے کہ قاسم مرزا نام اور ادہم تخلص ، یا قاسم ادہم نام کا کوئی ریختہ گو سے،

---

۱ - "نکات الشعرا" طبع اول صفحہ ۱۰۴ ، طبع ثانی صفحہ ۱۱
۲ - "طبقات الشعرا" (ورق ۱۲ الف)
۳ - "نکات الشعرا" (طبع ۱) صفحہ ۱۰۳ (طبع ۲) صفحہ ۹ - اس شاعر کا نام یا تخلص احمد ہے ، احمدی نہیں - قائم نے احمد ہی لکھا ہے ، میر سے لچھمی نرائن شفیق نے نقل کیا ہے اور وہ بھی احمدی لکھتا ہے -
۴ - مذکورہ شعر کا پہلا مصرع بہ ظاہر وزن سے خارج معلوم ہوتا ہے ، لیکن یہ اس عہد کی ان گھڑ زبان ہے ، 'سوال' کے لام کو 'ہے' کی ی میں جوڑ کر 'سوال ہے' بروزن "ہلالے" پڑھیے ، اشکال رفع ہوجائے گا -

نہیں ہوا ۔ یہ ادہم دراصل ''او ہم'' کی خرابی ہے ۔ ''نکات الشعرا'' کی اشاعت اولیٰ (مرتبہ نواب صدر یار جنگ) میں بہت سی نقل و طباعت کی غلطیاں رہ گئی تھیں ، یہی غلطی وہاں بھی موجود ہے ۔

(۳) یہ شعر شوق نے عظام نامی شاعر سے منسوب کیا ہے :

اے در نبرد حسن تو کشتہ بجز ستم
زیر بنانہ پنجہ حو آھر بجار حسم (کذا)

لیکن یہ شعر دراصل خواجہ عطا ، تخلص امروہہ ، شاگرد بیدل کا ہے ۔ جو عہد اورنگ زیب میں ایک مشہور شاعر گزرا ہے ۔ شوق کا ماخذ صریحاً ''نکات الشعرا'' ہے ۔ اس میں لکھا ہے :

''عطا نام او باشے گذشتہ است''[1] ۔

کاتب نے غلط لکھا ، یا شوق نے غلط پڑھا ، ''عطا نام'' کی خرابی عظام ہو گئی ۔ ورنہ عظام تخلص کا کوئی شاعر اردو میں نہیں گزرا ۔

کم از کم مندرجہ ذیل شعرا کے تراجم تقریباً کل یا ان کا کچھ حصہ ، میر کے ''تذکرہ نکات الشعرا'' سے ماخوذ ہے :

۱ ۔ امیر خسرو

۲ ۔ سعدی دکھنی ، اس کے لیے شوق نے لکھا ہے کہ :

''بعضے ایں را شیخ سعدی شیرازی گمان کردہ اند والعلم عنداللہ ، (۸ب)

تالیف تذکرۂ شوق کے وقت تک جو تذکرے وجود میں آئے ہے ، ان میں قائم چاندپوری کے ''تذکرۂ مخزن نکات'' میں لکھا ہوا ہے کہ :

چوں حضرت شیخ سعدی شیرازی در ہنگام سیاحت بطرف

---

۱ ۔ ''نکات الشعرا'' (طبع ۱) صفحہ ۳۱ (طبع ۲) صفحہ ۲۹ ۔

گجرات آوردند ، بہ سبب مجاورت سومنات چناں کہ در نسخۂ بوستان مذکور است ، بہ زبان ایں دیار وقوف یافتہ ، یک دو غزل ریختہ ۔ ۔ ۔ بر سبیل تفنن ارشاد فرمودند ۔ ۔ ۔ ''[1]

میر نے بھی اس خیال کی تردید کی ہے :

''آں چہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است ۔''[2]

میرا خیال ہے کہ ''بعض'' سے میر اور شوق دونوں کا اشارہ ''مخزن نکات'' کے بیان کی طرف ہے ۔[3]

۳ ۔ میر جعفر زٹلی

۴ ۔ مرزا معز موسوی فطرت

۵ ۔ مرزا عبدالقادر بیدل

۶ ۔ حکیم یونس

۷ ۔ سراج

۸ ۔ مرزا قاسم

۹ ۔ شرف‌الدین مضمون

۱۰ ۔ ہاتفی

۱۱ ۔ مصطفیٰ خاں یک رنگ

---

۱ ۔ ''مخزن نکات'' صفحہ ۲ ۔

۲ ۔ ''نکات‌الشعراء'' (طبع ۲)صفحہ ۱۰۳ ۔

۳ ۔ تفصیل کے لیے : ''سعدی کاکوروی'' از نثار احمد فاروقی ، ماہ نامہ ''نیا دور'' (لکھنؤ) : دسمبر ۱۹۵۷ع نیز ''معاصر'' ۱۰ ، حصہ ۹ ، و ''تذکرۂ مشاہیر کاکوری'' از حافظ علی حیدر ، ''اردوے قدیم'' : شمس اللہ قادری مجلہ ''معارف'' اعظم گڑھ جلد ۱۸ ش ۲ صفحہ ۱۴۱ و بعد ۔

۱۲ - احسن اللہ
۱۳ - میر سجاد
۱۴ - صلاح الدین عرف مکھن پاکباز
۱۵ - محمد اسماعیل بیتاب
۱۶ - فضل علی دانا
۱۷ - محمد عارف ، عارف
۱۸ - دلاور خاں بیرنگ
۱۹ - میر حشمت علی خاں حشمت
۲۰ - کرم اللہ خاں درد
۲۱ - انعام اللہ خاں یقین
۲۲ - محمد علی حزیں
۲۳ - محمد علی حشمت
۲۴ - عبدالحئی تاباں
۲۵ - محمد یار خاکسار
۲۶ - محمد فقیہ دردمند
۲۷ - برہان الدین عاصمی
۲۸ - میر مہدی بیدار

ان تراجم کے سوا شوق نے تذکرے کے آخر میں جو ریختہ کی قسمیں لکھی ہیں وہ سر تا سر "نکات الشعرا" کی عبارت کا چربہ ہے ۔ اس تذکرے کے مندرجات پر ہم نے جو حواشی لکھے ہیں وہاں تفصیل دیکھی جائے ۔ دوسرا تذکرہ جس سے قدرت اللہ شوق نے استفادہ کیا ہے قائم چاندپوری کا "مخزن نکات" ہے مگر شوق نے اس تذکرے کا کہیں حوالہ نہیں دیا ۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ ان کے ماخذ میں ضرور شامل رہا ہوگا ۔

مندرجہ ذیل شعرا کے تراجم ، گمان غالب ہے کہ "مخزن نکات"

سے لیے گئے ہیں :

۱ - افضل الدین خان فضلی
۲ - احمد گجراتی
۳ - رائے پریم ناتھ آرام
۴ - شہاب الدین ثاقب
۵ - کمترین

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ "نکات الشعرا" اور "مخزن نکات" سے استفادہ محض ابتدائی تین طبقوں کے حالات فراہم کرنے میں کیا گیا ہے - تذکرے کا باقی حصہ شوق کا اپنا گرد آوردہ ہے - طبقات کی تقسیم کا یہ انداز بھی انھوں نے قائم چاندپوری کے تذکرے ہی سے حاصل کیا ہو تو عجب نہیں -

تذکرے کی انتقادی حیثیت

جس زمانے میں شوق نے یہ تذکرہ ترتیب دیا ہے - فارسی زبان کے تو متعدد تذکرے وجود میں آ چکے تھے لیکن اردو میں تذکرہ نگاری کا کچھ ایسا چلن نہیں ہوا تھا - زیادہ تر منتخب کلام کی بیاضیں رکھنے کا رواج تھا - رفتہ رفتہ چند تعریف و توصیف کے کلمات کا اضافہ ہونے لگا - تذکرہ نگاروں کا مطمح نظر یہ تھا کہ ہر دور کے شعرا کی نمائندگی ہو - خواہ کسی شاعر کا ایک ہی شعر بہم پہنچے اور خواہ اس کے نام کے بعد "معلوم فقیر نیست" ہی لکھنا پڑے - عموماً ترتیب تہجی کے اعتبار سے ان کی تدوین ہوتی تھی - قائم ، شوق اور میر حسن نے طبقاتی تقسیم کی بنیاد پر اپنا تذکرہ مرتب کیا - لیکن تینوں کی ترتیب میں فرق ہے - قائم نے کل تذکرے کو تین طبقات میں تقسیم کر دیا ہے - یعنی طبقۂ اول : متقدمین: یا جو ایک آدھ شعر ریختہ میں کہنے کے گنہ گار ہیں -

طبقۂ دوم : ایہام گو شعرا ؛ جن میں سے بعض صاحب دیوان بھی ہوئے ہیں ۔

طبقۂ سوم : متاخرین ؛ یعنی قائم کے ہم‌عصر ، جو تالیف تذکرہ کے وقت شہرت کے پر لگا کر اڑ رہے تھے ۔ یا اس وقت سوزہ بال[1] تھے اور آگے چل کر آسمان سخن کی بلندیوں کو چھونے لگے ۔

میر کا ''تذکرۂ نکات الشعرا'' نہ حروف تہجی کی ترتیب سے ہے، نہ اس میں طبقات تقسیم کیے گئے ہیں ، مگر عملاً اسے طبقہ‌وار ہی کہا جاسکتا ہے ۔

میر حسن نے دونوں طریقوں کو ملا کر اپنی راہ نکالی ہے ، یعنی پہلے تراجم شعرا کو بہ ترتیب ابجدی، فراہم کیا ، پھر ہر ردیف کے شعرا کو طبقہ وار تقسیم کر دیا ۔ مثلاً ردیف الالف کے شعرا متقدمین ، متوسطین اور متاخرین کے گروہوں میں بانٹ دیے ۔

شوق نے اپنا تذکرہ اسی طبقہ واری نہج پر ترتیب دیا ہے اور اسے پانچ مقالوں میں منقسم کر دیا ہے ، پہلے مقالے کے چار طبقے ہیں[2] :

مقالۂ اول

۱ ۔ طبقۂ‌اول: دربیان ایجاد شعرریختہ و ذکر شعرائے دکھنی و بعضے معاصر آنہا

۲ ۔ طبقۂ دوم : در ذکر شاعران ایہام‌گو

۳ ۔ طبقۂ سوم:در ذکر شعرائےمتاخرین و بعضےنو مشقان‌دیگر

---

۱ ۔ بچہ طائر کے پر نکلنے سے پہلے‌کلیاں پھوٹنے کا زمانہ ، اسے سوزہ بال کہا جاتا ہے ۔

۲ ۔ سنٹرل رکارڈس آفس والے نسخے (ن ۳) میں صرف پہلا مقالہ (چار طبقات ہیں) آخر کے چار مقالے نہیں ہیں مگر ان کے بعض شعرا کے تراجم طبقۂ چہارم کے ذیل میں شامل ہوگئے ہیں ۔

۴ ۔ طبقۂ چہارم: در ذکر شعرائے تازہ گو و بعضے نومشقان دیگر

مقالۂ دوم

در ذکر بعضے سلاطین روزگار و وزرائے نامدار و امرائے والا تبار و بعضے منصب داران و مصاحبان شاہزادۂ عالی مقدار

مقالۂ سوم

در ذکر بعضے امرا افغانان این دیار وغیرہ انا ختنہ قرب و جوار

مقالۂ چہارم

در ذکر بعضے عزیزان و یاران ہمدم و دوست داران ثابت قدم

مقالۂ پنجم

در ذکر بعضے برادران و خویشان و دوست داران و یاران دل ریشان و بعضے نومشقان کہ چندے مایۂ شاعری ندارند و بہ سبب موزونیٔ طبیعت خود را از خود زیادہ نداشتہ در جرگۂ شعرا می شمارند ۔

اس تقسیم کو دیکھ کر اندازہ ہوگا کہ اس لحاظ سے بھی شوق نے اپنے تذکرے کو دوسرے تذکروں کی تکنیک سے الگ کر دیا ہے ۔

اس تذکرے کی جمع و ترتیب بہت قلیل مدت میں ہوئی ہے اس لیے مواد کی چھان بین زیادہ نہیں ہوسکی دور ماضی کے شاعروں کا مختصر حال اور نمونۂ کلام دوسرے تذکروں سے لے لیا گیا ہے اور ہم عصر شعرا کی غزلوں کا انتخاب اُن کی بیاضوں سے کیا گیا ہے اگر مؤلف تذکرہ حالات کی فراہمی کے لیے ادنیٰ سی کوشش بھی کرتا تو کم از کم مندرجہ ذیل شعرا کے بارے میں وہ بہت سی باتیں بتا سکتا تھا جو دوسرے مآخذ سے معلوم نہیں ہوتیں

(۱) ۔ میر تقی میر (۲) میر سوز (۳) مرزا مظہر جانِ جاناں

(۴) ۔ قائم چاندپوری (۵) ۔ فیض اللہ بیگ فدوی (۶) ۔ جرات

محمدیارخاں امیر (۷) علام ہمدانی مصحفی (۸) ذوقی رام حسرت (۹) غلام علی عشرت

یہ اعتراض اس لیے ہے کہ جن شعرا کے بارے میں اس نے جمع روایات کا معمولی سا اہتمام بھی کیا ہے اُن کے بارے میں چند باتیں ایسی بتا دی ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملتیں ۔ مثلاً سعادت علی سعادت امروہوی کے ایک شعر کی تلمیح ، جو انھوں نے (بقول شوق) اپنی منگنی کے موقع پر کہا تھا یا نواب امیر خاں انجام کے لڑکے ، یا بدھ سنگھ قلندر کے فقر و تنگ دستی میں شامل ہو کر تقریباً دو لاکھ روپے کا اثاثہ لٹا دینے کا حال اور یہ کہ وہ ایک ایک مہینے تک بھوکا رہ سکتا تھا ، نیز موت کے وقت اس نے وصیت کی تھی کہ میری چارپائی کسی وادی میں رکھ دی جائے اسی طرح دوسرے شعرا کے بارے میں بعض روایات ، ہمارے ذخیرۂ معلومات میں اضافہ کرتی ہیں ۔

شوق کے تذکرے کی زبان فارسی ہے ، یہ اس زمانے میں تصنیف و تالیف کی زبان سمجھی جاتی تھی اور اس وقت تک اردو میں کوئی تذکرہ لکھا نہیں گیا تھا ، شعرائے اردو کے جو تذکرے شوق سے پہلے مدوّن ہوئے وہ بھی فارسی ہی میں ہیں ، ہندوستانی فارسی نگاروں کی زبان اور اسلوب کو فارسی اہل زبان نے ویسے ہی کب تسلیم کیا ہے اور عام روش پر قیاس کیا جائے تو صحیح بھی ہے ، اسلوب نگارش میں ''ماورائے سخن'' جو ایک بات ہوتی ہے، وہ قادر سخن اہل زبان کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں ہوسکتی لکن شوق کی فارسی تواس زمانے کی ہے جب ''سبک ہندی'' پر بھی زوال آ چکا تھا لہٰذا یہ اسٹائل نہ نثر عاری کا ہے ، نہ یہ نثر مقفیٰ و مسجّع ہے ، بلکہ کچی مکتبی فارسی ہے ۔

ابتدا میں اردو کے شاعر فارسی محاورات کو بجنسہ اردو میں

ترجمہ کر دیتے تھے میر اور سودا کے کلام میں اس کی ہزاروں مثالیں مل جائیں گی ، یہ اردو کے ارتقا کی علامت تھی ، پھر دیکھتے ہی دیکھتے فارسی نگار ہندی کے محاوروں کا لفظی فارسی ترجمہ کرنے لگے ، یہ فارسی کا آب و دانہ اٹھ جانے کی نشانی تھی قدرت اللہ شوق کی فارسی پڑھ کر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان سے فارسی کا آب و دانہ اٹھ رہا ہے ۔

شوق نے اس تذکرے میں ایسی باتیں بہت کم لکھی ہیں جنھیں کھینچ تان کر ''تنقید'' یا تبصرہ کہا جاسکے ۔ زیادہ تر تعریفی کلمات ہیں ، البتہ کسی شعر پر میر کی تقلید میں کہیں کوئی فقرہ چست کر دیتے ہیں ، مثلاً اکرم اللہ محشر کے حال میں یہ شعر لکھا ہے[1] :

بچا سکتا ہے کوئی جان کو کیوں کر جو رکھتا ہو
فلک سا دشمن بے رحم ، تجھ سا آشنا ظالم

پھر اس پر حاشیہ چڑھایا ہے :

''اگر بجاے بے رحم براۓ مناسبت فلک لفظ بے مہر باشد ، ایں شعر بآسمان رسیدے'' ۔

یا جعفر علی حسرت کا شعر لکھا ہے[2] :

تجھ کو ہے گر قتل کی چاہ
حاضر ہوں میں بسم اللہ !

اور کہتا ہے کہ :

''براے رعایت بسم اللہ ، لفظ ذبح بجاۓ قتل بہتر است''

یا میر حسن دہلوی کا شعر :

---

۱ - ''طبقات الشعرا'' ورق ۱۱۲ الف ۔

۲ - ''طبقات الشعرا'' ورق ۱۲۳ ب ۔

زلف سے مل کے جو پٹوں سے نموداری کی
اور اس حلقے سے زنجیر سری بھاری کی

لکھو کر کہتا ہے کہ :

"مطلع نہایت خوب و مرغوب است فاما اہ سبب تفرقۂ زلف و پٹہ دل در کشاکش است ، خدا داند کہ شاعر چہ فرق درمیان ہر دو پیدا کردہ در قید شدید افتاد"[1]

بعض مواقع پر وہ توارد یا سرقے کی گرفت بھی کرتا ہے ۔ مثلاً نواب محمد یار خاں امیر کا یہ شعر لکھا ہے :

یہ مت سمجھو کہ میں زیر فلک مختار پھرتا ہوں
بہ رنگ سایۂ مرغ ھوا ناچار پھرتا ہوں

پھر کہتا ہے کہ :

"این مضمون را بعینہ در دیوان مرزا رفیع یافتہ ام و آن اینست"[2]

ق

تم کو معلوم ہے یارو چمن قدرت میں
عمر گذری کہ ہے گردش سے سروکار مجھے
پرمیں حیراں ہوں کہ جوں سایۂ مرغان ھوا
نہ کیا ایک قدم پھرنے پہ مختار مجھے

را مہربان خاں رند کے ترجمے میں لکھا ہے کہ :

"اکثر اشعار در دیوان او یافتہ شد کہ آن را میر سوز نسبت بہ طرف خود می کنند و بعضے گویند کہ از مرزا رفیع است ۔ والعلم عند اللہ"[3]

---

۱ ۔ "طبقات الشعرا" ورق ۱۰۳ الف ۔
۲ ۔ "طبقات الشعرا" (قلمی) ورق ۱۹۲ الف ۔
۳ ۔ "طبقات الشعرا" (قلمی) ورق ۲۱۸ ب ۔

احیاناً کبھی زبان کے نقص یا محاورے کے غلط استعمال پر ٹوک دیتا ہے مثلاً سودا کا شعر ہے :

غنچے کو مسکرا کے اسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

شوق کہتا ہے :

در فہمید ایں نافہم لفظ ''اسے'' کہ در مصرع اول واقع است بیکار محض معلوم می شود''۔[1]

ان مثالوں سے تذکرہ نگار کے رویۂ ذہنی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ بہرحال اپنی بہت سی تکنیکی خامیوں کے باوجود یہ تذکرہ قابل قدر ہے ، ایک تو اس لیے کہ اردو کے ابتدائی تذکروں میں سے ہے اور ہمارے تذکروں کے سرمائے میں نظرانداز کرنے کے قابل نہیں ہے ، پھر اس میں صف دوم و سوم کے بعض ایسے شعرا کے تراجم بھی ہیں جو دوسرے تذکروں میں نہیں ملیں گے۔
اس کی اشاعت کے لیے ہمیں مجلس ترقی ادب لاہور کا شکرگزار ہونا چاہیے ۔

شعبۂ عربی و فارسی ، دھلی یونیورسٹی ، دھلی ۔

نثار احمد فاروقی
یکم اگست ۱۹۶۵ع

---

۱ ۔ ''طبقات الشعرا'' ورق ۵۶ الف ۔

مراجع

نوٹ : صرف مقدمے کی تیاری میں ان کتابوں سے مدد لی گئی ہے ۔

(الف) کتب (اردو و فارسی)

انتخاب یادگار : منشی امیر احمد امیرمینائی، طبع رامپور ۱۸۸۰ع ۱۲۹۷ھ

پدماوت منظوم اردو: غلام علی عشرت ، طبع ۱۹۴۰ع

تاریخ اودھ : نجم الغنی رامپوری ، طبع نول کشور ۱۹۱۹ع

تاریخ لطیف : منشی مہدی علی خاں رامپوری قلمی نسخہ رامپور

تذکرہ شعرائے اردو: میر حسن دہلوی ، مرتبہ نواب صدر یار جنگ طبع دہلی ۱۹۴۰ع

تذکرہ کاملان رامپور : احمد علی خاں شوق طبع دہلی ۱۹۲۹ع

تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان : علی رضا نقوی طبع تہران ۱۹۶۲ع

تکملۃ الشعرائے جام جمشید : قدت اللہ شوق (قلمی) رضا لائبریری

تاریخ جام جہاں نما : قدرت اللہ شوق (قلمی) رضا لائبریری

خمخانۂ جاوید جلد پنجم : مرتبہ پنڈت برج موھن دتاتریہ کیفی دھلی ۱۹۳۰ع

دستورالفصاحت : احمد علی خان یکتا ، مرتبہ امتیاز علی عرشی - رامپور طبع دھلی ۱۹۴۳ع

ریاض الفصحاء : غلام ھمدانی مصحفی ، مرتبہ عبدالحق طبع دھلی ۱۹۳۴ع

سخن شعرا : عبدالغفور نساخ نول کشور ۱۸۷۴ع

سودا : شیخ چاند - شائع کردہ انجمن ترقی اردو ، اورنگ آباد طبع ۱۹۳۶ع

شمیم سخن : عبدالحئی صفا بدایونی - مطبع امداد الھند مرادآباد ۱۸۸۴ع

علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی عبدالقادر غمگین رامپوری ، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری طبع ۱۹۶۰ ع

گلشن بے خار : نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ نول کشور ۱۸۷۴ع

مجموعہ نغز : قدرت‌اللہ قاسم، مرتبہ محمود شیرانی شائع کردہ پنجاب یونی ورسٹی لاھور ۱۹۳۳ع

مفتاح التواریخ : طامس ولیم بیل ۱۸۴۸ ع

ھندستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں گوپی چند نارنگ ، دھلی ۱۹۶۲ ع

(ب) کتب انگریزی

Franklin (W.) Shah Alam and His Court, Allahabad, 1934.

KEENE : Fall of the Moghul Empire London, 1887.

Sarkar (J.N.) Fall of the Moghul Empire Vol.3, Calcutta, 1938.

Storey (C.A.) : Bio-bibliography of Persian Literature. Vol. I part I and II.

(ج) رسائل

اورینٹل کالج میگزین ، لاهور جلد ۷ شماره ۱ ، نومبر ۱۹۳۰ء

دهلی کالج میگزین . میر نمبر (مرتبه نثار احمد فاروقی) ۱۹۶۳ء

قومی زبان (پندره روزه) کراچی ، جلد ۲۶ شماره ۵ ، مئی ۱۹۶۵ء

نگار ، رامپور ایڈیٹر (اکبر علی خاں) جلد شماره جولائی ۱۹۶۳ء

نوائے ادب (سه ماهی) بمبئی { جلد ۷ شماره ۲ ، اپریل ۱۹۵۶ء
جلد ۷ شماره ۳ ، جولائی ۱۹۵۶ء }

لیرنگ رامپور رایڈیٹر : عزیز اثری) خاص نمبر ۱۹۲۹ء

هندوستانی (تماهی) الٰه آباد - - - - - - جنوری ۱۹۳۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زباں تو حمد سے تیری جو بہرہ مند کیا
میں بہترین سخن بھلے یہ پسند کیا

عزیز ترین کلامے کہ آرایش سرنامۂ سخن و پیرایش دیباچۂ هر نو و کہن تواند سد ، حمد بیحساب بے حد و ستائشی ست لا تعد مر داورے را که فہرست قصیدۂ موجودات و دیباچه جریدۂ کائنات به احسن صفات نظم ساخت و به یک مطلع کن زینتِ حسن دوکون پرداخت۔ صانعے که ید قدرت او از قلم معجز رقم چنیں نقوش هائے گونا گوں و سحاب مکرمت و لآلی آبدار سخنہائے رنگیں بر لوحِ هستی ریختہ و دیوان عالم (ورق ۲ الف) باوجود تناقص فیمابین و تقاطع مصرعین از رباعی اربعۂ عناصر بہم آمیختہ۔ زہے فرماں روائے که بودهائے همه به بودِ او بوده و نمود هائے همه به نمودِ او نموده ۔ نظم

پیش وجود همه آئندگاں
بیش بقائے همه پائندگاں
اول و آخر (همله؟) بود صفات (کذا)
هست کن و نیست کنِ کائنات

---

۱ ۔ نسخہ سرل رنکارڈس آفس (= ن ۲) میں بھی یہ مصرع اسی طرح درج ہے اور نسخہ دارالمصنفین اعظم گڑھ (= ن ۳) میں بھی ، جدا جانے کیا سے کیا ہو گیا ۔ 'همه' صحیح قیاسی (ادارہ) ۔

جائے که فصحائے زمان را این فصاحت زانی و بلغائے جهان بهمه بلاغتِ عنوانی و گزافِ همه دانی و لافِ سخن رانی در مدح پردازیٔ آن دادار بے مثل و همتا و آفریدگار یگانه و یکتا چون سوسنِ ده زبان لال و بے زبان باشند ، مز بے زبان هیچ مدان را درین بارگاه بلند پایگاه جز خاموشی و بے هوشی چه چاره و جز فروماندگی و افتادگی چه حوصله - بیت

این چه سخن این چه زبان دانی ست
گفته و ناگفته پشیمانی ست

پس معترف شدن به فروماندگی از ستائش این جا از هرستایشے اولیٰ و بهتر و همین نمایش اورا خوش تر و پسندیده تر - و درودے که آغاز گفتار و آرایش انجام کردارِ باریک بینان (ب ب) و دشوار گزینان تواند شد مر پیغمبرے را که سرگشتگان بیابان گمراهی را چراغ آگاهی برراه افروخته و ره نوردان بادیهٔ ضلالت را بال و پرسوخته ، زهے فرستادهٔ با دانش و داد که فارسیان از کیش او آباد و هندیان از آئین او خرم و شاد - نظم

ظهورِ ذاتِ احمد کبریائیست
نبوت دیگر و این جا خدائیست

و مر یاران و پیروان او را که به پیروی او کار خدا شناسی از پیشینیان برده و به کز لکِ هوش مندی و به ناخن دشوار پسندی خار اندیشه هائے ناهنجار از پائے دل مردم بر آورده - نظم

نظر کردم به دیوانِ دو عالم
دواندم پیکِ فکرت را چو بهم
نبی و چار یارش دیدم و بس
نظیرِ خود نه دارد این مخمس

اما بعد چنیں گوید معترف به عجز و قصور قدرت الله متخلص شوق[1] که از ایام طفلی به اتفاق صحبت سخن طرازان که «الشعراء تلامیذالرحمان» در شان‌شان واقع آمده است شوق کلام موزون از هر زبانے که باشد ، خصوصاً زبان ریخته به سبب مناسبت هم زبانی در دل عزیزم زیاده ازحد بود، اکثر اشعار استادان (۳الف) این فن از دواوین موزونه و بیاض متفرقه تلاش و تجسس نموده جمع نموده بودم می‌خواستم که این همه منتخبات را به طریق تذکره تالیف سازم اما به سبب عدم مساعدت روزگار فرصت وقت نمی یافتم و باوجود فرمائش بعضے عزیزان در تعویق می انداختم بالضرور رضامندی آنها که از جمله اوجبات بود مقدم جمیع امور دانسته در سنه یک هزار و یک صد و هشتاد و هشت هجری (۱۱۸۸ ھ) که تعطیل و تنہائی محض لاحق حال این هیچ مدان بود به این صور و افسوس کاغذی صحبت برگزیدم و این چند اوراق در سلک تحریر در آوردم ، چون دیدیم که ذکر اکثر استادان در تذکرۂ مؤلفین سابق که احوالش خواهد آمد موجود است از آنها بر آوردیم و اشعار اکثر استادان و تازه گویان و نو مشقان که خارج از تذکره ها بودند نیز از بیاض ها تجسس نموده درج کردیم تا چندے موجب اشتہار و باعث یادگاری نام چندین بزرگوار بر صفحۂ روزگار گردد و تالیف این مختصر که مسمیٰ به طبقات الشعرا است مشتمل بر (۳ ب) چہار طبقه خاتمه نموده شد۔

---

۱ قدرت‌الله آغاز شاعری میں قدرت تخلص کرتا تھا ، اس کے بعد شوق تخلص اختیار کیا ۔ اسی لیے تذکروں میں قدرت اور شوق دونوں تخلصوں کے تحت اس کا ذکر ملتا ہے ۔ (ادارہ)

طبقه اول ! در بیان ایجاد شعر ریخته و ذکر شعرائے دکھنی و بعضے معاصر آن ها

باید دانست که ابتدائے انشائے فن ریخته بعضے نسبت به شیخ سعدی شیرازی رحمة الله علیه کرده اند و بعضے به سعدی دکھنی - اما به تحقیق نمی پیوندد که کدام سعدی است یک غزل به نام او مشهور است به تحریر خواهد آمد ، و اکثرے اتفاق دارند که موجد این فن امیر خسرو دهلوی که مرید سلطان المشائخ رئیس الاصفیا نظام الدین اولیا قدس سره است از بس که شهرت دارد محتاج به تعریف و توصیف نیست - اکثر صنائع و بدائع آن بزرگوار مثل پهیلی و مکرنی و دوبوله و چوبوله و ریخته و نسخه اعجاز خسروی و خالق باری و خمسه و دیگر راگ و راگنی از تصانیف او به زبان هندی و فارسی مشهور و متعارف اند لهذا شروع به نام آن بزرگوار نموده شد -

(۱) خسرو

حضرت امیر خسرو رحمةالله علیه اصلش از ابناء هزاره من بلاد ترکستان و مولدش در سنه احدی و خمسون و ستمائه در قصبه پٹیالی مضاف صوبه دارالخلافه اکبرآباد (مؤلف) معمولہ هندوستان - و بعضے برآنند که در سنه سه سالگی همراه والدین خود از ولایت به هندوستان آمده - پدرش امیر محمود در عهد سلطنت سلطان ناصرالدین به درجهٔ امارت رسیده بود - بعد وفات پدرش همان منصب بر وے مقرر و مفوض گشته ، بعد انقضائے چند ایام آن فریدالدهر ، وحیدالعصر خسرو ولایت سخن‌وری ، مخزن اسرار الٰهی ، مطلع انوار نا متناهی ترک روزگار نموده و چند لک جنس و نقد در راه الٰهی صرف نمود انزوا اختیار نمود و از فیض صحبت شیخ المشائخ استلاتفہ

نظام‌الدین اولیا نور الله مضجعه و مرقده با این کمال فضل و بلاغت ظاهری و دانش و بینش صوری و صفائی قلبی و مکاشفهٔ باطنی حاصل بود از اعاظم مستعدان و اکابر عالی فطرتان جهان بود، فضائل او از دائرهٔ امکان و طاقت انسان خارج است۔ بہر کیف یک قطعهٔ از مقولات آن طوطی شکر مقال شکرستان خیال به تحریر می آرد۔ اینست :

(۴ب) زر گر پسرے جو ماہ پارا
کچھ گھڑیے سنوارے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست
پھر کچھ نه گھڑا نه کچھ سنوارا

(۲) ولی

ولی که موجد فن ریخته، جوانے بود متوطن اورنگ آباد که شهریست معروف از ولایت دکهن، مزاج آزادانه، مشرب رندانه، فکر صائب و ذهن مناسب، طبع سلیم و ذهن مستقیم داشت و ذهن از محبت دنیا خالی بود، بر سید پسرے مسمی به سید ابوالمعالی که در حسن و خوبی بے نظیر و بے مثیل بود۔، عشق و میل خاطر تمام داشت۔ هر چند سید موصوف اعزاز تمام و حسن سلوک و تواضع و اکرام که طریقهٔ وفا و شیوهٔ اخلاص محبوبان راسخ الاخلاص است، می پرداخت فاما شاعر مسطور نسبت عشقی را که فی الحقیقه نسبت معبودیت و عبودیت می توان گفت، ملاحظه نموده اکثر بار او در دست گرفته در رکاب سعادت او در حضر و سفر دائما می ماند، هر چند که منع می فرمود فاما از خدمت گزارش اعراض نمی نمود، همچو مسموع است که در هندوستان جنت نشان که عبارت است از شاه جهان آباد (۵ الف) دهلی نیز به طریق سیر آمده بود روزے به حسب اتفاق به خدمت شاه گلشن که

مقتداے وقت خود بود مستفید شد ۔ شاہ موصوف فرمود کہ شما زبان دکھنی را گذاشتہ ریختہ را موافق اردوے معلاے شاہ جہاں آباد موزوں بکنید کہ تا موجب شہرت و رواج و مقبول خاطر صاحب طبعان عالی مزاج گردد و خود بہ زبان شریف تبرّکاً غزلے تازہ کہ داخل دیوان اوست گفتہ داد ، مطلعش اینست : مطلع :

خوبی اعجاز حسن یار اگر انشا کروں
بے تکلف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں

چند اشعار او کہ انتخاب سخن‌وران ست نوشتہ می شود ، ازوست :

کیا مدھوس مجھ دل کو ایندے ؟ نین ساقی نے
عجب رکھتا ہے کیفیت زمانہ نیم خوابی کا

نہ جاؤں صحن گلشن میں کہ خوش آتا نہیں مجھ کو
بغیر از ماہ رو ہرگز تماشا ماھتابی کا

ولی سوں بے حسابی بات کرنا بے حسابی ہے
نہیں وہ آشنا ہے یار ہرگز بے حسابی کا

عجب نئیں اٹھ کے بے تابی سوں سر مارے کنارے پر
سنے گر ماجرا دریا ھمارے اشک جاری کا

(۵ب) ہر شب تری زلف[۱] سے "مطول" کی بحث تھی
تیرے دھن کو دیکھ سخن "مختصر" کیا

ہر چند دریں فرد تناسبات شاعری بوجہ احسن جمع نمودہ فاما از دل شکنی زلف پریشانی تمام روے می دھد ۔ پس ازیں جاست کہ

---

۱ ۔ زلف بہ فتح دوم باندھا ہے ۔

"الانسان مر ذب من السهو و النسیان" شاید که از پریشانی خاطر چنین خطا که بوقت [بوے] آن نامه خوش رسیده از حافظ پریشان دو راه دیده و الا این قدر غلطی که از چنین استعاره چه معنی دارد - و لہ :

دیکھی ہے تجھ لماں کے اوپر رنگ پان آج
چوسا ہوئے ہیں لال ہ رخاں کے دہان آج

رات کہ آؤں اگر تیری گلی میں اے مجن
روبرو سب ذکر سبحان الذی اسریٰ کروں
کافر زلف پری رو ہے پریشانی فروش
سچ دیوے مجھ کو سو وہ میں اگر سودا کروں
آرزو دل میں بہی ہے وقت مرنے کے ولی
سرو قد کو دیکھ سیر عالم بالا کروں

لیا ہے گھیر زلفوں نے یہ تیرے کان کا موں
مگر یہ ہند کا لشکر لگ ہے آ ستارے دو

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل رو سوں
خطاب آهسته آهسته ، جواب آهسته آهسته

(۹ الف) دیکھیں سو جسے وہ مبتلا ہے
خوباں کی نگاہ میں بلا ہے

---

۱ - ایک والیے کا نام جسے اورنگ زیب نے ۱۱۱۱ھ میں فتح کیا تھا - (سرو آزاد/۲۸۳)

یک دل نہیں آرزو سے خالی
ہرجا ہے محال اگر خلا ہے

غرور حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر ولی آوے

اور مجھ پاس کیا ہے دینے کو
دیکھ کر تجھ کو روئے دیتا ہوں

اے ولی کرتا نہیں کیوں خشک مغزی کا علاج
یاد ان آنکھوں کا مجھ کو روغنِ بادام ہے

طالب نہیں مہر و مشتری کا
دیوانہ ہوا جو تجھ پری کا
تیرا خط سبز رنگ بے شک
سلطان ہے خشکی و تری کا
تو سرسوں قدم تلک جھلک میں
گویا ہے قصیدہ انوری کا
خورشید سیتی ہوا ہے ہم سر
چہرہ ترے مکھ اوپر زری کا

ترا قد مصرع برجستۂ دیوانِ خوبی ہے
تری یہ بیتِ ابرو شعر دستا ہے ہلالی کا

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالع مطلع الانوار کا
دل کو دیتا ہے ہمارے پیچ و تاب
پیچ تیرے طرّۂ طرّار کا

جوں سنا تیرے دہن سوں اک بچن
بھید پایا نسخۂ اسرار کا

دیکھا ہوں قد و زلف و دہن پی کا جب ستی (۶ب)
کیتا ہوں تب سے ورد الف لام میم کا
کرتا ہے اس کی زلف کی تعریف اے ولی
جو ہے مرید سلسلۂ مستقیم کا

صحن گلشن میں جب خرام کیا
سرو آزاد کو غلام کیا
وے بھواں ہم سے کیوں نہ ہوں بانکی
ماہ نو نے جسے سلام کیا

دل کو لگتی ہے دل ربا کی ادا
جی میں بستی ہے خوش ادا کی ادا
گرچہ سب خوب رو ہیں خوب ولی
قتل کرتی ہے میرزا کی ادا
اے ولی درد سر کی دارو ہے
مجھ کو اس صندلی قبا کی ادا

یک دل نہیں آرزو سے خالی
برجا ہے محال اگر خلا ہے

غرور حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر ولی آوے

اور مجھ پاس کیا ہے دینے کو
دیکھ کر تجھ کو روئے دیتا ہوں

اے ولی کرتا نہیں کیوں خشک مغزی کا علاج
یاد ان آنکھوں کا مجھ کو روغنِ بادام ہے

طالب نہیں مہر و مشتری کا
دیوانہ ہوا جو تجھ پری کا
تیرا خط سبز رنگ بے شک
سلطان ہے خشکی و تری کا
تو سرسوں قدم فلک جھلک میں
گویا ہے قصیدہ انوری کا
خورشید سیتی ہوا ہے ہم سر
چہرہ ترے مکھ اوپر زری کا

ترا قد مصرع برجستۂ دیوانِ خوبی ہے
تری یہ بیتِ ابرو شعر دستا ہے ہلالی کا

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالع مطلع الانوار کا
دل کو دیتا ہے ہمارے پیچ و تاب
پیچ تیرے طرۂ طرّار کا

جوں سنا تیرے دھن سوں اک بچن
بھید پایا نسخۂ اسرار کا

دیکھا ہوں قد و زلف و دھن پی کا جب ستی (۹ب)
کیتا ہوں سب سے ورد الف لام میم کا
کرتا ہے اس کی زلف کی تعریف اے ولی
جو ہے مرید سلسلۂ مستقیم کا

صحن گلشن میں جب خرام کیا
سرو آزاد کو غلام کیا
وے بھواں ہم سے کیوں نہ ہوں بانکی
ماہ نو نے جسے سلام کیا

دل کو لگتی ہے دل ربا کی ادا
جی میں بستی ہے خوش ادا کی ادا
گرچہ سب خوب رو ہیں خوب ولی
قتل کرتی ہے میرزا کی ادا
اے ولی درد سر کی دارو ہے
مجھ کو اس صندلی قبا کی ادا

یہ تل تجھ مکھ کے کعبے میں مجھے اسود حجر دستا
زنخداں میں تری مجھ چاہ زمزم کا اثر دستا

عشق تھا پردۂ تجرید میں سب سے آزاد
طالب عشق ہوا صورتِ انساں میں آ
حاکم وقت ہے تجھ گھر میں رقیب بدخو
دیو مختار ہوا ملکِ سلیماں میں آ

دسے شوخی سے تجھ انکھیاں کی یہ دھج
کہ جوں برچھی کو لے نکلے ہے رجپوت
روایت خضر سے پہنچی ہے مجھ کو
کہ اس کا خط ہے موجِ آب یاقوت

بلبلاں ہر طرف سے آٹھ دوڑیں
دیکھنے کو آسے ہزار ہزار (ے الف)

اے سرو خراماں تو نہ جا باغ میں چل کر
مت قمری و شمشاد کے سودے میں خلل کر
تجھ ابروے خم‌دار سوں ہرگز نہ پھرے دل
کاں جائے سپاہی دمِ شمشیر سے ٹل کر

نہ جانوں خط ترا کس بے خطا پر
چلا ہے آج فوجِ شام لے کر
تری ساقی گری کو لالۂ باغ
کھڑا ہے منتظر ہو جام لے کر

زلف تیری کیوں نہ کھاوے پیچ تاب
جان مجھ دل کا پریشاں بوجھ کر

تو ہے رشک ماہ کنعانی ہنوز
مجھ تو ہے خوباں میں سلطانی ہنوز
ہر جھلک دیتی ہے تجھ رخسار کی
آرسی کو دوس حیرانی ہنوز
رات کو دیکھا تھا تیری زلف کو
دل میں ہے باقی پریشانی ہنوز
تجھ کمر کو دیکھ حیراں ہو رہا
مو قلم لیے ہاتھ میں ''مانی'' ہنوز

چمن میں گیا جب سے وہ نونہال
ہوا سرو اس سرو قد سوں نہال
ولی شعر تیرا سراپا ہے درد
خط و خال کی بات ہے خال خال

صنم کے لعل پر وقتِ تکلم
رگِ یاقوت ہے موجِ تبسم

یک بار ہنس کے بول صنم نئیں تو حشر تک (ے ب)
جوں برق بے قرار رہیں گے کفن میں ہم
ہر چند جگ کے بخت سیاہوں میں ہیں ولی
کاجل ہو ، جا بسیں گے سجن کے نین میں ہم

اے موے میاں وصف ترے مو و میاں کے
چیتے کی کمر پر قلم مو سے لکھا ہوں

اک جام میں دو جگ کو کرے مست و بے خبر
تیرے نین کا عکس پڑے گر گلاب میں
رخسار دل ربا کا صفا کیا بیاں کروں
مخمل نے جس صفا کو نہ دیکھا ہے خواب میں
اے دل شتاب چل کہ تماشے کی رات ہے
بیٹھا ہے آفتاب نکل ، ماھتاب میں

دل بے تاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار
زلف دلدار سے ھمسر ہے پریشانی میں

نہ پوچھو درد کی بے درد سے بات
کہے کیا بے خبر جس کو خبر نئیں ؟

دیکھ خوباں کو وقت ملنے کے
کس ادا سے سلام کرتے ھیں
کم نگاھی سے دیکھتے ھیں ولی
کام اپنا تمام کرتے ھیں
کیا وفادار ھیں کہ ملنے میں
دل سے سب رام رام کرتے ھیں

نہ وہ بالا نہ وہ بالی بھلا ہے
بلائے عاشقاں ناز و ادا ہے
تغافل شوخ کا عاشق کے حق میں (۸ الف)
ستم ہے، ظلم ہے، جور و جفا ہے

آ ستابی و گردہ جاتا ہوں
کیا کروں جی اداس ہوتا ہے

کیوں کہ کپڑے رنگوں میں عہ غم میں
عاشق میں لباس ہوتا ہے؟
تجھ خدائی میں نئیں اکیلا میں
درد و غم اس سے پاس ہوتا ہے

سرو میرا مہر سے آزاد ہے
شوخ ہے، بیدرد ہے، صیاد ہے
ہاتھ سے تجھ غمزۂ خوں ریز کے
داد ہے، بیداد ہے، فریاد ہے

نہ پوچھو اس کے سر پر چیرہ بل دار
عزیزاں نوجوانی کی اکڑ ہے

ہاتھ میں میرے نہ سمجھو تم بیاض
شوخ کے ملنے کی دستاویز ہے

عشّاق کو تجھ چشم ستم گار کا پھرنا
تلوار کی اوجھڑ ہے کہ گپتی کی سڑک ہے

کسی کی بات سنتا نئیں، کسی پر رحم کرتا نئیں
ھٹیلا ہے ، ستم گر ہے ، جفا جو ہے ، شرابی ہے
رہے کیوں ہوش عاشق کا سلامت دیکھ یہ آفت
تبسم ہے ، نگہ ہے، زلف ہے، چہرہ ھابی ہے

ترا مکھ مشرقی ، حسن انوری ، جلوہ جمالی ہے
بین جامی ، جبیں فردوسی و ابرو ھلالی ہے
ریاضی فہم و گلشن طبع و دانا دل ، علی فطرت (۸ب)
زباں تیری فصیحی اور سخن ترا زلالی ہے
نگہ میں فیضی ، و قدسی سرشت طالب و شیدا
کمالی بدر ، دل اھلی و انکھیاں چوں غزالی ہے

جب تک نہ ملے شراب دیدار
آنکھوں کا خمار کیوں کہ جاوے

مت تیرا اور کہاں کا کر فکر اے خوش رو
عاشق کے مارنے کو سیدھی نگاہ بس ہے

تجھ لب و زلف کے بہنے کو
چین کے آنے میں مصری و سامی

---

(۳) سعدی دکھنی

سعدی دکنی بعضے این را شیخ سعدی شیرازی رحمة‌الله علیه گمان کرده اند ۔ والعلم عند الله ۔ یک غزل آن بزرگوار به نظر این راقم الحروف گذشته ، ازوست :

همنا تم کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے
دو نین کے کنھر کروں رو رو انجھوں[1] اور دکھ بھروں
[illegible] کوئی دھروں پیاسا نہ جاوے مست ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

(۴) عزلت

سید عبدالولی عزلت تخلص خلف رشید سید سعدالله سورتی قدس سره [illegible] شاه او رنگ زیب عالمگیر [illegible] موکل ، فاضل متبحر ۔ به کمال فضل و کلامت و فالمیت انسانی موصوف ۔ اگرچه مشق شعر فارسی زیاده می کرد فاما مزاج او به طرف اشعار ریختہ مائل بسیار بود ۔ در هندوستان که عبارت ست از سواد جهان آباد دهلی ، امر به طریق سیر آمده بود ۔ سخن او خالی از درد مندی نیست ۔ این چند ابیات که به گوشهٔ خاطر او راه یافته نوشته می شود ۔ ازوست :

پیروں سے نہ ہو بے رنگ لالا فصل هولی میں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگوا ہے

---

۱ ۔ نخون دل بھروں ۔ "نکات الشعر" صفحه ۱۰۳ ۔
انجھو اس میں بھروں ۔ "التذکرۂ میر حسن" صفحه ۸۷ ۔

جس خوس نگہ کو پہنچوں غفلت کی نیند لیوے
میں خفتہ بخت سب کا افسانہ ہو رہا ہوں

اس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں
کسی دشمن ستی سنا ہوگا

نہ بوجھو نہ بگولا ہے مرا ہم توں صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈانوا ڈول صحرا میں
ہوے لیلی کے سر چڑھ اشک مجنوں لیل کی نیکی
یہ موتی خاک کہ لینا نہیں کوئی مول صحرا میں

نکل اسد بے وفاؤں سے
دل سلامت پھرے تو بھل دلدا

کیا گرم ہو دینا ہے جواب خنک اے یار
تاب اپنے دم سرد کی نئیں دل کو ہمارے (۱۰ب)

(۵) نوری

از ملا نوری دکھنی فرد بہ سمع رسیدہ ، ازوست :
کیدھر دیکھوں کاں جاؤں میں دل کے تئیں بچھراٹ ہے
یک باٹ کے ہوں گے سجن پر دل یہ بارہ باٹ ہے

---

۱ - "کے ٹپکے" - "نکات الشعرا" صفحہ ۹۳ -
۲ - یہ شعر بعض تذکرہ نویسوں نے تانا شاہ سے منسوب کیا ہے ، لیکن فی الاصل بحری کا ہے ، "کلیات بحری" میں یوں ہے :

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۶) فخری

او فخری است :

دیکھوں ہوں جب تجھے تو چکا چوند لگ رہے
دیکھا ہے کن نے یار لطف بھی آفتاب

(۷) مجرد

میر عبداللہ مجرد تخلص، ازشاگردان محمد عبد الولی موصوف بود،
دیگر احوالش معلوم نیست۔ یک فرد او بہ نظر رسیدہ۔ ازوست :

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
حورشید کیا ہے اس کی فلک ذرہ خبر نہیں

(۸) عظام

عظام نام اوباشے بود در عہد عالم گیر بادشاہ۔ ازوست :

اے در نبرد حسن تو فتنہ بچہار چشم
زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچہار چشم[1] (کذا)

(۹) عظام

اوباشے[2] بود نہایت مردانہ و جان باز و حنان سرعت تمام

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

اب جاؤں کاں، پوچھوں کسے منج بر کبل پچھڑات ہے
یک بات کے ہوں گے سجن یہ جیو بارا سات ہے

۱۔ تصحیح، 'نکات' صفحہ ۱۳ :

اے در نبرد حسن لیسے بچھاڑ چشم
زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچھاڑ چشم

یہ شعر عطا کے نام پر قائم نے لکھا ہے۔ عظام فیض علی
کے تذکرہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ (ادارہ)

۲۔ یہ امروہہ کا باشندہ اور مرزا عبدالقادر بیدل کا شاگرد تھا،
ہر دو تذکروں میں حالات درج ہیں۔ (ملاحظہ ہو ؛
''گل رعنا'' از لچھمی نرائن شفیق)

داشت که بر دو منزله سه منزله پرواز می نمود ، وکس را پیش دلاوری خود موجود نمی دانست و در تمام عمر گاهے سر فرود نیاورده ، چناں چه خود می گوید :

منم آن بانکا و دلیر و اچهل
کز من افتاد در جهان کهلبل
کرد تمار بهر من تقدیر (۱۰ الف)
کیتی؟ ار برق و که از بادل

اکثر غزلیات فارسی او به نظر رسیده ـ چند ابیات اوباشانه او به تحریر می آید ، ازوست :

کهورم گهارم تها که ام گهمکارم
تیرم تبرم نراره ام تلوارم
می دانی به یقیں هر آن چه گفتم هستم
تا گم بانکوم بگهرم [و]اکهه بارم

رنت پیاسا چهرا جب میں نکلا میاں سے سرکا
عدو در سر قدم از خون خود رپٹا گرا پهسلا
الندم دهونکڑم کٹه پچهاڑم بانکه و رسده
که ازدهاک من دهونکۓ سپهر از جاۓ خود دهوسلا

(۱۰) جعفر

میرجعفر که به جعفر زٹلی مشهور است ، متوطن دهلی ، م

۱- گیتی ؟

اعجوبۂ روزگار از کہ [ومہ کہ] نامۂ ازو ملاحظہ می کردند و (کذا) از خوف هجو چیزے دادہ رخصت می نمودند ، نظم و نثر او شہرت دارد[1] ۔ احتیاج نوشتن نیست ۔ سکۂ جلوس بادشاہ فرخ سیر گفتہ :

سکہ زد بر گندم [و] موٹھ و مٹر
پادشاہ تسمہ کش فرخ سیر

در هجو شاهزادہ ، خلف اورنگ زیب عالمگیر گفتہ :

چہارم پسر ڈومنی کا جنا
رہے ارج[2] میں ۔ ۔ میں چوں ۔ ۔

بہ مجرد استماع بادشاہ زادہ برهم شدہ در حضور خود طلبیدہ گفت کہ "ایں گوہ شما خوردہ اید" ، بدیہہ ایں فرد خواند (۱۰ ب) :

نگین سلیماں کہ تابندہ بود
همیں اسم اعظم برو کندہ بود

اعظم شاہ بسیار خوش شد و از گناہ او در گذشت ۔ اکثر زٹلیات او کہ درو صنعت ها بکار بردہ شہرت دارد ۔ دریں مختصر نوشتن گنجایش نیست ۔ در مدح خود می گوید :

بہ پوشم اگر جوشن جنگ را
هزیمت دهم سوے لنگ را
من آں رستم وقت روئیں تنم
کہ یک پاپڑ از مشت دہ بشکنم

---

۱ ۔ "کلیات جعفر زٹلی" کا ایک قلمی مصور نسخہ کتاب خانہ دانش گاہ دهلی میں موجود ہے ۔

۲ ۔ برج سے متھرا کا علاقہ مراد ہے ۔

کشتی مسکین جعفر در بهنور افتاده است
ڈبکوں ڈبکوں می کند ازیک توجه پار کن

چنیں شخص اعجوبۀ روزگار تا حال به ظهور نیامده ۔ شعر ها بسیار دارد ۔

(۱۱) فطرت

مورد نزول آب رحمت ، مرزا معز و فطرت که در عہد ۔ لاف اورنگ زیب عالم گیر به خطاب موسوی خان موصوف بود معز و فطرت و موسوی هر سه تخلص می کند ۔ در خوش خیالی سخن طرازی و شعر فهمی و انشا پردازی بے نظیر و یکتا ، در سلامت طبع و دقت آفرینی و عالی فطرتی و علم معقولات و معمولات بے مثل و بے همتا ۔ اگرچه صاحب دیوان فارسی است اما مشهور است که ایں شعر ریخته شاعر مسطور گفته ، والله اعلم ۔

(۱۱ الف) از زلف سیاه تو بدل دهوم پری هے
در خانۀ آئینه گهٹا جهوم پری هے

(۱۲) بیدل

رونق افزاے محفل اهل دل ، شاعر زبردست و انسان مرزا عبدالقادر بیدل ، مردے بود از سخیان ، سخندان روزگار ، عالی ظرف ، بلند حوصله و خوش [illegible] ، [illegible] صاحب تصانیف کتب معتبره از دواوین ، مثنویات و [illegible] در اوائل جوانی نوکر شاهزاده محمد اعظم [illegible] اوقات بسیار به کر و فر بسر می برد ، بعد [illegible] ترک روزگار ورزیده تا زیست بجز داد الهی [illegible] تذکره هاے فارسی مرقوم است [illegible]

الداز۔ دو شعر ھندی بہ نام او مشہور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
وہ یہ :

نہ پوچھو ... کی ... وہ دل کہاں ہے ہم میں
من غم ... کہاں ہے ہم میں
حب ... کے آسمان پر ... پکارا
... ... کہاں ہے ہم میں

(۱۳) یونس

... یونس احوالش معلوم نیست ... و ...

سوکنا جن ... جڈی تنہا مجھے
... ... مجرے ... آنسو ... کہ

(۱۴) افضلی

... حال افضلی ، ... مثنوی ... :

عروسہ پہ جوں آرسی میں حباب
تبسم لباں ... جوں موج سراب
... جوں ... سو ...
... نہ سکے ... ...

(...) ازاد

... از معاصران ولی ... و ... :

... جہاں ... ی ازاد ...
... ...

... ...

(۱٦) سراج

سراج تخلص از شاگردان سید حمزه ، سخن او خالی از درد مندی نیست :

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے، کیا صاف گال والے

پی بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نئیں ہے ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے سامنے تجھے جانا
کہاں سراج کہاں آفتاب عالم تاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آ جاوے

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہاتھ

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نئیں ہوا اس شمع رو کے عشق میں داغ اک سراج (۱۰) ع
ہیں وہ حسن اتشیں کے ایسے پروانے نئی

مخمور چشموں کی تبرید کرنے کو شبنم ہے سرداب شوروں کی مانند
روپے کی تھالی سپیدی ہے نرگس کی زردی ہے [زرکے] کٹوروں کی مانند

---

۱ - زرکے ، ("نکات الشعرا") صفحہ ۹٦ (اداره)

حال کے عزاے سے شاہد کے دعوے کا حق کے جواہر کو عیاریوں سے
مدہ خیال اس کا تھا آنکھوں کے روزن سے چپ چھپ کے چوروں کی مانند

---

(۱۷) احمد

از احمد[2] گجراتی است :

دو نے بیدار کے طالب خودی سے خود گذر آئے
نہ پائی راہ اس میں ، خرو سے خبر آئے
نین کی مالھ ے کھیر بھریں درسن کی اپنی کو
نہ پایا ایک در پہر بھی ، ٹھکانہ بر آئے
رہے نادر خیالاں میں لے مورید حالاں میں
ہوئے صاحب کمالاں میں ، کدھر سے آ کدھر آئے

نوبت نہی کی میاں سے ایسی دل کی بھی خبر
سو آج لا کے سر سنی میرے نکل گئے

---

(۱۸) مرزا

مرزا قاسم اوهم[3] همیں غزل تتبع کردہ اوست :

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے خیال کا دانہ
ہوئے جوگی تو کیا یاں واں جدھر نکلے تدھر نکلے

۱۔ ہر دم حال اس ۔ آنکھوں کے روزن میں آتا ہے چھپ چھپ کے
چوروں کی مانند ۔

۲۔ قائم احمد اور میر احمدی تخلص لکھتے ہیں ۔ (ادارہ)

۳۔ میر نے قاسم مرزا اور قائم نے مرزا ابوالقاسم کے تحت حال لکھا
ہے [نکات ص ۹۶] شوق نے اپنی کتاب "طبقات الشعرا" میں مرزا قاسم ادهم
تخلص لکھا ہے ۔ میر نے احمدی گجراتی کے ذکر کے بعد قاسم مرزا کے
بارے میں لکھا : ادهم همیں غزل گفته است ۔ احمدی اور مرزا کی غزلیں
ہم طرح ہیں اس لیے میر نے اشارہ کیا ، اسے ادهم پڑھ لیا گیا (ادارہ)

(۱۹) شعوری

از شعوری جوالا پوری:

برسات میں نہ دیکھا نظر ہو کے افتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب (۲۱ب)

(۲۰) صبائی

از صبائی احمد آبادی است

زر سے ہے آشنائی زر سے ملے ہے بھائی
زر نئیں تو ہے جدائی دنیا میں جو ہے زر ہے

(۲۱) ہاتفی

از ہاتفی یک فرد بہم رسید:

تیری انکھیاں اور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام اور تقویٰ کہاں، زہد اور مسلمانی کدھر

طبقۂ دوم • در ذکر شاعران ایہام گو

بعد از طبقۂ شاعران دکن کہ معاصر ولی بودند، رواج ایہام بسیار شد، و ایہام عبارتست از لفظے کہ دو معنی داشتہ باشد، قریب و بعید۔ بعید منظور شاعر باشد و قریب متروک۔

(۲۲) آبرو

سر دفتر و سر آمد ایہام گو، شاہ مبارک مخلص بہ آبرو متوطن گوالیار، نبیسۂ محمد غوث گوالیاری نوراللہ مرقدہ، از ابتدائے جوانی در شاہ جہان آباد آمدہ مشق سخن بہم رسانیدہ، (شاگرد سراج‌الدین علی خان آرزو کہ احوالش

۱۔ قدما غیر ضروری حروف بھی گرا دیتے ہیں اس لیے عاشق کا الف گرا دیا ہے۔ (ادارہ)

خواهد آمد) مردے بود ذو معنی ، طبع رسا و ذهن سلیم داشت و در ایہام گوئی استاد بے نظیر و مستثنیٰ وقت خود بود ۔ در عہد محمد شاہ نہ انوں دہ فردوس آرام گاہ مسعب است ، ازیں جہاں فانی با آبرو رفت، حق تعالیٰ مغفرتس کند ، ازوست :

(۳ ر الف) آیا ہے صبح نیند سے اٹھ رسمسا ہوا
جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا
انداز سے زیادہ نپٹ ناز خوش نہیں
جو خال حد سے زیادہ بڑھا سو مسا ہوا

جدائی کے زمانے کی میاں کیا زیادتی کہیے
کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

ہرچند قائل ہوں سخن تیری کمر معدوم کا
ایک مشکل ہے بیاں اس رمز نا معلوم کا

رو رو کے بے وفا کو کیا آشنا کیا ہے
دیکھو تو آبرو نے کس گھاٹ لا اتارا

پھر پھر کے دیکھو ہم کو کیوں مسکراتے ہو
مدت میں آ پڑا ہے یہ اتفاق حسنہ[۱]

بوسہ لباں کا دینے کہا ، کہہ کے پھر گیا
پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی
ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا

---

۱ ۔ ہنسنا اور حسنہ کی تجنیس سے ایہام پیدا کیا ہے ۔

جرا (کذا) اب تک همن کو بھولتا نہیں
تمھیں بھی یاد ہے ہم کو (بھی ہے یاد)

ملو جا آبرو ییے خود نہ خود تے
کہ اس کو تو پیارے بے خودی ہے

مشتاق عذر خواهی نئیں آبرو تو کیا ہے
یہ روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹکنا[1]

اب تلک کھینچ کھینچ جور و جفا
هر طرح دوستی نباهی ہے
طور کیا پوچھتے هو کوں کا
شوخ ہے ، بانکا ہے ، سپاهی ہے
آبرو کیوں نہ هو رہے خاموش
درد کہنے کی یاں مناهی ہے (۳۰ب)

ذرا لی ہے لگے اب مرد هونے
چاروں سے کسب پکڑا نری کا

امردی میں چاٹ پاوے اس کی خو جاتی نہیں
خط نکلنے سے هوا دونا ترے منہ کا سواد

کیوں کر نہ دولتی کی خوشامد کرے فلک
چرخے کا کام کیونکہ چلے گر نہ هووے مال

۱- ٹھنکنا [مخزن نکات ، ص۱۵ - تذکرۂ میر حسن ، ص ۔] - (اد ،)

نکلے تم آ صبا کی طرح جب چمن میں پھول
گلشن کے دیکھ تجھ کو گئے ہاتھ پانو بھول

امرد سیاں کی صفت میں چل نہ سکا
مکری ہو گیا دستِ قلم

دھمکاوتے ہیں ہم کو کمر باندھ باندھ کر
کھولیں ابھی تو جائے میاں کا نکل بھرم

یارو ڈرو کمر سے مڑوڑو نہ پھر کے انگ
آدھا کہیں لچک تو ابھی لاک جائے تنک

محبت سحر ہے یارو اگر حاصل ہو ٹک روئی
یہ افسوں خوب اثر کرتا ہے لیکن جب کہ جادوئی
لباس پنبئی بن کیوں کہ گذرے موسمِ سرما
قیامت ہے تری یہ سرد مہری تس پہ بے روئی

زلف کو کہنا پریشاں عقل سے دوری ہے یہ
تار تار اس کے میں دل ہے، گانٹھ کی پوری ہے یہ

دشمن جاں ہے تشنۂ خوں ہے
شوخ ہے، بانکا ہے، نکتہ پھوں ہے
(۱۴ الف) شیخ حجرے میں جب مراقب ہو
گربہ مسکیں ہے، موئی جوں ہے

۱- "ہو" در تذکرۂ گلشن ہند ص ۲۷ - ادارہ
۲- "نکتہ پھوں" [مخزن نکات ص ۱۶] - ادارہ

جہاں[1] تجھ خو کی گرمی ہے نہیں واں آگ کو عزت
• ابل اس کے ہو جاتی تو آتش اکریاں کھاتی

ذبح کرنے کو ناحق بے کسوں کے
بتا تیری کمر کس نے کسائی
تم اپنی باپ کے راجا ہو پیارے
کسے سے ضد نہیں ہووے سوائی

آشنائی ھمن سے کیوں کٹ کی
کیا نرے دل پر آ پڑی بتلی
جب ھی انکھاں تری پلک ماریں
ووھیں عاشق کے دل میں نیں چٹکی

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

آغوش میں بھواں کی کرتی ھیں قتل انکھیاں
کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خون ہو ہے

خوب تیری شکل آ سکتی نہیں تصویر میں
مدتیں گذریں مصور کھینچتا ہے انتظار

---

۱ ۔ جہاں تجھ خو کی گرمی تھی ، نہ تھی کچھ آگ کو حرمت
مقابل اس کے جو ہوتی تو آتش لاڑیاں کھاتی
[تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۔] ۱ ۔ ۱۰

آبرو کے قتل کو حاضر ہونے کس کے کمر
خون کرنے کو چلے عاشق پہ تہمت باندھ کر

زندگی ہے سراب کی سی طرح
پاؤ بندی حباب کی سی طرح
کیوں ہے تجھ کو آون چاہئے
مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسن و صفا باعث
ہوئی پیارے طرح موجب یہی کافر ادا باعث (م ب)

چوپڑ کے کھیلنے کا سارا یہی خلاصہ
شاید کبھی وہ لڑکا بیٹھے ہمارے پاس آ[1]
کیونکر بڑا نہ جانے منکر بنے کو اپنے
انکار اس کا نانا[2] اور سچ دم ہو ہے نواسا[3]

سخن اوروں کا تشنہ ہو کے سنتا اور سب کہتا
مگر اک آبرو کی بات جب کہتے تو ہو جاتی

کیا بری طرح بھوں مٹکتی ہے
آنکھ مرے دل میں آ کھٹکتی ہے
کیا ہوا ہے جو مر گیا فرہاد
روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

---

۱ - پاس آ : پانسہ
۲ - نانا : نہ نہ (حرف نفی)
۳ - نوا : نیا (ان لفظوں کے ابہام سے فائدہ اٹھایا ہے)

تمھاری لوگ کہتے ھیں کمر ہے
کہاں ہے، کس طرح کی ہے، کدھر ہے

اب دین ھوا زمانہ سازی
آفاق تمام دھریا ہے

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ھیچ ہے

اُٹھا چبت کیا جنوں سے خاطر نچنت کی؟
آئی بہار تجھ کو خبر ہے بسنت کی ؟

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نئیں اب تلک مجھ کو
طرح وہ پانو رکھنے کی مری آنکھوں میں پھرتی ہے

اس کی کنجی زبان شیریں ہے
دل مرا قفل ہے بتاشے کا

قیامت کیا تم اک ، اک ھنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا (۱۵الف)

---

(۲۳) ناجی

محمد شاکر ناجی ، جوانے بود سپاھی پیشہ ، شاعر ایہام گو ، ھم زبان و معاصر میاں آبرو ساکن دھلی ، دیوان ضخیم ترتیب دادہ ،

۱- اٹھ چیت کیوں جنوں ستی خاطر نچنت کی - [مخزن نکات ص ۱۷] (ادارہ)

رسائی طبعش از مذاق سخنش پیدا ست ، مدتے شد که ازیں جہاں رحلت نمود ، یقین است که ناجی شده باشد - ازوست :

روا دب ہے مجھ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا
مری تقصیر بھی کچھ کی ہے بابت یہ ستم کرنا

بلند آواز سے یہ گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
کٹی یہ بھی گھڑی عمر سے اور تو نہیں چیتا

نمکیں حسن دیکھ کر واں کا
رنگ گل کا مجھے لگا پھیکا

تری نگہ کی کثرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینے پہ تودہ ہوا ہے تیروں کا

پڑھنے بیٹھا ہے جب سے وہ پیارا
دل ہوا غم سے ٹوٹ سی پارہ
کیوں نہ ہو بے قرار کان کا در
ہے پریشاں وہ زلف کا مارا

---

۱ - یہ شعر ساقط الوزن ہے - کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے - مخزن نکات میں صحیح ہے :

بلند آواز سے گھڑیال کہتی ہے کہ اے غافل
کوٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اب تک نہیں چیتا

''تذکرۂ میرحسن'' میں ''گھڑیال کہتا'' اور مصرع ثانی شوق کے مطابق ہے -
(ادارہ)

نظر میں ہیں تمہارے داؤ گھاتیں من ہرن میری
شکار اوروں سے جا جا کھیلنا اور ہم سے رم کرنا
طبیب عشق سے پوچھا زلیخا نے علاج اپنا
کہا تجھ پر روا ہے سورۂ یوسف کا دم کرنا
نہیں اشراف زادوں کا طریقہ یہ کہ یاروں کا (۱۵ب)
لٹا کر مال پڑھ کر فاتحہ اخلاص کم کرنا

ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

پیالا پیوے ہے سو نہوروں سے
کھولے ہے نب ہزار زوروں سے

کر لے کرم اے مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نئیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

آج تو ناجی سجن سے کر لے اپنا عرض حال
مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہونی ہو سو ہو

غم نہیں گر دل بری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہے

هوا جب آئنے میں جلوہ‌گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منہ دیکھنا کیا ہے

موجی ہے اپنے دل کا مجھے ندی سے (کذا)
اور اب مخالفوں نے وہ بات ھی ڈبوئی

خیال اس خال کا ایسا نہیں جادو کہ بچ رہیے
نہ چھوڑے پنڈ بعد از مرگ بھی جس کو لگے کلوا

چھوڑ مت دام زلف سے یہ دل
بال باندھا غلام ہے تیرا

گولی لگے رقیباں کھٹا کریں گے دل کو
کم رکھ پیار ان سے جو رنگ رس ہے کرنا

(۶ و الف) وہ عزت اب نہیں کھو کر صفائی خط نکال ایا
خریداری کہاں رہتی ہے جب چینی میں بال آیا

مانگتا ہے نقد دل زاھد کا ، یہ خال سیاہ
لیے ہے یہ ھندو بچہ جزیہ مسلمانوں ستی

مرا دل زلف نے لے گانٹھ باندھا
وہ سرکش ہے گرہ کا جس کو بل ہے

نرگس کے تئیں میں ھرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھیں ھیں میں نے پیارے جب سے تمھاری آنکھیں

دیکھ دلبر تری کمر کی طرف
پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

مجھ کو باتوں میں لگ معلوم نئیں کیا کہہ گیا
لے چلا جب دل کے تئیں منہ دیکھتا میں رہ گیا

ترے غنچہ دہن کی دیکھ لالی
امیٹھے تھا کلی کے گوش مالی

(۲۴) مضمون

مضمون تخلص شرف الدین متوطن قصبہ جاجمئومتصل اکبرآباد، شاگرد سراج الدین علی خاں آرزو ، مردے نوکری پیشہ ، حریف و ظریف ، خوش فکر و خوش آئین ، متلاشی مضامین نو و رنگین ، در ابتداے جوانی به شاه جہاں آباد آمده در زینت المساجد سکونت داشت ، آخر ہماں جا ودیعت حیات سپرد و از اولاد شیخ فرید شکر گنج نوراللہ مرقدہ است ، چناں چه خود می گوید :

کریں کیوں نہ شکر لباں کو مرید (۱۶ ب)
کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

ایں چند ابیات شکر آمیز مضمون دیوان آں فریدالعصر است :

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا
صبر ایوب کیا ، گریۂ یعقوب کیا

ایک تو تھا ہی وہ مہرو خود پسند
ہوگیا دیکھ آرسی کے تئیں دو چند

مے کدے میں گو سرا سر فعل نا معقول ہے
مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کد[2] کرے ہے
دیتا ہے مانگ اس کو جو فعل بد کرے ہے

کرے ہے دار ہی کامل کو سرتاج
ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ
ہوا ہے خون میرا آ کے لبریز

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں، کبھی جی ڈوب جاتا ہے
مرا یہ اشک قاصد کی طرح اک دم نہیں تھمتا
کسی بے تاب کا شاید لیے مکتوب جاتا ہے

مضموں تو شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب
غصے سے بھوت ہوگیا، لیکن جلا تو ہے

(۲۵) آرام

پریم ناتھ نام مخلص بہ آرام، یک فرد او بسمع رسیدہ۔ ازوست:

ان بولنا سجن کا میٹھا لگے ہے دل کو
خاموشی اُن لبوں کی گپ چپ کی ہے مٹھائی (ے، الف)

---

۱ ۔ یہ شعر قائم نے یک رنگ کا لکھا ہے ۔ (ادارہ)
۲ ۔ کد : عامیانہ بولی میں کب کی جگہ آج بھی بولا جاتا ہے ۔

(۲۶) یک رنگ

مصطفیٰ خاں یک رنگ شاعریست ایہام گو معاصر آبرو ، ہر چند پر گو فاما[1] بسیار پوچ گو است ۔ دیوان ضخیم دارد ، ایں چند ابیات انتخاب دیوان اوست :

لب شیریں سے بے زبانوں کو
بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو
یہی کوئی سلام ہے تیرا

زباں شکوہ ہے مہندی کا ہر پات
کہ خوباں نے لگائے ہیں مجھے ہات
مسخر حسن کے شاہ و گدا ہیں
رکھے ہیں خوب رو ظاہر کرامات

حق کہے جو کوئی سو مارا جائے
راستی ہے گی دار کی صورت

محبت کا عجب یک رنگ ہے رنگ
کبھی عاشق کبھی محبوب ہیں ہم

ہر رنگ شمع دائم تجھ لگن میں
سجن روتے پھرے ہر انجمن میں

---

۱ ۔ '' گویا '' ۔ ''تذکرۂ ریختہ گویاں'' صفحہ ۱۶۳ ۔ (ادارہ)

کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں
پنہاں نگہ تمہاری (بھی) گپتی سے کم نہیں

تجھ زلف کا یہ مو ہے گرفتار سال : بال
یک رنگ کے سخن میں خلاف اک مو نہیں

اس پری پیکر کو مت انسان بوجھ
شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھ

برگ حنا اوپر لکھو احوال دل مرا
شاید کبھی تو جا لگے اس دلربا کے ہاتھ

(۷ ب) دیا جانیے وصال ترا ہو کسے نصیب
ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہے
نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے

یک رنگ پاس اور سجن کیا ہے کچھ بساط
رکھتا ہے دو نین جو کہو تو نذر کرے

---

[۲] مت تلون اس میں سمجھے [سمجھو] آپ سا
مصطفیٰ خاں آشنا یک رنگ ہے

---

۱ - "دل" - "تذکرۂ ریختہ گویاں" صفحہ ۱۶۵ میں - (ادارہ)
۲ - "اُس کو مت جادو بیان اوروں کی طرح" مجموعۂ نغز جلد ۲ صفحہ ۳۶۱ - (ادارہ)

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے
میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر خبر لینی ہے تو اے صیاد
ہاتھ سے یہ سکار جاتا ہے

---

(۲۷) احسن اللہ

احسن‌اللہ ، مردے بود معاصر آبرو ، نہایت خوش گو ۔ دیگر بر احوالش اطلاع نیست ۔ ازوست :

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ
کہ حسنِ خوب‌رویاں عارضی ہے

(۲۸) سعادت

سعادت علی از سادات امروھہ، مردےسلیم‌الطبع، بہ کمال فصاحت و بلاغت آراستہ ، نہایت خلیق و متواضع و از حلیۂ فقر پیراستہ ۔ هرچندکم‌گو بود فاما اشعارش از لطف شاعری خالی نیست ۔ ازوست :

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو نو تیل میں ڈالے ہے ہات

صدق سے بوسہ طلب کرتے ہیں ، گر باور نہیں
مصحف رخسار پر پیارے رکھا تو ہم سے ہاتھ

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اس کی الکھیاں مے پرست (۸۱الف)
بس کہ ہوں کم ظرف ہو جاتا ہوں دوپیالوں میں مست

کیا صید آھوے دل سواری سے میاں تم نے
کمر کی داب نئی کھونی دوبا چنے کی ڈوری ھے

خدا جو سر لوح نام نہ ہوتا
ھرگز کسی آغاز کو انجام نہ ہوتا

ر سے جو رقیب لڑتے ہیں
یہ ھمارے نصیب لڑتے ھیں

اھل زر کے سیم تن ھوے ھیں رام
صید ھوئیں جس جگہ دیکھیں ھیں دام

پپیہے کی طرح دارو کے شیشے
زبان حال سے کہتے ھیں پی پی

اسمع رسیدہ کہ والدین آں بزرگوار تجویز نکاح او کرد (کذا)
از بس کہ دلش ازیں طرف منحرف بود، فی البدیہہ بیتے رساند :

ہاں کہا سنگنی میں آخر کو ڈبایا بیاہ میں
مجھ کو یوسف کی طرح بیروں نے ڈالا چاہ میں

(۲۹) میر سجاد

میر سجاد ساکن اکبر آباد، طالب علم مستعد، عالی نژاد، شاعر مربوط ریختہ گو، شاگرد آبرو بسیار خوش گو، نزاکت بند و انداز بلند و درستی الفاظ و استخواں بندی و سلیقہ اش درست و رسا و استوار و از ھر فردش رتبۂ شاعری نمودار ـ سخنان دل فریبش بس

شیرین و خوش گوار - (۸۱ب) این چند ابیات انتخاب دیوان آں بزرگوار است :

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یاں کوئی
مر جا ستم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ہوا
ساقی بغیر جام کے جی کا بچاؤ نئیں
جوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ چلا

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا
تجھ کو اے سجاد غیر از خنجرِ بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

بتاں کی بھی[1] یاد دو روز ہے
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

تیری ہے جائے باقی اے ساقی
عمر کا بھر چکا ہے پیمانہ

عشق میں جائے گا کہیں مارا
بے طرح دل ہوا ہے آوارا

مقبول اس جہاں کا ہرگز غنی نہ دیکھا
راجا وہی ہے جو کوئی یاں سے گیا ہے رانا

---

۱ - بھی بہ ''تذکرۂ ریختہ گویاں'' صفحہ ۸۶ - (ادارہ)

یار سے دل ملا ، وہ غیر ستی
نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

- -

جان و دل سب قبول ہے جانا
ہر گھڑی میں تری مجھے آنا

- --

میں نے جانا تھا قلم بند کرے گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا سجاد نے دفتر کھولا[1]

- ----

خط کتروا کے آج کینچی[2] سے
ہم سے ملنے میں جانے ہے کترا

- -

تیری شمشیر سے جدا ہو کر
سر مرا مجھ کو تن نہیں دیتا[3] (۹ الف)

کیا کریں پانو[4] بھی کہ جنگل میں
کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

--- -

۱ - میر : ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

۲ - یعنی قینچی -

۳ - فارسی محاورے تن دادن کا اردو ترجمہ بہ طریق ایہام استعمال ہوا ہے -

۴ - پانو کا جدید املا پاؤں ہے (ادارہ)

مرے دیکھ کر حال داماں کا
پھٹے کیوں نہ سینہ گریباں کا

سجاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح
غصہ ہوا ہے یار میں کچھ ان دنوں غضب

ایک ڈگ ہے عاشقی کے پنتھ میں
پانو کے نزدیک راہ دور دست

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بت ہے کی سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر
اک رات آ کے سو رہو ہم پاس آنکھ موند

مر گئے پر اگر نہیں آسیب
کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نامہ عبث کو جا کاغذ
اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ
یہ دھواں سا فلک ستاروں ساتھ
نظر آتا ہے اک جلا کاغذ
آسماں ایک رقعہ وار نہیں
غم کے لکھنے کو ہو بڑا کاغذ

اگر وہ صبح کو مجرے[1] کسی کے لینے کو
نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز
یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے

جسے چمن کے بیچ اٹھاتے ہیں نونہال (۹۱ ب)
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اٹھ کے سرو قد

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھا اہل مجلس پر

باد صبا سے زلف معطر کی ہم تلک
مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

لخت جگر ہمارا پانو کے ساتھ رکھ کر
کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

خاموش اس سبب سے وہ رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منہ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دور میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نئیں
خط چرالے جا ہے دل کو اور باندھی جا ہے زلف

---

۱ - مجرا لینے کا (''تذکرۂ ریختہ گویاں'' صفحہ ۹۲) - (ادارہ)

دل کو کبھی پیار دلا کر کے تو سجن
لاگا نہیں گلے سے مرے آ کے آج تک

زلفوں کے جب الجھتے ہیں اس ساتھ آ کے دل
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت اب نکال

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن
ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جاوے اسے
خواہ زلفیں، خواہ ابرو، خواہ مژگاں، خواہ چشم
پھیر جا ہیں خوبرو، آنکھیں کریں ہیں سب اناؤ
دیکھ سرمے کے تئیں ہو جا ہے ظالم سیاہ[1] چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
سب مزے درکنار ہوتے ہیں[2]

چوں ایں بیت (۲۰ الف) بہ زبان ایں راقم الحروف می گذرد بے اختیار تواجد دست می دهد و در پیرهن نمی گنجد ۔

تا خدائی ٹک ایک کر ساقی
ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

---

۱ ـ سیاہ کی ہائے ہوز شاعر نے گرادی ہے (ادارہ)

۲ ـ میر : سب مزے درکنار عالم کے
یار جب ہم کنار ہوتا ہے

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک
تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

اگر اپنے سجن بندگی کے دامون میں
پھر میں دیکھتا صاحب کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن پہ گزری گی
ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشے کے بیچ تمھاری گلابیاں

جو اک دھج ہے ابروئے خم دار میں
کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رو مخطط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو لکھ دوں
اس فرد خطے است دال براستادیٔ او :
جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں
منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیری وحشی نگہ سے جنگل میں
بھاگنے پر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف سے منہ پہ ہیں موجیں سی جاریاں
لہریں ہیں میرے شوق کی زلفیں تمھاریاں

لب شیریں پر اس کے مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں (۲۰ب)

یہ سجاد کے دل کے جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع ، اس کو بجھاؤ

سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہے
زلف تیری ہے کوئی بس کی گانٹھ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھلیاں ہو گئے
پڑتے ہیں ایسے جنگ میں بھی کھیت گاہ گاہ

رات اور زلف کا وہ افسانہ قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

بے تکلف ہو لپٹ سر پہ چڑھے ہے سجاد
دختر رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے
یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

بھنوں بازی کہیں سجن مل جائے
لیکن ایسے کہاں نصیب مرے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے
جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے
یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے

اے صنم زنّار پہنی تجھ وفا کے واسطے
ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خدا کے واسطے

عاشقوں کا سجن لہو پی پی
دم بہ دم تیری تیغ آگلے ہے

سرداری اس کی کسی سے نہ ہو
یہ ابرو تری ننگی شمشیر ہے

پانو جنگل میں دھرنے اتنے نہیں
کیا پھپھولوں نے سر اٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دیں گے غیروں کو
جان ہرچند ہم گئے ہوں گے

(۳۰) حاتم[1]

شیخ محمد حاتم متخلص بہ حاتم ، متوطن دھلی ، معاصر آبرو تا اللی بر منا ھذا بقید حیات است ، مردیست سنجیدہ ، فہمیدہ ، جہاندیدہ ،

---

۱ ۔ ظہورالدین نام ، عرف شاہ حاتم ، متوفی ۱۱۹۷ھ تذکرہ ہندی صفحہ ۸۰ (ادارہ)

صحبت اکثر سخن وراں دریافته ، فاما زعم شاعری بسیار دارد ۔ دیوان قدیم از نظر این مولف گذشته ، به طرز آبرو و ناجی حرف می زند ، اکثر اشعارش از لطف شاعری خالی یافتم ۔ به زبانی بعض آشنایاں که الحال در دهلی ازو ملاقی شده ، چند غزل متفرقه نوشته آورده بودند ۔ معلوم شد که دیوان مختصر دیگر ترتیب داده و "دیوان زاده" نام نهاده است ، ازیں سر شاعری معلوم می شود ، بعضے ازاں به تحریر خواهد آمد ، چند اشعار او که بہم رسیده نوشته می شود ، ازوست :

مثال بحر موجیں مارتا ہے
کیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا

آزاد کو بھلا ہے رهنا جہاں میں ننگا
ہے گا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا

هجر میں زندگی سے مرگ بھلی
تاکه سب مل کہیں وصال هوا

تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے
بوریے کا نقش هم پہلو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے (۲۱ب)
کون هوگا گر نہ هوگا تو مرا

هائے بے درد سے ملا کیوں تھا
آگے آیا مرے ترا کہنا

لیا اس گل بدن کا ہم نے بوسہ
تو کیا چوما رقیبوں نے ہمارا

نظر آوے تھا بکری سا کیا پر ذبح شیروں کو
نہ جانا میں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا

دل دیکھتے ہی اس کو گرفتار ہوگیا
رسوائے شہر و کوچہ و بازار ہوگیا
دیکھی جو اس کے ہاتھ میں شمشیر خوش غلاف
حسرت سے تن ، بدن کے اُپر بار ہوگیا
اک بعد عمر گھر مرے آیا وہ ناز سے
یعنی گذار اس کا قضا کار ہوگیا
آنے کی ماندگی سے ، آسے نیند آ گئی
گھر اپنا جان ، خواب میں دلدار ہوگیا
میں پانو دابنے لگا اس کے ادب ستی
سو گئے مرے نصیب ، وہ بیدار ہوگیا
ایسا اُٹھا خبر میں ہوکر کے بے دماغ
صورت کو دیکھ کر مری بیزار ہوگیا
آنکھیں بدل کے ، منہ کو تھتھا ، تیوریاں چڑھا
بیزار کیا ، گلے کا مرے ہار ہوگیا
کہنے لگا کہ کیوں ہے ، تو سمجھا تھا دل میں کیا
چل دور ہو ، پرے ہو ، نپٹ یار ہو گیا
حاتم عجب ہے رسم یہ اقلیم عشق میں
پانو کو ہاتھ لگتے گنہ‌گار ہو گیا

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ (۲۲الف)
حسن رہ زن ہوا پنجاب کی راہوں کے بیچ

ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھنی ، ہمیں کاغذ خطائی پر

آج نرگس کے قلم کر کے سجن لکھتا ہوں
وصف انکھیاں کا تری ، کاغذِ بادامی پر

کیا کروں افسوں مرا چلتا نہیں
یہ ترا تعویذِ بازو دیکھ کر

خالی[۱] سجن کا ملنا تن سکھ ہے عاشقاں کو
گاڑھے رقیب سارے روتے ہیں ہاتھ مل مل

آؤ چمن میں گل‌رو دیکھیں بہار ہم تم
اور بیٹھ کر لبِ جو ہوں ہم کنار ہم تم
اس ابر و اس ہوا میں یوں آوتا ہے دل میں
پی پی شراب ہوویں بے اختیار ہم تم

۱۔ ''تن سکھ'' ''گاڑھا'' اور ململ'' کپڑوں کی قسمیں ہیں ۔ اس شعر میں صنعت ایہام ہے ۔ ''خالی'' کی جگہ ''خاصے'' ''تذکرۂ ریختہ گویاں (صفحہ ۵۰) میں ہے ۔ (ادارہ)

اپنی بھی آسماں نے فرصت نہ دی کبھی ہائے
جو بیٹھ در نکالیں دل کا غبار ہم تم

دور میں تیرے نین کے مست ہے عالم تمام
کیوں ہوا اس غم سے سرگردان لشکر جام جم (کذا)

نہیں ملتا سو کیوں اے گندمی رنگ
نہیں ہوں میں مگر فرزند آدم

وہ وحشی اس قدر بھڑکا ہے صورت سے مری یارو
کہ سایہ دیکھ کر اپنا مجھے ہمراہ جانے ہے

(۲۳ب) لام نستعلیق کا ہے اس بت خوش خط کی زلف
ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اسلام کے

ہند میں تنہا تری محبوبیوں کا شور نئیں
دیکھنے کو تیرے آ مردم کھڑے ہیں شام کے

ایں چند ابیات از غزلیات تازۂ اوست :

تیرے اے عشق طمانچے سے خدا حافظ ہے
دونوں مجبور ہیں کیا عاقل و کیا فرزانہ

ہاتھ سے تیرے نہ عاشق کو نہ معشوق کو چین
دونوں جلتے ہیں ادھر شمع اُدھر پروانہ

کعبہ و دیر میں اے شیخ تفاوت کیا ہے
دونوں گھر کا ہے وہی ایک ہی صاحب خانہ

حسن اور عشق ترے فیض قدم کے صدقے
دونوں آباد ہیں ہم گلشن و ہم ویرانہ

روزے سے ہیں گے بستہ دہن غنچۂ چمن
جلدی سے آ پہنچ اے نسیم سحر کہیں

خاطر میں تو لاتا نہیں تو جاہ کسی کی
ڈرتا ہوں نہ لگ جاوے کہیں آہ کسی کی
کہتے ہیں سبھی مہر بتاں خوب نہیں ہے
سنتا ہے کہاں یہ دل گمراہ کسی کی
یک بار تو قاتل مرے مشہد سے گذر کر
تا کوئی یہ جانے کہ ہے درگاہ کسی کی

کبھی جو گھر سے وہ حشمت پناہ نکلے ہے
تو جیسے عید کے دن بادشاہ نکلے ہے
میں ناتوان ہوا اس قدر کہ مدت سے (۳۲الف)
نہ لب سے نالہ ، نہ سینے سے آہ نکلے ہے
زباں خلق سے حاتم عجب تماشا ہے
جدھر وہ نکلے اُدھر واہ واہ نکلے ہے

مارا ہے سنگ دل نے دکھا مجھ کو رنگ سرخ
تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگ سرخ

ا، رباعیات اوست :

ان میں رون کے ساتھ سونا معلوم
سمت[1] میں نہیں خاک سو نا معلوم
حاصل افسوس دی و امروز گذشت
فردا کی رهی امید سو نا معلوم

اس تھوڑی سی عمر میں کہو کیا کیجے
دنیا یا تلاش دین کیا کیا کیجے
کچھ بن نہیں آتا هے مگر کوئی دم
قدرت کا تماشا اسے دیکھا کیجے

---

(۳۱) یک رو

یک رو مردے بود از شاگردان آبرو ، و دیگر بر احوالش اطلاع ندارم ، یک فرد او بسمع رسیده :

دل پر مرے هیں داغ ترے هجر کے کئی
گنتے میں جن کے عمر مری سب گذر گئی

(۳۲) پاک باز

صلاح‌الدین عرف مکھن پاک باز مخلص : مردے بود متوکل ، گوشه نشین ، یکتاے زمانه و از آشنائی جهان بیگانه ، پسر شاه کمال نبیرهٔ شاه جلال ـ اکثر اوقات به ورد و وظائف اشتغال می داشت ـ عاشق پاکباز و جان‌باز بود ، مزاجش خالی از وحشت نبود ، ازوست :

۱ـ ''قسمت میں لکھی هے خاک سونا معلوم'' (مجموعهٔ نغز ، صفحه ۱۹۳) ـ (اداره)

جلوے تمھارے حسن کے لت ھیں پر ہم کہاں (۲۳ب)
تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں[1]

مجھے درد و الم رھتا ہے لت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

(۳۴) بے تاب

شہاب الدین[2] بے تاب - مردے بود درویش ، مربوط الاحوال ، از شاگردان یکرنگ موصوف ، روزے برائے ملاقات جعفر علی خان که احوالش خواهد آمد می رفت ، ناگاه در راه از پشت اسپ بے تاب شده افتاد ، دستش شکسته ، آخرش از هماں زخم ودیعت حیات سپرده ، خداش بیامرزد ، ازوست :

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل
تو کیا آرام سے رھتا مرا دل

تڑپھ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ھائے کس ظالم کے بس میں

تم تو بیٹھے ہوئے پر آفت ہو
اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو

۱- ''کہاں'' تذکرۂ ریختہ گویان (صفحہ ۲۶) میں (ادارہ)

۲- ''شہاب الدین'' نام غلط ہے ''محمد اسماعیل'' نام اور بے تاب تخلص تھا - (دیکھیے ''تذکرۂ میر حسن'' صفحہ ۲۶ - ''مخزن نکات'' صفحہ ۲۳ ''تذکرہ ریختہ گویاں'' صفحہ ۲۵ (ادارہ)

چه زنخداں میں دل تو ڈوب گیا
کہیں دا رب غریق رحمت ہو
تو خفا مجھ سے ، میں خفا دل سے
بھلا کس بات کی حلاوت ہو
اتنے سے قد آپر[1] اتی[2] شوخی
میاں تم تو بڑے قیامت ہو

(۴۴) ثاقب

شہاب‌الدین ثاقب ساکن قصبہ سیوھارہ ، درویش متوکل ، شاعر پرگو و خوش گفتگو ، شاگرد آبرو ، گاهے اشعار (۴۴ الف) خود از نظر سراج الدین علی خان آرزو می گزرانید و در اکثر فنون دست رس تمام داشت ، باوجود همه دانی و قابلیت انسانی خود را هیچ مداں می شمرد - رسائی فکرش از تلاش خاصش پیداست - وقتے که افواج افاعنه از دست مرهٹه شکست خورده[3] به طرف جنگل انک متھ فراری شده بود ، ودیعت حیات به مالک حقیقی سپرد - خداش بیامرزاد ،اگرچه دیوان ضخیم دارد ، اما به نظر این راقم‌الحروف نیامده . دو بیت او به نظر رسیده ، ازوست :

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نے آ پکارا
یه کون مر گیا ہے ، کس کا ہے یه جنازہ

مر گئے تو بھی کچھ نہ پوچھی بات
تس په ثاقب کا یار کہتے ہیں

۱- آپر : اوپر کا مخفف -
۲- اتی : اتنی کا مخفف -
۳ - ذی قعدہ ۱۱۸۵ھ (اداره) -

(۳۵) محمد مراد

محمد مراد متوطن شاہ جہان آباد ، دیگر بر احوالش اطلاع نیست ، ازوست :

سانپ کے جوں من مرا ڈس لے مجھے خطرہ نہیں
پر تو ایسے مار سچ ہے زلف ناگن کیا نہیں (کذا)

(۳۶) دانا

فضل علی دانا مردے ست دانش مند ، نوکری پیشہ ، شاگرد مضمون ، متوطن دہلی ، متلاشی الفاظ تازہ و مضامین عجیب و غریب ۔ خدا داند کہ در قید حیات است یا درگذشت ، ازوست :

ہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا (۳۴ب)
یہی توحید میں مصرع سرِ دیوان ہے میرا

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا
یوسفِ مصر مگر تو ہی ہے اے یار عزیز

نہ چاٹے خون کو جس روز میرے ، اس کے فاقہ ہے
رگِ گردن سے میری اس کے خنجر کو علاقہ ہے

(۳۷) محمد عارف

محمد عارف از شاگردان مضمون ، متصل دہلی دروازہ سکونت داشت ، از بس کہ کم گو است بعد سالے و ماہے بیتے آرد ۔ شعر او خالی از لطف نیست ، خدا داند کہ زندہ است یا وفات یافت ، ازوست :

دختر رز کو کہہ کہ اس سے ملے
ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

هزاروں معنیِ تاریک آویں دل میں اے عارف
اگر زلف سیہ کا پیچ اس کے منہ پہ ڈھل جاوے

---

(۴۸) کمترین

کمترین تخلص قوم افغان ترین ، بہ ہمیں سبب کمترین تخلص اختیار نمودہ ، عجب ہنگامہ پردازے بود ، مزاجش میل بہ طرف ہزل بسیار داشت ، شعر ہر فرقہ در ایہام گفتہ است و احوالِ خرابیِ شاہ جہان آباد و ہجو امرا بہ طریق شہر آشوب در مخمس بستہ کہ ہنوز در السنۂ خواص و عوام (۲۵ الف) مذکور است ، ان چہ اشعار او بہم رسیدہ نوشتہ می شود ، این چند ابیات از کمترین مزخرفاتِ اوست :

تو خصم[1] کن کر مشلچن[2] نے کیے
تو بھی نئیں رہتی دو شاخہ بن دیے

پلا اس مست نفرانی کو تاڑی
اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی[3] نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے ذاتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں نقل[4] کر کر براتوں میں

---

۱ ۔ خصم : بفتح دوم بہ معنی شوہر (عامیانہ بولی) ۔
۲ ۔ مشلچن ، مسعلچی کی تانیث ۔ مشعلچن کا عین گرا دیا ہے ۔
۳ ۔ بہ سکون تا ۔
۴ ۔ نقل بہ فتح دوم ۔

دیکھو پکوان والی کی مزاخین[1]
خصم کے رو بہ رو بیچے ہے شاخین

تیری الگیا میں کیا بلا کچھ ہے
جن نے دیکھا سو ہاتھ ملتا ہے

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمتریں تمھارے
کے بیر[2] ہم کو دو گے نازک بدن[3] پیارے

آ کھلی ہے چوٹ غم کی موسر سے تا سراپا
تم کو نہ چھاجتا ہے ہم سے پھٹک کے چلنا

(۳۹) قدر

قدر تخلص ، شخصے بود اوباش ، از قید مذہب و مشرب وارستہ ، قدر شخصیت او کما حقہ معلوم فقیر نیست ، ازوست :

آئے ہو آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات
لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

(۴۰) عاجز

عاجز تخلص ۔ طرز اشعارش بہ طرز کمترین مسطور است ، یکہ فرد او بہ نظر رسیدہ ، ازوست :

---

۱ ۔ مزاخ : مذاق (عامیانہ)
۲ ۔ بیر : بار کا امالہ اور بہ معنی پھل ۔
۳ ۔ نازک بدن : بیر کی ایک قسم ۔

دل بغل مارے لیے جاتے ہیں یہ مکتب کے طفل (۲۵ ب)
شیخ سعدی تم بھی ٹک لے کر گلستاں دوڑیو

(۴۱) بیرنگ

دلاور خاں پیشتر ہم رنگ تخلص می کرد بعدہ بے رنگ[1] پسند نمودہ ، برادر مصطفیٰ خاں یکرنگ مسطور ، طبع موزوں دارد ، ازوست :

یار کا جب خیال آتا ہے
ہوش میرا تمام جاتا ہے

دل کو تجھ عشق سے قرار نہیں
اب تلک تجھ کو اعتبار نہیں

نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور
دوانا ہوں میں گل کے رنگ و بو کا
سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترش
مثل مشہور ہے : سویا سو چوکا

ہے ہاتھ ترا خون سے عاشق کے گر آلودہ
مہندی سے سجن مت کر بار دگر آلودہ
مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجھ کو
افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ

---

۱ - فی الاصل : نیرنگ ، مگر دلاور خاں نے بعد میں تخلص بے رنگ اختیار کیا تھا ۔

فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی
شیریں کا جو اک بوسہ ملتا شکر آلودہ

خط مرا اس نگار نے نہ پڑھا
کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا

(۴۲) مزمل

مزمل تخلص ، احوالس به تحقیق نمی رسدکه از کجا بود ، فاما اشعارش پہلو به پہلو با اشعار آبرو و ناجی است که سرآمد ایہام گویانند ۔ دیوان ضخیم دارد ، چند بیت او رسیده ، ازوست :

(۲۶ الف) من ہرن میرا مزمل رم کیا
دشمنوں کے من کے چیتی ہو گئی

لگایا عاقبت گل رو نے خنجر
یہی اس پھول کے دیکھے کا پھل ہے

اے مزمل ناز کا گھوڑا کُدا
شوخ کہتا[1] چل بے چل آگے سے چل

کرے ہے طعن حق پر مدعا لیلیٰ کو جانا ہے
مگر تیری ہوا ہے اس طرح مجنوں دوانا ہے (کذا)

ہر اک سردار ہے ہر بوند آنسو کی پلک اوپر
بہت چھوٹے ہیں خوشے نخل لے کیا بار آتا ہے

۱- ''بولا'' تذکرۂ میر حسن (صفحہ ۱۴۶ طبع جدید) میں (ادارہ)

طبقهٔ سوم : در ذکر شعرائے متاخرین و بعضے نومشقان دیگر

می گویند اول کسے که طرز ایهام گوئی ترک نموده و ریخته را در زبان اردوے معلیٰ شاه جهان آباد که الحال پسند خاطر عوام و خواص وقت گردیده ، مروج ساخته ، زبدةالعارفین ، قدوة الواصلین واقف رموز جناب اکبر ، کاشف کنوز طریقهٔ پیغمبر ،

(۴۳) مظهر

(جان جان مرزا) مظهر متخلص به مظهر مردے ست فرشته صفت ، علوی نسب ، هندی مولد ، حنفی مذهب ، نقشبند مشرب از مریدان سید نور محمد بداؤنی و مسترشدان محمد عابد سرهندی ، درویش صاحب حال ، باکمال ، خوش مقال مرجع (۲۶ب) و مستند عالم ، معزز و مکرم ، عالم متبحر و نحریر فاضل مستعد و بے نظیر خوش گو و خوش تقریر به مرتبه ایست که در تحریر نمی آید خلف الصدق مرزا جان جان تخلص ، نبیرهٔ جباری خان که در عهد همایون جلال الدین محمد اکبر بادشاه ، به منصب شش هزاری ممتاز و سرفراز بود - چنان چه چندے بغاوت ورزیده و قدم از دائرهٔ اطاعت بیرون نهاده در صوبهٔ گجرات نشست - از حضور پرنور افواج قاهره تعین شده ، دستگیر نموده آوردند ، تقصیر معاف شد - اما بادشاه عهد نمود که هر که به پایهٔ سلطنت رسد جباری خان یا اولاد او را در خاندان سلطنت جاه نه دهد و به مرتبه نرساند - آمدم بر سر مطلب : غرض که مرزا عجب کسے است که در شاه جهان آباد دهلی که منتخب هفت اقالیم بود ، همچو او شخصیے خوش قماش نازک طبع برنخاسته تا به دیگرے چه رسد - این ناقص هم به خدمت شریف

او مشرف شده ۔ از مغتنمات روزگار است ، حق تعالیٰ سلامتش دارد ۔ دیوان فارسی او به نظر ایں احقر گذشته ، هر که دیده باشد فهمیده باشد ، احتیاج تعریف نه دارد ۔ چند ابیات آں بزرگوار که بسمع رسیده (۲۷الف) نوشته می شود ، انعام الله خاں یقین و حزین وغیره شاعران ریخته تربیت کردهٔ اویند ، ازوست :

خدا کے واسطے اس کو نه ٹوکو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

جواں مارا گیا خوباں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

کیا جواں مارا گیا خوباں کے ہاتھ
لاکھ حسرت کہت آئی جس کے ساتھ

مرتا ہوں میرزائیِ گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چونری پنکھا صبا کے ہاتھ
مظہر چھپا کے رکھ دل نازک اپس کے تئیں
یہ شیشہ بیچنا ہے کسی میرزا کے ہاتھ

کسی کے خوں کا پیاسا ہے، کسی کی جاں کا دشمن ہے
نہایت منه لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پاں کو

ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

آتش کہو ، شرار کہو ، کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں
مدت سے اس خیال کے آتا ہوں پیچ میں
گر مو کہوں کمر کو تو گیسو کو کیا کہوں
مجھ پر ہوا ہے تنگ سجن عرصۂ سخن
گر دُر کو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں
(۷۴ب) دیوانہ کر لیا ہے مرے جان و دل کے تئیں
مظہر ترے ستم گرِ بدخو کو کیا کہوں

چلی ، آخر جلا کر گل کے ہاتھوں کارواں اپنا
چمن میں ہائے بلبل نے نہ چھوڑا کچھ نشاں اپنا
نکالا باغ سے صیاد نے یوں ہم کو یا قسمت
لکھا یوں تھا کہ فصل گل میں چھوڑیں آشیاں اپنا[۱]
یہ حسرت رہ گئی کن کن مزوں سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا ، گل اپنا ، باغباں اپنا
نہ کچھ تقصیر اب ثابت ہے اس دل کی نہ خوباں کی
مجھے ناحق ستاتا ہے یہ عشقِ بدگماں اپنا

---

۱ ـ یہ شعر ''مرزا مظہر جان جاناں اور ان کا کلام'' مؤلفہ عبدالرزاق قریشی (طبع بمبئی) میں نہیں ہے ـ ''طبقات الشعرا'' ان کے ماخذ میں شامل ہے ، حیرت ہے کہ یہ کیوں قلم انداز ہوا ـ

کوئی آزردہ کرتا ہے سجن اپنے کو اے ظالم
یہ دولت خواہ اپنا ، مظہر اپنا ، جانِ جاں اپنا

(۴۴) آرزو

ملک الشعرا ے ہندوستان فارسی‌گو سراج‌الدین علی خان آرزو ، صاحب طبع دقت آفریں ، پایۂ سخن وری و سخن فہمی و محاورہ دانی را بدرجۂ کمال رسانیدہ بود ، از فصحاے زمانہ و استادِ یگانہ بود ۔ در تمام خطۂ ہند ہمچو او شاعر پر گو ، پر زور و خوش‌گو ، قادر سخن ، بایں فضل و کمال پیدا نشدہ ، حاصل کمالات او از حیز تحریر و تقریر بیروں ۔ اکثر استادان فارسی و ریختہ از تلامذۂ اویند ، نسخہ سراج‌اللغت وغیرہ از تصانیف او مشہور و معروف ۔ گاہے براے فرحت طبع یک دو فرد (۲۸ الف) ریختہ موزوں کردہ ، ایں فن بے اعتبار از یمن سخنش اعتبار یافتہ ۔ ایں چند ابیات از لآلیِ آبدار ازاں سرآمدِ روزگار است :

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں زندگانی کا کیا بھروسا ہے

مے خانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے

رکھے سپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سنے
نیا لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

هر صبح آوتا ہے تیری برابری کو
کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

---

(۴۵) اشتیاق

حقائق و معارف آگاہ شاہ ولی‌الله سرهندی اشتیاق تخلص ، نبیرۂ مجدد کل ، از اولاد شیخ احمد سرهندی ، در کوٹله فیروز شاه سکونت داشت ، درویش دل‌ریش ، متوکل ، گاہے فکر ریخته می کرد ، ازوست :

لڑکوں کے پتھروں‌کی لگے کیوں که اس کے چوٹ
هر ایک گرد باد ہے مجنوں کو ڈھول کوٹ

بتاں جو هجر کی باتیں همیں سناتے هیں
کچھ ان کا دوس نہیں یه خدا کی باتیں هیں

---

(۴۶) امید

قزلباش خاں امید (۲۸ ب) شاعر زبردست ، فارسی گو ، جوانے بود ، داخل ذیل امراء و یار باش ، همیشه اوقات خود به خوشی و خورمی می گزرانید ، یک بیت او بسمع رسیده ، ازوست :

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا هوں
الحفیظ الحفیظ کرتا هوں

(۴۷) گرامی

مرزا گرامی پسر غنی بیگ کشمیری که قبول تخلص می کرد ، چوں هنگامۂ ریخته بسیار گرم شد ، ایشاں هم دو سه شعر ریخته موزوں

نمود ، ازوست :

حاضری بن محل نہیں کھانا
بیکمی ہے پنیر منعم کا

(۴۸) پیام

شرف‌الدین علی خاں پیام ساکن اکبر آباد ، شاعر پر زور فارسی، طبعش صائب و فکرش مناسب معلوم می شود ۔ دیگر بر احوالش اطلاع نیست ، ازوست :

تم ہو بوس و کنار کی صورت
ہم ہیں امیدوار کی صورت
بےنوا ہوں زکات حسن کی دے
او میاں مال‌دار کی صورت

بات منصور کی فضولی ہے
ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے
کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا
ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

---

(۴۹) بے نوا

بے نوا تخلص ، احوال او بہ تحقیق نمی رسد ۔ در عہد سلطنت محمدشاہ بادشاہ کہ اکنوں بہ فردوسِ آرام گاہِ (۲۹ الف) ملقب استِ ،

سبب کرن نام جوهری چرپینه فروش را در هنگامهٔ هولی کشته ، بابت او بلوائے عام شد ۔ جفت فروشان اجماع نموده در جامع مسجد مانع خطبه گشتند ۔ نواب ظفر خان روشن الدهر[1] که به طره باز خان ملقب بود ، جوهری مذکور را پناه داد و نواب وزیر الممالک اعتمادالدوله قمرالدین خان بهادر بر سر حمایت جفت فروش بودند ۔ آخر هنگامه عظیم درمیان امرائے عظام برپا شده ، بسیارے از طرفین به‌قتل رسیدند و تمامی جامع مسجد پر از خون شده ۔ ظفرخان به سبب کثرت پاپوش کاری تاب مقاومت نیاورده گریخت ۔ چنانچه کسے شاعر گوید :

انچه بر فرق ظفر خان از خدا افتاده است
من چه گویم معنئی آن پیشِ پا افتاده است

این قصه را شاعر مذکور در مخمس بسته که هنوز بر السنهٔ عوام مذکور است ، ازوست :

یه کیا ستم هے اے فلکِ هرزه نابکار
مریخ پهر کے تیز کیا هے خنجر[2] کی دهار
جوتی فروش مرد مسلمان دین دار
مردود جوهری نے لیا هے ستم سے مار
سنگ جفا سے چور کیا لعل آبدار

کتنوں کو مار جی سے، قضا نے گرا دیا (۲۹ ب)
کتنوں کا جی بچا کے بہت هڑبڑا دیا

---

۱ ۔ روشن الدوله هونا چاهیے ۔

۲ ۔ خنجر بر وزن شکر پڑها جائے گا

کاغذ پہ بے نوا نے یہ سن کر چڑھا دیا
لکھتا ہے مار جوتیوں طرّہ اڑا دیا
تا حشر ہر زبان پہ رہے گا یہ یادگار[1]

---

(۵۰) حشمت

میر محتشم خاں سید صحیح النسب ، متواضع و خلیق کہ در دل ہر کس جائے او خالی است ، عمدہ روزگار ، ساکن مغلپورہ ، شاعر زبردست فارسی و ریختہ ، بسیار سنجیدہ فہمیدہ ، برادر کلاں او میر ولایت اللہ خاں از مغتنمات روزگار بود ۔ چند سال شد کہ ازیں جہان رحلت نمود ۔ ازحشمت است :

نکہت گل نے جگایا کسے زندان کے بیچ
پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دوانے کی خبر لو
اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

(۵۱) انجام

نواب امیر خاں عمدۃالملک ، از امرائے عظام محمد شاہی خلف امیر الامرا نواب امیر خاں عالمگیری کہ صوبہ‌دار کابل بود ، در فہم و فراست ضرب المثل و در نکتہ دانی و لطیفہ‌گوئی بے بدل ، نادر زماں و اعجوبۂ دوران خود بودہ ، در فن ظرافت یکتا و در ادائے سخن گوہر بے بہا ۔ مقابل ریختہ کہ لفظے است مذکر ،

---

۱ ۔ اس کے بارے میں محمود شیرانی مرحوم کا مضمون ''بے نوا سنامی کا مخمس'' اورنٹیل کالج میگزین میں دیکھا جائے ۔

رفتی تصنیف (۳۰ الف) نمودہ ، چند بیت ازاں یاد است :

خاکساری پر نہ کر موذی کی ہرگز اعتبار
جونک ماٹی میں رلے تو بھی لہو پیتی رہے
چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہرگز رفو
سوزن تدبیر بھی گر سو برس سیتی رہے
عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہے پروانے کے ساتھ
وصل میں مرجائے وہ یہ ہجر میں جیتی رہے

دور سے آئے تھے ساقی سن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم
ہم کو پھنسنا تھا قفس میں کیا گلہ صیاد کو
سر پٹک کھوے ہیں اپنے آپ اور دانے کو ہم
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

اکثر لطیفہ ہا کہ از زبانش برآمدہ بر السنۂ عوام و خواص مستعمل و متداول الد ۔ بعضے ازاں تحریر می آید :

نقل :

روزے در دربار معلی بادشاہی ہمہ امرایان عظام بہ حضور پرنور ظل سبحانی خلیفۃالرحمانی محمد شاہ بادشاہ حاضر بودند ۔ ہر یک موافق حوصلہ و استعداد خود سخن از ہر ضلع می گفت ، اتفاقاً از زبان کسے برآمد کہ ملا دو پیازہ در اقوال خود گفتہ کہ از پیشہ وراں ہر کہ در آخر (۳۰ ب) نام او کلمۂ 'ہان' و 'گر' می باشد بسیار

---

۱ - یہ بیان قابل غور ہے ۔

مفسد بود ؛ چنانچه رتھ بان ، فیل بان ، یا درودگر ، آهن‌گر ۔ نواب موصوف به سمت مخاطب متوجه شده‌گفت : ''ہاں سچ ہے مہربان !'' یعنی شما هم ازیں قبیله هستید ۔

نقل :

روزے در پائجامۂ بادشاه به حسب اتفاق مگسیے داخل شد ، ازیں باعث نهایت ملول خاطر شد ۔ نواب موصوف چوں بر چہرۂ بادشاه تغیر کمال دید ، گفت که جہاں پناه ! چرا ملول خاطر می شوید ''آپ ہی گوہ کھائے گی اور نکل جائے گی'' ۔ باید فهمید که چه لطیفه به موقع رسانید ۔

نقل :

روزے بادشاه سوال کرد که امیر خاں بهادر لفظ پوت و سپوت و کپوت چه معنی دارد ۔ جواب داد که حضرت پوت آں را گویند که مثلاً پدر او بادشاه باشد ، فرزند او نیز بادشاه شود ، چناں چه حضرت ۔ و کپوت آں را گویند که پدرش هفت هزاری باشد و پسرش به یک دانه محتاج شود ، چناں‌چه غلام ۔ و سپوت آں باشد که پدرش به یک دانه محتاج بود و پسرش صاحب حشمت و جاه بود ، چناں چه نواب برهان‌الملک ۔ سعادت خاں پیچ و تاب خورده ایں بیت (۳۱ الف) سعدی شیرازی بر زبان راند :

پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

نواب موصوف گفت پیشتر هم بخوانید :

سگ اصحاب کهف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

نقل :

روزے پادشاہ ماہ نو شہر ذی قعدہ می دید ، چوں دریں ماہ نود کے خوبروے می بینند ۔ پادشاہ بہ ہرجانب نگاہ کرد ، یکے از امرا کہ پسرش دراں وقت حاضر بود رو بہ رو آورد ، امیر خان بدیہہ گفت کہ تیری ماہ آیندہ نمودن ضرور افتاد چرا کہ مشہور است :

ذی قعدہ بینی کودکے ذی حجہ دختر خوب بر

آن امیر سر درگریبان خجالت فرو بردہ ، چیزے از عہدۂ جواب آن بر نیامد ۔

دیگر لطیفہ ہاے کہ از زبان آن امیر اعجوبۂ دوران برآمدہ دریں مختصر گنجائش ندارد ۔ در لطیفہ گوئی و پہیلی یکتاے وقت خود بود ۔ از دست کسے سپاہی نمک حرام کہ از ملازمان سرکار او بود ، در عین پردۂ دیوان خاص بادشاہی شہید شد ۔ حق تعالیٰ مغفرتش کند ۔ در قابلیت و مروت و سخاوت و دیگر کمالات انسانی اعجوبۂ زماں ، خصوصاً در فن ظرافت و نکتہ سنجی یکتاے (۱۳ ب) دوران خود بودہ ۔ چناں چہ نقل می کنند کہ روزے نواب موصوف پائجامہ کم خواب پوشیدہ بود، نور بائی ڈومنی کہ در خوبی و لطیفہ گوئی شہرت داشت ، بہ مجرد دیدن گفت کہ نواب صاحب امروز چہ ازار کافر پوشیدہ آمد ، جواب داد کہ درو اندکے مسلمانی ہم ہست ۔ باید فہمید کہ چہ لطیفہ بر محل رسانید ۔

(۵۲) ناصر و آفتاب[1]

ناصر جنگ خلف رشید نواب نظام الملک آصف جاہ جوانے بود

---

۱ ۔ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ کا تخلص مؤلف تذکرۂ گل عجائب نے ناصر اور آزاد بلگرامی نے "سرو آزاد" (صفحہ ۱۸۴) میں آفتاب لکھا ہے (وفات ۱۱۶۴ھ) ۔ ادارہ

قابل ، صاحب شجاعت ، عالی حوصلہ ، طبع موزوں داشت ، یک فرد او بسمع رسیدہ ؛ ازوست :

روز بد میں کس سے ہے یارو رفاقت کی امید
گر زوال آتا ہے ٹل جاتا ہے سایہ ساتھ سے

این بیت لفظاً لفظاً ترجمہ شعر پدر اوست :

روزے بد یاری نمی آید [ز] یاران دیدہ ام
سایہ ہم کم می شود در زیرِ پا وقتِ زوال

پس بہ موجب حکم کہ پسر وارث پدر است ، اگر او مالک مضمون پدر شود ، مضائقہ ندارد ۔

(۵۳) ضمیر[1]

نواب ہدایت علی خاں از امرائے عہد شاہی بود ، مدتے صوبہ‌دار پٹنہ بریلی ماندہ ، بسیارجوانے قابل و شجاع بود و صاحب دیوان فارسی (۳۲ الف) چند اشعار ہندی متفرقات ازو بسمع رسیدہ ، ازوست :

ایک دن سر رشتۂ الفت کے ساتھ
دیکھ کر چکیے کو میں دلبر کے ہاتھ
از روے حسرت کہا کیا ہے تجھے
کیوں ہے اتنی بے خودی سچ کہہ مجھے
تب کہا چکیے نے رو کر زار زار
کیا کروں میرا نہیں کچھ اختیار

---

۱ ۔ شوق نے تخلص نہیں لکھا ہے ۔ مؤلفِ سیرالمتاخرین کا والد بریلی میں غازی‌الدین خاں فیروز جنگ کی طرف سے ۱۱۶۰ھ کے لگ بھگ ناظم رہا تھا ۔ علی ابراہیم خاں مؤلف گلزار ابراہیم نے ضمیر تخلص کے تحت ذکر کیا ہے ۔ (دیکھیے گلشن ہند مع گلذار ابراہیم ص ۱۷۰) ۔ ادارہ

رشتهٔ در گردنم افگنده دوست
می برد هر جا که خاطر خواه اوست

میں کہا چکیے سے مت کر سینہ چاک
اس قدر کس واسطے ہے درد ناک

ہاتھ سے دہر کے سرگرداں ہے تو
بے طرح پھرنے ہے تجھ کو تو بہ کو

چھوڑتا ہے ہاتھ سے جلد اور شتاب
تب کہا چکیے نے کہا کر پیچ و تاب

رشتهٔ در گردنم افگنده دوست
می برد هر جا که خاطر خواه اوست

(۵۴) درد

کرم‌الله خان درد ، همشیر زاده نواب امیر خان که احوالش گذشت ، جوانے بود سپاهی پیشه ، بسیار خوش فکر و صواب اندیشه ، صاحب حوصله و نیک آئین ، متلاشی مضامین نو و رنگین ، سخن او خالی از درد نیست ، ازوست :

اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جاوے
تو پوجوں اس عقیدے سے کہ کفر اسلام ہوجاوے (۳۲ ب)
تری ترچھی نگاہوں نے کیا ہے نیم بسمل کر
اگر بھر کر نظر دیکھے تو میرا کام ہو جاوے
مرے سینے میں ہر اک سانس ہو کر پھانس کھٹکے ہے
خلش دل کی نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاوے

سامنے ہوتے ہی پھر نعش نہ پائی دل کی
بٹ گیا نوک سناں پر صف مژگاں کے بیچ

---

(۵۵) فغاں

اشرف علی خاں فغاں[1] کوکۂ بادشاہ احمد شاہ ۔ داخل ذیل نیمچۂ امرایان است و از شاگردان قزلباش خان مرحوم است ۔ بسیار جوان خوش رو و خوش‌گفتگو ، اکنون به طرف صوبہ بہار عرف پٹنہ شنیدہ می شود ، ازوست :

ساقی[2] نہ میں یاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کو لاچار بھر آیا
آوارہ ، پریشان و شکستہ دل و بدنام
سنتے تھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا

اگر عاشق کوئی پیدا نہ ہوتا
تو معشوقوں کا یہ چرچا نہ ہوتا
گریباں چاک کر روتے کہاں ہم
اگر یہ دامن صحرا نہ ہوتا

رقیب دیکھ مرا حال زار روتا ہے
یہ آہ مثل ہے کہ کہتے ہیں سنگ آب ہوا

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں (۳۳ الف)
خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا

---

۱ ۔ مؤلف گلشن ہند نے علی قلی ندیم مخلص کا شاگرد لکھا ہے ۔ وفات ۱۱۸۶ھ (دیکھیے گلشن ہند مع گلزار ابراہیم صفحہ ۱۸۳) ادارہ

۲ ۔ ''سے واسطے ساقی نہ میں یاں چشم تر آیا'' [مخزن نکات صفحہ ۳۲]۔ (ادارہ)

اس کے وصال و هجر میں یوں هی گذر گئی
دیکھا تو هنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

شکوہ[1] کرے هے گر تو مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوهو سے بھر گئی

ایں شعر را مرزا رفیع السودا در غزل خود بہ طریق قصعہ تضمیں نمودہ و چہ خوب تشنہ[2] (لذا) کردہ ۔

هم تو مرتے هیں تڑپتے پڑے زنداں کے بیچ
مفت لٹتی هے بهار آہ گلستاں کے بیچ
مسکرانا ترا کیا کم هے میاں تیغ نہ کھینچ
کیا مرا جی نہ نکل جاوے گا اس آن کے بیچ
یاد کر گوشۂ داماں کو اس عالم کے
سخت الجھا هے مرا هاتھ گریباں کے بیچ

رها نہ قیس جهاں میں نہ ناقۂ لیلیٰ
کسی کے دل کی صدا رہ گئی جرس کے بیچ

خریداروں کو هنستا هے مرا دل
جو تم لیوو تو سستا هے مرا دل
میں دیوانہ هوں اس کی رستمی کا
صف مژگاں میں دهنستا هے مرا دل

---

۱ ۔ 'شکوہ تو کیوں کرے هے مرے اشک سرخ کا' [مخزن نکات صفحہ ۴۳] ۔ (ادارہ)
۲ ۔ ''تضمین'' ؟ (ادارہ)

مجھ کو کہتا تھا نہ پھنسیو پھنس گیا تو اے ندیم
اے مرے استاد اب وہ تیری استادی کہاں ؟

مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پر آب ہو (۳۳ ب)
اے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو

خدا جانے فغاں کس پیچ میں الجھا ہے دل میرا
وہ چہرا لٹ پٹا رہ رہ کے مجھ کو یاد آتا ہے

تیرے کوچے میں فرشتے کے بھی پر جلتے ہیں
ایک ہم تھے جو کبھی آتے تھے ڈرتے ڈرتے

شمشیر کوئی تیز سی لانا مرے قاتل
ایسی نہ لگانا جو مرا کام نہ ہووے

قدم پر ہاتھ جب رکھتا ہوں تو کہتا ہے جھنجھلا کر
یہ گستاخی مجھے بھاتی نہیں ، اے بے ادب کیا ہے؟

خاک میں کیوں دفن کرتے ہو فغاں کی لاش کو
اے مرے قاتل یہ عاصی لائقِ تشہیر ہے

---

(۵۹) یقین

انعام‌الله خان یقین پسر اظہرالدین خان سرهندی که در وقت محمد شاه بادشاه داخل ذیل امرا بود، از اولاد شیخ احمد مجدد الف ثانی نورالله مرقده ـ جوانے بود خوش رو و خوش‌گو و خوش خلق و قابل و منظور نظر و تربیت کردهٔ میرزا مظهر موصوف بوده ـ در عین

عنفوان جوانی پدرش را سبب تقصیرے کہ از یقین بہ وقوع آمدہ باشد ، کشت ۔ یقین است کہ مغفرتش شدہ باشد ۔ بعضے شعرا گمان بردہ اند کہ یقین شعر گفتن نمی دانست ، (۴۴ الف) میرزا مظہر او را شعر گفتہ می داد ، محض خطاست ۔ فاما در اشعارش اکثر اصلاح استاد بیشتر است ، چیزے مضائقہ ندارد ۔ مشق سخن او بہ پایۂ استادی رسیدہ بود ۔ فاما اجلش مہلت نہ داد ، ہر قدر کہ دیوانش مرتب است ہمہ انتخاب و از درد خالی نیست ، از سخنانِ یقینیؔ اوست :

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامے کا بند
برگ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا

اگرچہ در شعر ابتذال جائز داشتہ اند فاما این بیت لفظاً لفظاً ترجمۂ شعر انند رام مخلص است کہ می گوید :

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما

خدا داند کہ در واقعہ از کیست ۔

اگر ہرگز نہ میں اس شوخ کے خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا
زباں فولاد کی ہو تب جواب کوہ کن دیوے
ستم ہوتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا
نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصرِ شیریں میں
جو میں ہوتا تو جائے شیر جوئے خوں رواں کرتا (۴۴ ب)

نا چار لے دل اپنا گیا گور میں یقیں
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں نہ تھا

رو اگر دیجیے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئینے سے بھی گیا کیا دل حیراں میرا

تنگ دل کو کب بھلی لگتی ہے بستاں کی ہوا
باغ سے یوسف کو رنگیں تر ہے زنداں کی ہوا
لذتیں ساری گرفتاری کی جاتی ہیں بباد
جب قفس میں یاد آئے ہے گلستاں کی ہوا
لئیں اتر سکتی کسی افسوں سے کالے کی لہر
کیونکہ نکلے سر سے اس زلف پریشاں کی ہوا

کیا مری مژگانِ تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح امڈے ہیں یہ برسیں گے زور
خال گورے مکھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

تری آنکھوں کی کیفیت کو میخانے سے کیا نسبت
نگہ کی گردشوں کو دورِ پیمانے سے کیا نسبت
ارے دل، دلبروں سے مت توقع رکھ ترحم کی
لہو پیتے ہیں جو شخص ان کو غم کھانے سے کیا نسبت
یہ وہ موتی ہیں جن کی سیپیاں آنکھیں ہیں عاشق کی
مرے آنسو کو مروارید کے دانے سے کیا نسبت

خار سے مژگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح (۵۳ الف)
ورنہ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کفِ پا بے طرح
بولنے تیرے سے جی اٹھتے ہیں جن میں دم نہیں
پھر مروج ہو چلا دینِ مسیحا بے طرح

بلبلیں بن ٹھن چلی جاتی ہیں باغاں کی طرف
کچھ تو اُڑتی سی سنی ہے گل کے آنے کی خبر

دن جنوں کے آن پہنچے ہوشیاراں الوداع
فصلِ گل نزدیک آئی اے گریباں الوداع
ہم سے تک آباد ویرانہ تھا سو ہم بھی چلے
اب خدا حافظ تمھارا اے غزالاں الوداع

دلبروں کے نقش پا میں ہے صدف کا سا اثر
جو مرا آنسو گرا اس میں سو گوہر ہوگیا
آنکھ سے نکلے کا[1] آنسو کا خدا حافظ یقیں
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہوگیا

مرے ان آنسوؤں نے کھو دیا نورِ بصر میرا
یہ یوسف بیچ کر اس کارواں کے ہاتھ کیا آیا
یہ بوڑھا آپ مر جاتا جو جیتا ان کے کام آتا
یقیں کو مار کر اس نوجواں کے ہاتھ کیا آیا

---

۱ - "پہ" [تذکرۂ ریختہ گویاں] - (ادارہ)

لوگ بعضے سرو کی ہوتی ہے خم[1] اس سے جو بوجھ
عالم بالا سے آتا ہے چلا گویا ادب
دشت اٹھتا ہے تواضع کو نہیں یہ گردباد
دیکھ دیوانے کو کرتا ہے یقیں صحرا ادب

عاشق اور معشوق عالم کے سند کرتے ہیں سب
تجھ سے خوں خواری کی طرز اور مجھ سے غم کھانے کی طرح (۳۵ب)

چاہتا تھا میں کہ سارا غم ہو میرے ہی نصیب
ہائے غم نے بھی نہ دی اس خاطرِ محزوں کی داد
کون ریجھے قامت رعنا پہ تیرے جز یقیں
غیرِ شاعر کون دے اس مصرعِ موزوں کی داد

مو نکالے پر بھی مستی حسن کی اتری نہیں
بھر رہا ہے مے سے معشوق کی یہ مینا ہنوز

آج دیکھی ہے میں اس طرح[2] کی بے داد کہ بس
سر پر آیا مرے اس طرح سے جلاد کہ بس
جی میں آتا ہے تری چھب کو دکھا دیجے اسے
باغ میں اتنا اکڑتا ہے یہ شمشاد کہ بس
نزع میں دیکھ مجھے یار جھجک کر بولا
کیا بری طرح سے مرتا ہے یہ بیمار کہ بس

---

۱ - ''جو ہے خم اس سے بوجھ'' [تذکرۂ ریختہ گویاں] - (ادارہ)
۲ - ''لطف'' [گلشن ہند مع گلذار ابراہیم صفحہ ۲۶۳] - (ادارہ)

مرے جنوں پہ نہ تنہا کرے ہے مجنوں رقص
کرے بگولے کی صورت پکڑ کے ہاموں رقص
یہ شاخ گل متحرک صبا سے نئیں کہ چمن
کرے ہے دیکھ کے تیری قبا سے گلگوں رقص

رشک تیری دل ربائی کا ز بس کھاتی ہے شمع
دیکھ تیرے حسن کے شعلے کہ جل جاتی ہے شمع
عاقبت تن پروری ہوتی ہے گردن کا وبال
کس قدر پہلوے چرب اپنے سے دکھ پاتی ہے شمع (۳۶ الف)

ہم تو اب مرتے ہیں اور بجھتا ہے الفت کا چراغ
دیکھیے پھر کب ہو روشن اس محبت کا چراغ
آگ بھی بجھتی ہے اور سورج بھی ہوتا ہے غروب
رات دن جلتا ہے اک اس داغِ حسرت کا چراغ

خاکساری محو کر ڈالے ہے سب دل کا غبار
دور خاکستر ہی سے ہوتا ہے آئینے کا داغ

رشک سے لاگی ہے پروانے کے تن کو جیسی آگ
لگیو اے فانوس ایسی تیرے پیراہن کو آگ
چل یقیں بہتر نہیں ہے اس سے جل مرنے کی طرح
کیا ہی پھولی ہے پلاس اور لگ رہی ہے بن کو آگ

جفا ان باغبانوں کی یقیں کیا کیا اٹھائی[1] ہیں
وفا سوں[2] چاہیے شاباش بلبل، مرحبا بلبل
زیارت باغ کی کرتی ہے آنسو سے وضو کر کر
جنابِ گل میں رکھتی ہے عجب صدق و صفا بلبل

کیا فرہاد نے جو کچھ محبت اس کو کہتے ہیں
دیا جی بات کے کہنے میں ہمت اس کو کہتے ہیں
یقیں مارا گیا دور محبت میں زہے طالع
شہادت اس کو کہتے ہیں سخاوت اس کو کہتے ہیں

نہ کر شوخی مبادا تاب کھا جاوے کمر تیری
ٹک اس قد کی نزاکت پر نظر اے مو کمر کیجو

(۹۳ب) جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں
کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں
مجنوں کی خوش معاشی کرتی ہے داغ مجھ کو
کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

کعبے بھی ہم گئے، نہ گیا ان بتاں کا عشق
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں

قد ترا از بس کہ رکھتا ہے لٹک جوں شاخِ گل
باد کے صدمے سے جاتا ہے لہک جوں شاخِ گل

---

۱ - ''اٹھاتی ہے'' مجموعۂ نغز جلد ۲ صفحہ ۳۵۹ - (ادارہ)
۲ - ''یوں'' مجموعۂ نغز جلد ۲ صفحہ ۳۵۹ - (ادارہ)

هارست ہمرا ۱ کرے پیارے کہ نازک قد ترا
بوجھ سے پھولوں کے جاتا ہے لچک جوں شاخِ گل

تری انکھوں میں نشے نے اس طرح مارا ہے جوش
ڈالتے ہیں جس طرح بدمست مے خانے میں دھوم

کروں میں کیونکہ قید زلف سے چھٹنے کی تدبیریں
پڑی ہیں میری ہر انگشت پر جوں شانہ زنجیریں
تماشا کر تصور کو کہ ہر ہر اشک میں میرے
تری صورت نظر آتی ہے جوں شیشے میں تصویریں

عمر آخر ہے جنوں کرلو بہاراں پھر کہاں
ہاتھ مت پکڑو مرا یارو گریباں پھر کہاں
یار جب پہرے۳ جواہر، کر چمک اے دل جاں نثار
جل چمک اے پروانے یہ رنگیں چراغاں پھر کہاں

کم نہیں ہم بوجھتے کعبے سے میخانے کے تئیں
سجدہ ہم کرتے ہیں جوں محراب پیمانے کے تئیں
اٹھ گیا کہتے ہیں دیوانہ یقیں عالم سے ہائے (۷۳الف)
ان نے کیا آباد کر رکھا تھا ویرانے کے تئیں

---

۱ - بجائے پہنا کرے (عامیانہ)
۲ - ''بو'' مجموعۂ نغز جلد ۲ صفحہ ۳۰۱ -
۳ - بجائے پہنا کرے (عامیانہ) (ادارہ)

بھول جاتا باغ کی زیب اور گلستاں کی پھبن
دیکھتا گر باغباں زخم نمایاں کی پھبن
صدقے جاتا ہے مرا جی بال بال اوپر ترے
دیکھتا ہوں جب تری زلف پریشاں کی پھبن
ہائے میرا ہاتھ مت پکڑو کہ جیبِ گل کی طرح
چاک ہی کرنے میں ہے میرے گریباں کی پھبن
ہے مسلم سرو کی بھی جامہ زیبی، پر یقیں
کچھ کہی جاتی نہیں اس دور داماں کی پھبن

درد[1] بن ہم کو کچھ اس لاگ سے مقصود نہیں
عشق پھیکا ہے اگر داغ نمک سود نہیں
ہم سے گر سر نہ نوا[2] اہل تکبر کا تو کیا
فخر آدم ہے جو ابلیس کا مسجود نہیں
بت پرستی میں موحد نہ سنا ہوگا کوئی
میرا تجھ بن کوئی واللہ کہ معبود نہیں

نہ گذرا ہوگا مجھ سا کوئی رنگیں باولے پن میں
گریباں آ پڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں
اگر رستم ہو عاشق دم نہ مارے یار کے آگے
کہ اس کا جی نکل جاتا ہے اس کی ایک تن کن میں

---

۱ - "زخم" گلشن ہند مع گلزار ابراہیم صفحہ ۲۶۴ - (ادارہ)
۲ - نونا - جھکنا - (فرہنگ آصفیہ)

اگر پاوے گلی تیری تو بلبل گلستاں بھولے
ترا نقش قدم دیکھے تو اپنا آشیاں بھولے
جو کچھ دیکھا ہے اچھی صورتوں میں نقش خاطر ہے (۲۰۳ب)
وہ اٹھکیلی سے ہنسنا ، لاڈ سے رونا کہاں بھولے

تبسم میں جو اس کا منہ کھلا دل بندہ گیا ووہیں
مرا دل لے گیا ہنستے ہی ہنستے یار کیا کہیے
یقیں کے واقعے کی سن خبر وہ بدگماں بولا
یہ دیوانہ کچھ ایسا تو نہ تھا بیار کیا کہیے

شروع عمر سے ہم معتقد ہیں دشت و ہاموں کے
بگولے کی طرح جاروب کش ہیں قبر مجنوں کے
جنھیں ہے ہوش بے ہوشی کے طالب ہیں اگرسمجھو
جھڑے ہے مے پرستی نام سے خُمِ فلاطوں[1] کے

رکھا تھا ایک دم وہ پائے رنگیں میری چھاتی پر
سو اب تک بوئے گل آتی ہے اس چاک گریباں سے

دوانہ ہوں میں جی دینے میں مجنوں کے سلیقے کا
مزا لیلیٰ کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے
درختوں سے نہ دے تشبیہ اس قد کو یقیں ہرگز
وہ اٹھکیلی سے چلنے کی طرح شمشاد کیا جانے

---

۱ ۔ دراصل دیو جانس کلبی کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ ایک خم میں سو جاتا تھا ، یہ غلطی سے افلاطون سے منسوب ہوگئی ہے ۔

نکل بھاگا ہے کوئی صید کیا اس دام سے سچ کہہ
کئی دن ہیں کہ تیری زلف کی خاطر پریشاں ہے

خوش آئی ہے مجھے یہ بات اک مجنون عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ، ہم گذرے گریباں سے
(۳۸ الف) اگر برباد جاوے خاک میری کیا تعجب ہے
فلک جب چرخ میں آ جائے تیرے دورِ داماں سے

شب ہجراں کی وحشت کو تو اے بے درد کیا جانے
جو دن پڑتے ہیں راتوں کو مجھے تیری بلا جانے

مرے آنسو بھی مارے ضعف کے اب چل نہیں سکتے
کیا اے عشق مجھ کو ہائے ایسا ناتواں تو نے
بگولا بھی ہماری خاک سیتی اٹھ نہیں سکتا
ہمیں یوں کر دیا پامال اے سروِ رواں تو نے

سکوت اہلِ سخن کا بھی نہیں خالی افادے سے
قلم کی طرح خاموشی میں یہ رکھتے ہیں گویائی

مقابلے میں وفا کے جو یہ جفا ہووے
کہو کسی سے کوئی کیوں کہ آشنا ہووے

اگر[1] به خیر نہیں یاد کر مجھے سکتا
کبھی برا تو کہا کر ترا بھلا ہووے

موا جاتا ہوں مت اتنا بھی کس کر گوندھ بالوں کو
ٹک اک ڈھیلی تو کر دے جان زنجیر اس دو نے کی
یہ لذت جن نے اپنے یار سے پائی ہو سو جانے
نشے میں گالیاں کھانے کی اور پیالا پلانے کی
جھکتا ہے اس آب و تاب سے مستی میں پاوں اس کا
ڈھلک جس طرح ہوتی ہے یقیں موتی کے دانے کی

ملے جس کو پیمبر سا رقیب اس کا خدا حافظ
زلیخا قید اگر کرتی نہ یوسف کو تو کیا کرتی (۳۸ ب)

ستم ہے قید کرنا اس طرح سے[2] مرغِ ناداں کو
کہ جو مارے بھلائی کے قفس کو آشیاں سمجھے
یقیں کی گفتگو کے لطف کو باللہ کب کوئی
بغیر از حضرتِ استاد مرزا جانِ جاں سمجھے

---

۱ ۔ متن طبقات الشعرا میں شعر کی شکل بگڑ دی گئی ہے ۔ گلشن ھند میں اس طرح ہے :

اگر بہ خیر ہمیں یاد کر نہیں سکتا
کبھو بُرا ہی ہمیں کہہ ترا بھلا ہووے

۲ ۔ "کے" گلشن ھند مع گلزار ابراھیم صفحہ ۲۶۹ (ادارہ)

حق مجھے باطل آشنا نہ کرے
میں بتاں سے پھروں خدا نہ کرے
دوستی بد بلا ہے ، اس میں خدا
کسی دشمن کو مبتلا نہ کرے
ناصحا یہ بھی کچھ نصیحت ہے
کہ یقیں یار سے وفا نہ کرے

حسن اور عشق میں اک طور سے نسبت ہے ضرور
چشم بیمار تجھے دی ہے ، دل زار مجھے

کرتے ہیں اپنے بال دکھا آشنا مجھے
اس پیچ سے بتاں کے نکالے خدا مجھے

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں
مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بے خوابی کے ساتھ
جمع آسائش کہاں ہوتی ہے بےتابی کے ساتھ
مفت نئیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

زنجیر میں پاؤں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے ، دیوانے کو کیا کہیے

مصرع آخروا مرزا رفیع السودا وغیرہ شعرا در مخمس تضمین نمودہ و خوب آشنہ[1] ساختہ است :

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
برا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی ہے

ایک پل بھی ٹھہرتا نہیں آہ آنسو کی طرح
اس دل بے تاب کو کوئی تسلی کیا کرے
وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہے یقیں
دیکھیے ہ ساتھ خوباں کی جدائی کیا کرے

اس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
جی میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمیں کیجیے

ٹک اک انصاف کر، کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

نگہ[2] چبھتی ہے دکنی بھوں تھرکنے میں کرامت ہے
وگرنہ تیر لگتا ہے پریشاں گر کہاں لرزے

---

۱ - یہ محاورہ تشنہ ساختن پہلے بھی استعمال ہوا ہے ، غالباً تضمین کے مصرع کے لیے اصطلاح ہے -
۲ - مجموعۂ نغز صفحہ ۳۶۶ ، جلد ۲ میں مصرع اس طرح ہے :
"نگہ چبھتی ہے دل میں تیرے ابرو کے پھڑکنے سے"

(۵۶) حزیں

محمد علی حزیں تخلص، شاعر ریختہ گو، شاگرد مرزا مظہر موصوف ، از ایام طفلی زیر سایۂ عاطفت او پرورش و تربیت یافتہ ، مدتے شد کہ بہ سمت بنگالہ رفتہ بود ، خدا داند کہ زندہ است یا وفات یافت ۔ ایں چند ابیات انتخاب دیوان او و دال بر محزونئی (۹۳ ب)طبع اوست :

وہ کہ ہے ملک مسلم آسے یکتائی کا
خوب لیتا ہے مزا عالم تنہائی کا

ہم کمر یار کی سنتے ہی رہے ہیں لیکن
ہرگز اس بات کا ہوتا نہیں ہم پر اثبات

غم نے لیا ہے گھیر مجھ یاں تلک کہ اب
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
ٹک جی سے اپنی جان رضا دے تو مرچکیں
اس زندگی کی اب نہیں لاتے ہیں تاب دل

رحم آتا ہے ہمیں اس مشت خاک اپنی پہ ہائے
خوبرویوں کی ہوا میں یوں گئے برباد ہم
زندگانی تلخ ہو جاتی ہے ہم پر کیا کریں
حسرتوں کو اپنی جب کرتے ہیں جی میں یاد ہم
کیوں نہ ہووے شاد ہم سے حضرت مجنوں کی روح
عشق کے صحرا کو رکھتے ہیں حزیں آباد ہم

بے طرح کرتا ہے دست اندازیاں زلفوں سے یہ
اس قدر کیوں سر چڑھایا ہے سجن شانے کے تئیں[1]

نام لے اوروں کا اس سے حال دل کا جا کہو
اس طرح شاید سنے وہ میرے افسانے کے تئیں

حساب ہم سے وفا کا ہمیشہ لیتے ہو
اور اپنے جور و تعدی پہ کچھ شمار نہیں

کیا اُس کے جی میں آکے حیا کر گئی خلل
آیا تھا ورنہ قتل کو میرے دلیر ہو

کچھ کٹی[2] ہجر میں کچھ وصل میں گریاں گذری (۴۰ الف)
کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گزری

لیتے ہیں کیا مزہ ہم، وعدوں سے جھوٹے اس کے
کیوں کر نہ ہوں دوانے پیماں شکن کے اپنے

۱۔ یہ شعر مصرع دوم بہ اندک تغیر، سعادت کا ہے:
بے محابا زلف کے کوچے میں جاتا ہے چلا
سر چڑھایا ہے بہت تم نے میاں شانے کے تئیں
(ملاحظہ ہو، دلی کالج اردو میگزین، میر نمبر)

۲۔ اس شعر "کٹی" اور "گزری" کو یائے مجہول سے پڑھا جائے تو موجودہ زمانے کے مطابق ہو جاتا ہے۔ شیرانی مرحوم نے یائے معروف سے پڑھا ہے۔ (ادارہ)

اس سے بے وفا کے عشق میں کچھ مجھ کو جس نہیں
پاؤں تلک بھی ہائے مجھے دست رس نہیں
کیا کیا گزرتا ہوگا دلوں میں قفس کے بیچ
ان بلبلوں کا ہائے کوئی داد رس نہیں

---

(۵۷) نوازش

سید نوازش خان خلف رشید مرتضیٰ خان ایلچیٔ ایران که برادر نواب معتمد خان بود ، ازوست :

آہ گر باغ سے وہ سرو خراماں گزرے
اشک قمری کا گلستاں منی طوفاں گزرے

---

(۵۸) حشمت

محمد علی حشمت شاگرد غنی بیگ کشمیری که قبول تخلص می کرد ۔ استاد عبدالحیٰ تاباں است ۔ همراه قطب الدین خان نبیرهٔ نواب عظمت الله خان مرادآبادی در جنگ افاغنه کشته شد ، خداش بیامرزد ، یک فرد ازو یادگارے هست ۔

خط نے ترا حسن سب اڑایا
یہ سبز قدم کہاں سے آیا

---

(۵۹) مسکین

مسکین ساکن دهلی ، مردے بود صاحب درد ، مسکین وضع ، محبت اولاد نبی و آل علی در دل خود بدرجهٔ کمال داشت ۔ تمام عمر خود در (۰۳ب) تصنیف مرثیهٔ امام حسن و امام حسین شهیدان دشت کربلا ، جگر گوشهٔ مصطفیٰ ، نور چشم علی مرتضیٰ ، مردمک

دیدهٔ فاطمه زهرا رضی‌اللہ عنہا ، صرف نمود و بہ وقت مرگ خود یک صندوقچہ پر از مسودات مرثیہ بجاے ترکہ گذاشت و بہ ورثۂ خود وصیت نمود کہ ہر سال یک پرچہ کاغذ جدید ازیں‌ہا برآوردہ در ایام عاشورہ رواج دہند۔ چناں‌چہ اکثر مرثیہ ہائے او در ایام محرم‌الحرام ، خواص و عوام با لحن خوش و صوت حسن در ماتم اماسین ہامین سعدین شہیدین ابی محمد الحسن و ابی عبداللہ الحسین می خوانند و خاک مذلت در دیدۂ اعدا می اندازند ، چند بیت از مرثیہ اش کہ بہم رسیدہ تحریر می آید ، ازوست :

نبوت کے چمن میں اے صبا گل ہے گل افشانی
بہار نوجوانی سے زمیں لے کے ز مستانی
گل[۲] اس گلشن میں سر جھا کر گریں گے پھوٹ بن پانی
بہ‌شاخ زعفراں بیٹھیں گے آ خار بیابانی

جب وداع ہونے لاگی دسویں رات
شہ نے بعد از نوافل و رکعات
تسبیح اوپر پھرایا جلدی ہات
کہا کاے دست و دل گر و طاعات
ہر دم از عمر می رود نفسے (وم الف)
چوں نگہ می کنم نماند بسے
جاگتے جاگتے وہ ساری رین
کی پرستش خدا کی با سر و عین

---

۱ - ''کی''؟ (ادارہ)
۲ - '' گل'' ؟ (ادارہ)

کہاآنکھوں نےٹک توسولے حسین
کہا کیا سوؤں اب گزر گئی رات
خواب نوشین و بامداد رحیل
باز دارد پیادہ را ز سبیل
اتنے میں چمکا صبح کا تارا
شامیوں نے بجایا نقارا
شہ نے منگوا کے ذوالجناح پیارا
پھیر ہات اس پہ تب کہی یہ بات
خجل آن کس کہ رفت و کار نساخت
کوس رحلت زدند و بار نساخت

دیگر :

قضا نے کربلا میں جب نظر ثانی مقرر کی
کہ ٹک دیکھوں جلالت و شباہت ابن حیدر کی
پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں قلم شمشیر و خنجر کی
کہا منظور ہے سب فوج یہ سبط پیمبر کی

تا آخر دریں مرثیہ صناعات بکار بردہ ، ہرکہ دیدہ باشد فہمیدہ باشد ۔ و دیگر مرثیہ ها بسیار دارد تا کجا بہ تحریر آرد ، مشتے نمونہ خروارے ، و از معاصرین او دیگر مرثیہ گو مثل گدا و سکندر وغیرہ بسیارند ۔ چوں در شاعری مرثیہ غلطی الفاظ بسیار یافتم لہذا دریں مختصر درج نہ نمودم ۔ (۱۴ب)

(۶۰) رشید

سید عبدالرشید متوطن قصبہ مارہرہ ، جوانے بود جامع کمالات انسانی ، صاحب ذہن دقت آفرین سرآمد روزگار ، در فرقۂ علما چنیں

شخص در عرصۂ وجود نیامده و ندیده بلکه گوش کسے نشنیده ۔ مجمع هنر و اخلاق و در استقامت عقل و ذرافت طبع یکتا و طاق ۔ میل خاطرش به طرف لطیفه گوئی بسیار مائل و لطیفه اش برالسنۂ عوام و خواص متداول ۔ از دست طلبا معاصرین خود به سبب طغیانیِ آتش رشک وحسد شربت شهادت چشید ۔ تحریر اوصافش خارج از دائرۂ بشری است ، گاهے مزاحش به طرف ریختہ نیز توجه می فرمود ، این چند ابیات[1] دال بر ذهن رسا و فهم عجای اوست ۔

نقش پا اس کا زمیں پر جب سے دیکھا ہے رشید
ورد ہے دل کا مرے یا لیتنی کنت تراب

(۹۱) تاباں

عبدالحئی تاباں ساکن شاه جهان آباد ، جوانے بود وجیه شکیل، در حسن و خوبی بے تمثیل ۔ همانا حورے بود در لباس انسانی یا فرشتهٔ از عالمِ نورانی ، خنده رو ، کشاده پیشانی که چشم بیننده را ازو مانند آئینه (۲۴الف) سراسر حیرانی و پریشانی رو می داد ۔ وشنونده به کمال استبلائے آتشِ شوق دیدار متاعِ خرد و هوش که راس المال خزانۂ بشریت است ، تاراج و برباد می ساخت ۔ بسیار خوش تلاش و خوش فکر ، عالی همت ، صاحب نصیبه ، خوش سلیقه خوش اباس و خوش پوشاک ، جامه زیب ، دل فریب بود ۔ هرکه برو یک نظر می کشود ، مانند گل چاک جیب می نمود ۔ تا حال در فرقۂ شعرا هم چو او شاعر خوش ظاهر ، محبوبِ خوش اسلوب ، در لطافت و خوبی و حسن و نزاکت و خوش‌اسلوبی از کتمِ عدم پائے به معمورۂ وجود ننهاده ۔ می گویند که در عین

---

۱ ۔ چند ابیات لکھا ہے مگر انتخاب میں ایک ہی شعر دیا ہے ۔ (اداره)

ابتدائے جوانی کہ انتہائے کمال نادانی است ، این قدر مداومت با شراب نمود کہ شب و روز مست و بے خبر می ماند ، ہر کہ برائے ملاقات می رفت مست طافح یافتہ بر می گشت ۔ چون چند روز از حیاتِ فانیِ او باقی ماندہ دفعۃً توبہ کرد ، آخر بیماری شدید کشید ، در اندک فرصت آفتاب تابان او در افق ظلمتِ مرگ در رسید و عالم را از اخفائے مہر درخشان و چہرۂ تابان خود تاریک گردانید، افسوس افسوس (۴۳ ب) محبوب عجیبے از دست روزگار رفت ۔ حق تعالیٰ مغفرتش کند ۔ این چند اشعار گہربار و درِ مکنون کہ ازان لبِ بے گون صادر شدہ ، نوشتہ می شود ، ازوست :

میں اپنے دل کو غنچۂ تصویر کی طرح
یا رب کبھی خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا
ہر دم کروں نہ کیوں کہ گریباں کو اپنے چاک
آتا ہے یاد یار کا جامہ چسا ہوا
تاباں کے دیکھنے سے برا مانتے تھے تم
کہو دی بہار خط نے تمھاری بھلا ہوا

اخگر کو چھپا راکھ میں میں دیکھ کے سمجھا
تاباں تو تہہ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

زباں ہی قاصد تو اس سے یہ کہیو
کہ خط آ گیا ہم کو خط بھی نہ بھیجا
کہتا ہے جس وقت تو اپنا گھوڑا
دھڑکتا ہے گاوِ زمیں کا کلیجا

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر
بیمار عیادت کرے بیمار کی کیوں کر

جفا تو چاہیے اے شوخ مجھ پہ یاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے ، رحمت تری وفا کے تئیں

جوں برگِ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک[۱] پڑے
کیا ہو کہ برگِ ناک سے یوں مے ٹپک پڑے
محفل کے بیچ سن کے مرے سوزِ دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جوں شمع ، زباں میری
یاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

تو بال کھول نہایا تھا ایک دن ، اب تک
ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

مکھڑا تو اس کا خط کی سیاہی میں چھپ گیا
آیا گہن میں آہ مرا ماہ کیا کروں
"یوسف" سا شخص تو نہ ہوا اپنے باپ کا
تاباں میں یہ سمجھ کے نہیں چاہ کیا کروں

---

۱ - فی الاصل : ٹپک

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو
ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم
وہ ایک دم میں ترے رو بہ رو ہوا سو ہوا

یاں پلک بھی نہ ہم سکیں جھپکا
ایسا قاصد تو آئیو لپکا
آرزو ہی رہی پہ دانۂ تاک
قطرۂ مے کبھی نہ ہو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ہنوز
رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

قاصد[1] پھرا نہ لے کر واں سے جواب نامہ
یاں لکھ چکے بھی یارو میرا جواب نامہ

(۴۳ب) تو مے پی اس قدر ظالم کہ تجھ کو کیف کم ہووے
ترا بے ہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بتاں کے شہر ناپرساں میں کب کوئی داد کو پہنچے
مگر ہاں[2] اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

---

۱ - "میرا جواب نامہ یا لکھ چکے ہر اب تک" مخزن نکات صفحہ ۵۴ ، تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۳۳ - (ادارہ)

۲ - تذکرۂ میر حسن صفحہ ۲۴ - (ادارہ)

قیامت مجھ پہ کل کی رات اس کے ہجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی ، وہ رات پھر آئی
اگرچہ سرو کو تشبیہ تیرے قد سو ہے لیکن
تری سی آن نے چھب تقطیع و رعنائی کہاں پائی

رباعی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاق ساقی
بے خود ہو ، پکارتا ہوں ، ساقی ساقی
ہے مجھ کو خمار شب کا ، لا صبح ہوئی
شیشے میں جو کچھ کہ مے ہے باقی ساقی

(۹۲) خاکسار

محمد یار خاکسار عرف کلو متوطن دھلی قدیم ، خادم درگاہ نبی کریم ، طبع سلیم و ذہن مستقیم دارد و نسبت خادمیت از تخلص پیدا و خاکساری از مذاق سخنش ہویدا ۔ مصنف ''تذکرۂ ہندی'' است ، ایں چند ابیات دال بر خاکساریٔ اوست :

دل شیفتہ ہو کے کیا لیا تیں
اے خانہ خراب کیا کیا تیں[1]

تیری زلف سیہ سے اے پیارے
مجھ کو یک سر ہزار سودا ہے

---

۱ ۔ یہ تیں ، تو نے کا مخفف ہے ۔ (عامیانہ)

خاکسار اس کی تو آنکھوں کے کبھی مت لگیو
مجھ کو ان خانہ خرابوں نے ہی بیمار کیا

(۴۴الف) تیغ قاتل سے ہوئے[1] محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کے اٹھیں گے گور سے دل‌گیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر
یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں
آہ جوں شمع ہے راحت مری مر جانے میں[2]
خاکسار عاشق مے خوار کو تقوے سے کیا
ابھی دیکھا ہے میں اس رند کو مے خانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چپکا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے
یہ ترا خاکسار جانے ہے

---

۱ - "رہے" تذکرۂ میر حسن صفحہ ۶۲ - (ادارہ)
۲ - "مجھے جل جانے میں" تذکرۂ میر حسن صفحہ ۶۲ - (ادارہ)

شانہ آہستہ کیجیو حجام
تار اس زلف کا رگ جاں ہے

(۹۴) درد مند

محمد فقیہ درد مند شاگرد مرزا مظہر موصوف است ، اشعارش بدست نیامدہ مگر چند بیت ساقی نامۂ[1] اوکہ بر السنۂ خواص و عوام مذکور است نوشتہ می شود ، ازوست :

ساقی نامہ

الٰہی ترا حمد مقدور نئیں
اگرچہ سخن کا یہ دستور نئیں

بجا ہے جو تیرا ثنا گر نہیں
یہ منہ ان شرابوں کا ساغر نہیں

کہ جوں شمع ہوں سخت عاجز بیاں
جلانے کے قابل ہے میری زباں

مرا نعت میں بھی یہی حال ہے
یہی عجز اس عجز پر دال ہے

مناجات میری یہی ہے تمام
کہ ساقیٔ کوثر کا دے مجھ کو جام

زہے پیر و مرشد ، زہے پیشوا
کوئی کیا کرے اس کی مدح و ثنا

۱ ۔ متن میں ساقی نامے کا انتخاب ہے مگر کسی نے حاشیے پر پورا ساقی نامہ نقل کر دیا ہے ۔ اسے یہاں ہم نے شامل متن کردیا ہے اور جن اشعار کا انتخاب ہوا تھا ان پر نشان × لگا دیا ہے ۔ یہ ساقی نامہ اسی تذکرے سے نقل ہوکر پہلی بار رسالہ اردو میں چھپا تھا اور کسی جگہ اس کا مکمل متن نہیں ملتا ۔

لپٹ مدح کا قافیہ تنگ ہے
کہ اس فخر سے اس کے تئیں ننگ ہے

خدیوِ سخن میرزا جانِ جاں
کہ حکم اس کا ہے ناطقہ پر رواں

ہے اس کا لقب ذوالجلالِ سخن
کہ بندے ہیں اس کے سب اربابِ فن

سب اہل کمال اس سے ہیں مستفید
کہ ہیں علم و عقل اس کے دونوں مرید

کہاں تھا مجھے ریختے کا خیال
ہوا واجب اک امر کا امتثال

محبت نے مجھ کو کیا لاجواب
وگرنہ میں اور ریختہ کیا حساب

× کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل
کہ جس کا یداللہ ہے بالبھہ بل

× کوئی آج اس کے برابر نہیں
وہ سب کچھ ہے الا پیمبر نہیں

میں پھرتا ہوں گرد اس کے ہر صبح و شام
کہ ہے عشق کا اس کے یہ ۔ ۔ و مقام

تمنا یہ ہے اس کفِ خاک کو
کہ چھوڑے نہ اس دامنِ پاک کو

اسے سب میں یا رب امامت رہے
قیامت تلک وہ سلامت رہے

رہی نئیں مجھے نیک و بد کی تمیز
کہ ہے ایک خاطر قیامت عزیز

کروں آب کوثر سے اول وضو
تب اس نام سیتی کروں گفتگو
سعادت ہے اس نام کا ذکر خیر
عبادات ہیں نا تمام اس بغیر

نبی اور علی اس سے آتے ہیں یاد
دو نعمت ہیں یک نام سے مستفاد
محمد علی خاں سعادت کا جان
کہ کرتے ہیں فخر اس پہ دونوں جہان

امامت کا نخل برومند ہے
کہ شاہ ولایت کا فرزند ہے
کہوں اس کی دولت کا کیا اقتدار
کہ کرتے ہیں فخر اس پہ دونوں جہان (کذا)

کہوں میں سواری کا اس کی نشان
کہ چلتا ہے لے سورج اس کا نشان
یہی اس کی رفعت پہ بس ہے گواہ
کہ ہے نقش پا اس کے هالے کا ماہ

عطا میں ہے هاتھ اس کا سب سے بلند
کہ جوں دل کے دینے میں یہ دردمند
کہوں اس کی جرأت کا کیا کاروبار
حسوں کے برات میں . . . والفقار (کذا)

کروں سجدۂ شکر قدرت کے تئیں
نہ بوجھوں معانی و صورت کے تئیں
پڑی اس کی خوبی کی ازبس کہ دھوم
لیا هاتھ صانع کا قدرت نے چوم

کروں اس کے اخلاق کا کیا بیاں
مجھے شکر سے اس کے فرصت کہاں
غرض منکراں پر یہی ہے یقیں
کہ جدّ اس کا ہے سیدالمرسلیں
کیا چاہیے سب کچھ اس پر قیاس
کہ حیرت سے میرے رہے نئیں حواس
مناسب نہیں اب بغیر از سکوت
کہ ہے وہ تصور مرے دل کا قوت

خطاب با ساقی

الٰہی بہ حق دل درد مند
اسے تو دو عالم میں رکھ سر بلند
× ارے ساقی اے جان فصل بہار
یہی تھا ہمارا تمھارا قرار
× ہمارے بسرنے کی یہ فصل ہے
فراموش کرنے کی یہ فصل ہے
ستم سے گذر کچھ تو انصاف کر
خدا سیتی ڈر کچھ تو انصاف کر
تامل سے ٹک دیکھ گل کا شکوہ
کہ لبریز ہے باغ تا دشت و کوہ
اس آتش سے میرا نہ کر دل کباب
نہ کر میری طاقت کے زہرے کو آب

---

۱ - ”اور تیرا“ تذکرۂ میر حسن صفحہ ۹۴ - (ادارہ)

کہ میں جاں بہ لب ہوں پیالے کی طرح
لگی ہے مجھے آگ لالے کی طرح

ارے مجھ سے کیا جرم واقع ہوا
کہ دل تیرا مجھ سے دلا بھر گیا (کذا)

نہ تو مجھ کو دیتا ہے جام شراب
نہ فریاد میری کا دے ہے جواب

مرے عیش کا دفتر ابتر نہ کر
قیامت تو مجھ پر مکرر نہ کر

ترے اس تغافل سے ظاہر ہوا
کہ آتا ہے تجھ کو ستم سے مزا

در قسمیہ

تجھے جام صہبا کے سر کی قسم
تجھے اپنی مینا کے سر کی قسم

تجھے جان، گل کے لہو کی قسم
تجھے باغ کے رنگ و بو کی قسم

تجھے جام کی چشم تر کی قسم
تجھے اپنی پنہاں نظر کی قسم

تجھے یار مستی کی اپنی قسم
تجھے خود پرستی کی اپنی قسم

× ادا سے لٹھکنے[۱] کی تجھ کو قسم
نشے میں بھکنے کی تجھ کو قسم

قسم ہے تجھے بے سبب جنگ کی
قسم ہے مرے نام کی ننگ کی

---

۱ - متن : لبھکنے

ارے بے وفا بے مروت صنم
میں دیتا ہوں تجھ کو قسم پر قسم

تجھے جان ، مستاں کی لغزش کی سوں
صراحی سے مے کی تراوش کی سوں

تجھے اپنے (؟) سانس لینے کی سوں
مجھے سانس میں جان دینے کی سوں

× تجھے وعدہ کر ، بھول جانے کی سوں
تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں

مجھے دختر رز کی حرمت کی سوں
تجھے مغبچوں کی شرافت کی سوں

× شب عید کے تجھ کو چاؤں کی سوں
تجھے اپنے مہندی کے پاؤں کی سوں

جو تو نے کیا ہے کو مجھ پرحرام
تو اتنا کر اے ظالموں کے امام

کہ اس سرکشی سے نہ کر پائمال
مرے خوں کو کر اپنے اوپر حلال

ارے ساقی اے سر پناہ دماغ
ارے بزم مستوں کے شمع و چراغ

اٹھا خاک سے ہر خماروں کے تئیں
جلا ان تغافل کے ماروں کے تئیں

مجھے اس طرح مت بسر رحم کر
نہ مجھ پہ کر اپنے اوپر رحم کر

مجھے مرنے جینے کی کچھ نئیں تمیز
ترے واسطے زندگی ہے عزیز

تجھے رحم کچھ مجھ پہ آتا نہیں
مگر جیونا میرا بھاتا نہیں
تو اتنا سخن دل ستی ماں رکھ
کہ میں سخت مخلص ہوں یہ جان رکھ
برا مت ہو، جو کچھ بھلا میں کہوں
کہ آخر ترے خیر خواہوں میں ہوں

در فخریہ

× تری جان کی سوں عیمت ہوں میں
سلیقوں میں عالم قیامت ہوں میں
مری وضع و اطوار پر کر نظر
مری طرز گفتار پر کر نظر
اگر عشق میں دوں تحمل کو عرض
لیوے توہ کن مجھ سے ہمت کو قرض
× مرا عقل میں کون انباز ہے
ارسطو مرا اک دوا ساز ہے
× فلک چرخ مارے گا گر صد ہزار
نہ لاوے گا مجھ سا کوئی رویکار
نہ یہ مے نہ یہ باغ رہ جائے گا[۱]
نہ ملنے کا اک داغ رہ جائے گا
نہ توڑ آئینہ اپنے دیدار کا
زیاں خوب لئیں اپنی سرکار کا

---

۱ - یہ شعر حاشیے پر نہیں ہے -

یہ سب مے کدے میں جو آتے ہیں یار
مجھے دیکھ ہوتے ہیں تیرے شکار

اگرچہ تجھے مجھ سے الفت نہیں
ولیکن کوئی ایسی حسرت نہیں

جو مجھ سا جدا ہووے، تجھ ساتھ سے
یہ شہباز جاتا رہے ہاتھ سے

کوئی تجھ سا خوباں میں فائق نہیں
تری شان کے ظلم لائق نہیں

مت اس طرح پیارے کسو کو بسر
مبادا کوئی ناتواں جائے مر

نہ اپنی سفارش یہ کرتا ہوں میں
تری خیر خواہی میں مرتا ہوں میں

جو منظور تیری بھلائی نہ ہو
نظر میں تری آشنائی نہ ہو

تو مرنے کی کچھ مجھ کو پروا نہیں
کچھ اس جیونے کی تمنا نہیں

جو کچھ تھا سو ہمت مری سہ گئی
ولے جی میں یہ آرزو رہ گئی

مری بات تو نے نہ مانی کبھو
مری قدر تو نے نہ جانی کبھو

اسی غم کو جاؤں گا لے گور میں
کہوں گا یہی حشر کے شور میں

محبت نے مجھ کو کیا ہے ادب
محبت ہے ان شوخیوں کا سبب

وگرنہ کہاں مجھ کو یہ تاب ہے
کب اس حرف کا یہ دھن باب ہے
نہیں جالیو گر نہ ہو ایک آن
تری مہربانی کا ہم کو گمان
تو صورت نہ پکڑے ہماری حیات
نکل جائے جی نا امیدی کے سات
محبت کا خوب[1] ہم نے جانا ہے بھید
سبب زندگی کا نہیں جز امید
نہ کھینچا کبھو مہر سے تو نے ہاتھ
ستم سر کیا پائمالی کے ساتھ
تو یہ زندگی گوارا نہیں
اجل جو نہ آوے تو چارا نہیں

(۹۴) عاصمی

خواجہ برہان الدین عاصمی[2] متوطن دھلی شاعر ریختہ و مرثیہ نیز می‌گفت ۔ در شمشیر شناسی مستثنی وقت خود بود ۔ دو شعر او از ایام طفلی کہ چیزے فہمید سخن نبود بہ سمع رسیدہ بود و چند اشعار آں بزرگوار دریں روزگار بہ زبانی سیادت و کمالات پناہ سید معصوم طالب علم مالک پوری کہ در خالۂ شاعر مسطور مدے (۵۴ الف) بہ طریق نوکری ماندہ ، بہ سمع رسیدہ ۔ ازوست :

گزر گئے دین و دنیا سے و لیکن
ترا گھر یاں سے کے منزل رہا ہے

---

۱ ۔ ''خوب'' بر وزن ''ہم'' ۔ (ادارہ)
۲ ۔ مؤلف گلزار ابراہیم نے ''آثمی'' تخلص لکھا اور ماثر حسینی نے عاصمی ماثر نے جواہر شناسی کی تعریف کی ہے ۔ وفات ۱۱۶۶ھ کے لگ بھگ ہوئی ۔ (ادارہ)

چمن کے تخت پر جب تک شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا ، غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ ، یہاں گل تھا

مت کھینچ تیغ میں تو گنہ کچھ کیا نہیں
اپنا ہی دل دیا ہے ترا کچھ لیا نہیں
اوروں کے دلبروں سے کروں کیونکہ زندگی
اب تک پرائی جان ستی کوئی جیا نہیں

رات کو میں شمع کے مانند رو کر رہ گیا
صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

---

(۶۵) شوق

حسن علی[۱] شوق جوانے ست متوطن دہلی سپاہی پیشہ ، شاعر ریختہ‌گو ، شاگرد سراج‌الدین علی خاں آرزو ، الحال در کٹیہرا ہلاس رائے پسر دیوان مان رائے شدہ بود ، چناں چہ لالہ مسطور ہم آمدہ نوکر ہم چند روز شعر خود ازو درست می کرد ۔ بہ سبب عدم قدر دانی برخاستہ رفت ۔ بہ زبانی بعضے اعزا کہ ازو ملاقی شدہ بودند معلوم شد کہ بسیار آدم با مزہ و قابل است ، ازوست :

اے یاس مجھ کو کام اجابت سے کیا رہا (۵۴ب)
وقتے کہ میں دعا ہی سے جب ہاتھ اٹھا چکا

۱۔ دیکھیے مخزن نکات صفحہ ۴۸ ، تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۹۹ ۔ (ادرہ)

اگر قاصد ترے کوچے سے ٹک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جی ہی جاوے گا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں
لبِ زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں
عبورِ بحرِ دنیا میں سبک سیری سے کرتا ہوں
حباب آسا شمارِ دم سے بے کشتی گزرتا ہوں

مدت سے نہ بحث درمیاں ہے
پر علم نہیں کمر کہاں ہے

دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے در گزرا
مری فردائے محشر آج ہے میں کل سے در گزرا
کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ہم جاتے
ہر اک شبنم اک عالم یہاں سے چشم تر گزرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
تربت پہ میری شمع کا ہنسنا[1] بھی کم نہیں
تلوار کس پہ کھینچتے ہو ، ہم تو مر چکے
پیاسے ہو کس کے خون کے ، ہم میں تو دم نہیں

آ چکا خط بھی پہ تیرا نت نیا اک ناز ہے
ہوچکی آخر بہار اور اب تئیں آغاز ہے

---

۱ - "بھی ہنسنا" اصل متن میں تھا۔ تذکرۂ میر حسن میں "ہنسا بھی" - (ادارہ)

بجھے گی آتشِ دل ، ہم نے جانا تھا گھٹا آئی
ہوائے ابر نے دونی ولے یہ آگ بھڑکائی

— — —

(۶۴الف) بہ جز مڑوڑ کے عاشق سے کچھ خیال نہیں
ہم اس کی زلف کو جانا بڑی ہے سودائی

———

کیا کیا ستم نہ تھے جو کیے زلفِ یار نے
جو سختیاں تھیں ہم کو زمانہ دکھا چکا

— — —

آج[1] ہی ملو تو ، بہتر وعدہ غلط ہے کل کا
جوں طفلِ اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

———

(۶۶) رسوا

رسوا [آفتاب[2] رائے] شخصے بود ہندو ، قید مذہب نداشت ، می گویند کہ در توپ خانۂ بادشاہی نوکر بود کہ ناگاہ سلطان عشق بہ وساطت طفل ہندوے بر ملک دلش استیلا یافتہ ، متاع صبر و خرد و ہوش و گوش بغاوت بردہ ، ہم چو مجنوں جنوں بہم رسانیدہ و عریانی را لباس خود مقرر ساختہ با رسوائی تمام شب و روز زار و نزار و سرگردان و خوار در ہر کوچہ و بازار ، خصوصاً گرد طواف کوچہ دل دار پروانہ وار با دیدۂ گریاں و دلِ بریاں نعرہ زناں

۱ ۔ ”آج ہی“ کو ”آجھی“ پڑھا جائے گا ۔ (ادارہ)

۲ ۔ قائم ، حسینی ، مصحفی وغیرہ نام آفتاب رائے لکھتے ہیں ۔ خلیل گلزار ابراھیم میں ”مہتاب رائے“ نام لکھتا ہے ۔ نو مسلم تھا انتقال احمد شاہی عہد حکومت ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۶ھ میں ہوا ۔ (ادارہ)

و نالہ کناں ، بہ صد پیچ تاب و اضطراب می گشت ، ناگاہ محبوبش کہ مرغ دلش در پنجۂ شاہینِ زلف اوگرفتار بود ، ازیں جہان فانی رحلت نمود ۔ ایں رسوائے کوئے ملامت بہ مقتضائے سلت وفا و طریقۂ اخلاص جانِ خود را در ہوائے جاناں از شعلۂ آتش مفارقت سوختہ بہ آرزوئے تمام ایں قالبِ خالی (۹۴ ب) و سفلی را گذاشتہ بہ سوئے عالم علوی شتافتہ وصالِ جاناں حاصل نمود ۔ ایں چند ابیات از فکرِ صائب و ذہن مناسب اوست :

قفس سے یوں گئے ہم ، اور چمن میں جائے نہیں
اڑیں تو پر نہیں رکھتے ، چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بے خود رہے اور ہجر میں بے تاب ہو
اس دوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

آرام تو کہاں کہ تنک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی لٹیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

---

(۶۷) انسان

اسد یار خاں انسان مردے بود عالی نژاد ساکن اکبر آباد ، در عصرِ محمد شاہ بادشاہ بہ امارت رسیدہ بود فاما اجلش مہلت نداد ، خداش بیامرزاد ۔ اکثر مشق شعر فارسی می کرد ، گاہے یک دو فرد ریختہ ہم می رسانید ۔ دو بیت او بہم رسیدہ ، ازوست :

نہ دیکھی اک جھلک بھی آپ کے تن بیچ الدھوں نے
اگرچہ ہر بنِ[۱] مو سے بدن سارا شبکا ہے

---

۱ ۔ اصل میں ''پیرہن'' غلط ہے ۔ [دیکھیے مجموعۂ نغز جلد ۱ صفحہ ۷۷] ۔ (ادارہ)

زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں
نظر بھر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا جھمکتا ہے

---

(۶۸) ہدایت

ہدایت‌اللہ ہدایت[1] تخلص، متوطن شاہ جہان‌آباد از شاگردانِ رشید (۲۷الف) خواجہ میر درد کہ احوالش خواہد آمد، دیگر بر حسب حالش اطلاعم نیست ـ این چند ابیات دل پذیر اوکہ بہم رسیدہ دال بر خوش‌گفتگوی و سخن فہمی و رسائیِ ذہن و فصاحت عنوانیِ اوست :

شہید تیغ ابرو ہے ، اسیر دام گیسو ہے
ہدایت بھی توکوئی زور ہی‌شہدا شکستا ہے

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
روتے ہی روتے گذری ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں اے شب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

جسے کہ زلف سیہ نے تری ڈسا ہوگا
غرض وہ مر ہی‌گیا ہوگا ، کیا جیا ہوگا

---

۱ ـ ہدایت (متوفی ۱۲۱۵ھ) قدرت اللہ قاسم (صاحب مجموعۂ نغز) کے استاد تھے ـ ہدایت کے بھتیجے حکیم ثناء اللہ فراق بھی مشہور شاعر گذرے ہیں ـ (ادارہ)

کھڑی گھڑی ھمیں کیوں اتنا آزماتے ھو
میاں یہی نہ کہ مر جائیں گے تو کیا ھوگا
بھلا بتاؤ مری جان کچھ ھدایت نے
تمھارے جور سے شکوہ کبھی کیا ھوگا
مگر یہی نا کہ بے اختیار ھو کے کبھی
کچھ اور بس نہ چلا ھوگا رو دیا ھوگا

تجھ بن اے خوں خوار یاں ھر دم دمِ شمشیر ھے
سانس جب پلٹے ھے گویا باز گشتِ تیر ھے

---

(۹۹) بیدار[1]

مهدی بیدار متوطن بداؤں، جوانے ست قابل ، شاگرد مرزا مرتضیٰ علی بیگ که شاعر (ے م ب) فارسی بود ، احوالش من و عن معلوم نیست ، دیوانش از نظر گذشته ، چند اشعار او به تحریر می آرد ۔ ازوست :

طلب میں تیری تنہا ھے نہ پائے جستجو ٹوٹا
کہ نایابی سے تیری تار تار آرزو ٹوٹا
ہے بیدار کی آنکھوں سے ساقی اشک لال ایسے
مٹے گلگوں کا کوچے میں ترے گویا سبو ٹوٹا

---

۱ ۔ محمد علی نام ، مشہور میر محمدی (بیدار) شاگرد خواجہ میر درد اور فارسی میں مرتضیٰ قلی بیگ فراق ۔ وطن آگرہ ، مقیم دھلی ۱۲۰۹ھ میں آگرہ میں انتقال ھوا ۔ صاحب دیوان مطبوعہ ۔ (ادارہ)

صفا الماس و گوھر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب نے ھم رنگ خجالت لعل و مرجاں کو

آنکھوں میں چھا رھا ہے ازبس کہ نور تیرا
ھر گل میں دیکھتا ھوں رنگ ظہور تیرا
عجز و نیاز میرا حد سے زیاد گزرا
ویسا ھی اب تلک ہے ناز و غرور تیرا
بیدار وہ تو ھر دم سوسو کرے ہے جلوے
اس پر بھی گر نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

جو کچھ کہ تھا وظائف و اوراد رہ گیا
تیرا ھی ایک نام ھمیں یاد رہ گیا
بیدار راہ عشق کسی سے نہ طے ھوئی
صحرا میں قیس ، کوہ میں فرھاد رہ گیا

جلوہ دکھا کے گذرا وہ نور دیدگاں کا
تاریک کر گیا گھر حسرت کشیدگاں کا
یہ مار زلف ہے وہ جس کا بچے نہ کاٹا
اترے ہے زھر کس سے افعی گزیدگاں کا
یوں میر سے سنا ہے ، وہ مست ناز بیدار (۴۸ الف)
تہہ کر گیا مصلیٰ عزلت گزیدگاں کا

عمر وعدوں ھی میں گنوائیے گا
آئیے گا بھی یا نہ آئیے گا

یہی قامت ہے گر یہی رفتار
حشر برپا ہی کر دکھائیے گا
جس نے بیداد دل لیا میرا
ایک دن تجھ کو بھی دکھائیے گا

نہیں کچھ ابر ہی شاگرد میری اشک باری کا
سبق لیتی ہے مجھ سے برق بھی آ بے قراری کا
سحاب سرخ میں اس رنگ کب بجلی چمکتی ہے
جو ہے جھمکا ترے دامان رنگیں پہ کناری کا

جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں
بل بے ظالم تیری بے پروائیاں
صبح ہوے آئی، رات آخر ہوئی
بس کہاں تک شوخیاں بچلائیاں
بس بھری ناگن ہے کیا ہی زلف یار
جس کو دیکھا افعی نے لہریں کھائیاں
دیکھتے ہی اس کو ناداں ہو گیا
کیا ہوئیں بیدار وہ دانائیاں

تیرے کوچے سے نہ بہ شیفتگاں جاتے ہیں
جھوٹھ کہتے ہیں کہ جاتے ہیں، کہاں جاتے ہیں
جوں نگیں رو سہی نام سے یاں حاصل ہے
نامور وے ہیں کہ بے نام و نشاں جاتے ہیں

هم جو تجھ بزم سے اے نور بصر جاتے ہیں
(۸۴ب) شمع ساں داغ بہ‌دل شعلہ بہ سر جاتے ہیں
رفتگاں کے تئیں کیا روویں کہ کوئی دم میں
ہم بھی اس بزم سے جوں شمعِ سحر جاتے ہیں

کہاں گنجائش حرف اس دھن میں
نہیں جاتے سخن میرے سخن میں

محشرِ فتنہ ہے اس شوخ کی رفتار کے ساتھ
جی چلا جاتے ہے پازیب کی جھنکار کے ساتھ
شکوۂ کم نگہی آنکھوں سے اس کی نہ کرو
گفتگو خوب نہیں مردمِ بیمار کے ساتھ
جو ہوئی سو ہوئی اب جانے دو اے بندہ نواز
آکے مل جاؤ گلے بیار سے بیدار کے ساتھ

جی میں ہے دکھا دیجے یک روز ترے قد کو
جو شخص کہ منکر ہیں اے یار قیامت کے

مقدور کیا مجھے کہ کہوں واں کہ یاں رہے
ہیں چشم و دل‌گھر اس کے جہاں‌چاہے واں رہے
مثل نگاہ گھر سے نہ باہر قدم رکھا
پھر آئے ہر طرف یہ جہاں کے تہاں رہے
نے بت کدے سے کام ، نہ مطلب حرم ستی
محو خیال یار رہے ، ہم جہاں رہے

ہستی ہی میں ہے سیر عدم اس کی یاں جیسے
فکر میاں یار رہے ، ہم جہاں رہے
بیدار زلف کھینچے ادھر ، چشم یار اُدھر
حیراں ہے دل کہاں نہ رہے، اس کے یاں رہے

---

(۷۰) مرزا رفیع سودا[1]

میں نے یہ سودا سے کہا ایک دن (۹۳الف)
غم ترے کیا سینے میں گھر کر گیا
سن کے کہا جو کوئی آیا سو یاں
سیر بہ انداز دگر کر گیا
ایک جو مانند گل اس باغ میں
خرم و خنداں ہو گزر کر گیا
آن کے شبنم کی طرح دوسرا
شام سے رو رو کے سحر کر گیا
کیا تجھے اب فائدہ اس ذکر سے
ہر کوئی اک طرح بسر کر گیا

قابو میں ہوں میں تیرے گر اب چھٹا تو پھر کیا
خنجر تلے کسی نے گر دم لیا تو پھر کیا

---

۱ ۔ اس کے بعد چند اوراق غائب ہیں ، جن میں سودا کا ترجمہ تھا ، لہذا اگلے ورق سے (۹۳ الف) کلام سودا کا انتخاب شروع ہوجاتا ہے ۔ چوں کہ سنٹرل رکارڈس آفس حیدر آباد کا نسخہ بھی اسی کی نقل ہے ، اس لیے یہ گم شدہ اوراق اس میں بھی نہیں ہیں ۔

سودا ہوئے جب عاشق ، کیا پاس آبرو کا
سنتا ہے اے دوانے جب دل دیا تو پھر کیا

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی ٹک اس کو آکے[1] ستم گار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیرِ باغ و نے گل (و) گل زار دیکھنا
خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب
تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جا کے اس گلی میں جہاں تھا ترا گزر
لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائی تو پھیر[2] شعل
پڑھنا یہ شعر یا کبھی اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں[3] روز ہجر کو (۹م ب)
پر جو خدا دکھاوے سو لاچار دیکھنا

حباب آسا گیا دنیا سے لے کر تشنہ کام اپنا
رکھا محروم قطرے سے میں اس دریا میں جام اپنا
نہ پہنچی نیستی نقا کی ہستی کو مری ہرگز
کہ میں یاں یک زباں سے بھی نہیں سنتا ہوں نام اپنا

۱۔ "جا کے" [تذکرۂ ریختہ گویاں ، صفحہ ۱۰۰]۔ (ادارہ)
۲۔ "پھر" [تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۱۰۱]۔ (ادارہ)
۳۔ "[illegible] صبر پھر" [تذکرۂ ریختہ گویاں صفحہ ۱۰۱]۔ [illegible]

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
اب زندگی میں کب ملے اس لب سے اے کلال
ساغر ہماری خاک کو مت کرکے گل بنا

کروں سو کیا ، آہ نا امیدی ، وہ ہووے کس طرح یار اپنا
نہ گھر میں رہتا ہے اس کا شیوہ ، نہ ساتھ پھرنا شعار اپنا
نگر ہو آباد جس کے دل کا ، نہ پوچھ اس سے تو دکھ ہمارا
یہ درد سن اس رئیس سے ٹک جو تا نہ دیکھا دیار اپنا

حکاک کا پسر بھی مسیحا سے کم نہیں
فیروزہ ہووے مردہ تو دیتا ہے وہ جلا

میں دشمن جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ
مالکا جو میں دل کو تو کہا بس یہی آک دل
جتنے ہی تو چاہے مرے کوچے سے اٹھالا

ترا دل مجھ سے نئیں ملتا ، مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا
الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا (۵۰ الف)

پہنچ چکا ہے سرِ زخم دل تلک یارو
کوئی سیو، کوئی مرہم رکھو، ہوا سو ہوا
دیا اسے دل و دیں اب یہ جان ہے سودا
پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو، ہوا سو ہوا

وہ ہم نہیں جو کریں سیرِ بوستاں تنہا
بہشت ہو تو نہ منہ کیجیے باغباں تنہا
کدھر کو چھوڑ گئے مجھ کو کارواں تنہا
پھروں ہوں دشت میں جوں گردِ کارواں تنہا

کوئین تک ملے تھی جس دل کی مجھ کو قیمت
قسمت کہ یک نگہ پر اس کو میں ڈال آیا

کیا کیا لڑائیاں تھیں سرک سونے پر ہم
جاگیں گے بخت پھر بھی کہ ہووے گا جنگ و خواب

ھندو ھیں بت پرست، مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اس کسی کو جو ہو آشنا پرست

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی ہے خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح
کاٹ کر الٹے ہے ناگن، تب اثر کرتا ہے زہر
سیکھ لی زلفوں سے تیری ان نے بل کھانے کی طرح

مجھ فرونن کی ہے جوں نقش نگیں بات سند
گو بہ ظاہر نہ ہو سبدھی مری گفتار کی طرح
دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہر ایک کا منہ (۰ د ب)
طالبِ رحم کی نظروں سے گنہ گار کی طرح

ہوا ہے اس کو مرا حال باعثِ تضحیک
کہ دیکھ کر مجھے کہتا ہے شوخ : ہاں فرہاد!

کھینچ کر پوست کرے گردش ایام سفید
چاہے تجھ چشم کے آگے جو ہو بادام سفید
چوٹ ہے دل میں تو وہ سدِّ رہ پیری ہے
موے چینی نہ کرے گردشِ ایام سفید
لعلِ حل کردہ ہے جوں ظرفِ بلوریں کے بیچ
پیرہن پہرے ہے جس دم وہ گل اندام سفید
بہت ہر ایک سے مکڑا کے چلا تھا کالا
ہو گیا دیکھ تری زلفِ سیہ فام سفید

دیوے تھا غیر کو زکوۃ حسن
پوچھا میں کیا ہے ؟ کہنے لاگا خیر

کس کے ہیں زیر زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بہ جا سوت ہیں پانی کے تہہ خاک ہنوز
باغ میں جب سے گیا تھا وہ خار آلودہ
گل ہیں خمیازے میں، الکڑائی میں ہیں تاک ہنوز

بیہودہ اس قدر نہیں آتا ہے کام ناز
منہ پر خط آ چکا نہ کرو صبح و شام ناز
وہ دن گئے کہ جس سے پھبے تھا تجھے غرور
بد خلقی رہ گئی ہے تری اب بہ نام ناز

داغ آج سے رکھتا نہیں ان سنگ دلاں کا
مدّت سے ہوئی ہے مری چھاتی پہ سل آتش
(۵۱ الف) یاقوت نہیں ہے وہ ترے لعل سے اے شوخ
جا ڈوب موئی آب میں ہوکر خجل آتش
یک قطرۂ مے لے اڑے سودا کو جگہ سے
باروت کے تودے کو ہے بس ایک تل آتش

راستی یوں ہے کہ ہیں ابلہ طویل القامت
حسن تیرا سا منہ اپنے پر گماں رکھتی ہے شمع

اے لالہ گو فلک نے دیے تجھ کو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

دیکھوں ہوں یوں میں اس ستم ایجاد کی طرف
جوں صید وقت ذبح کے صیّاد کی طرف

نے چشم ، نہ ابرو ، نہ کرشمہ ، نہ ادا ہیچ
مہ گیند ہے بازی کی تری اس کے سوا ہیچ
شیشے کو بھلا توڑ تو کیا شور اٹھے ہے
عاشق ہی کا یہ دل ہے جو ٹوٹے تو صدا ہیچ

اس جامے کے اوپر نہ اپھر بلبلے کی طرح
جامہ ہے ترا پوچ تو ہے غیر ہوا ہیچ
کیا واللہ عمر سبک رو ہے کہ جس میں
چاہے جو سنے سامعہ آواز درا ہیچ

یہ نہ ہو مہر کہ تا شب رہے گھر سے باہر
سو جتن کیجے تو ٹک نکلے وہ در سے باہر
آوے ہے گھر سے وہ زاہد پسر اس طرح کہ جوں
نکلے ہے مہر گریبانِ سحر سے باہر
چرخ پر چڑھتی سنی تیغ تری جس دم سے
سر نکالا نہ مہ و خور نے سپر سے باہر
ہوں وہ آوارہ کہ طفلی ہی میں جوں اشک مجھے (۵۰ ب)
کر دیا مادر ایّام نے گھر سے باہر

برگشتہ نصیب اپنے نہ پھرتے کبھی دیکھے
ہر چند رہی گردشِ ایّام جہاں پر
اس صفحے پہ مانندِ نگیں آن کے سودا
وہ مرد تھے جو اٹھ گئے رکھ نام جہاں پر

توس پہ تجھے دیکھ کہیں مانی و بہزاد
اللہ نے کھینچی ہے یہ تصویر ہوا پر

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرّہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام!

کیوں نہ افعی چلے ہر ایک جگہ مکڑا کر
نہ پڑا اس کو تری زلف سیہ فام سے کام

بھری ہے دل میں ترے اس قدر محبتِ غیر
کہ جا نہیں مرے کینے کی ، مہر تو معلوم

عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کرکے ہم

اگرچہ قافیہ مصرعہ اخیر در ظاہر مائل بہ نقصان است ، چرا کہ مدار قافیہ در تمام غزل برکاف بیانیہ است و دریں مصرع کاف مرکب بہ یا است فاما در تلفظ یکساں است شاید کہ شاعر مذکور ہمیں لحاظ جائز داشت ۔

ذبح تو کرتا ہے ٹک فرصت گلے لگنے کی دے
عیدِ قرباں ہے تجھے دے لیں مبارک باد ہم

(۵۲ الف) بھلا گل تو تو ہنستا تھا ہماری بےثباتی پر
بتا روتی تھی کس کی ہستیِ موہوم پر شبنم ؟

گندھی نکلیں ہیں لختِ دل سے تارِ اشک کی لڑیاں
یہ آنکھیں کیوں مرے جی کے گلے کی ہار ہو پڑیاں

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں ، نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نے انگھڑیاں ملیاں
کبھیں مہتاب نے دیکھا ہے اس خورشید تاباں کو
پھرے ہے ڈھونڈھتا ہر شب جہان آباد کی گلیاں

اندام گل پہ ہو نہ قبا اس مزے سے چاک
جوں خوش جبھوں کے تن میں مسکتی ہیں چولیاں
کیا چاہیے تجھے سر انگشت پر حنا
جس بے گنہ کے خون میں چاہیں ڈبولیاں
سودا کے دل سے صاف نہ رہتی تھی زلفِ یار
شانے نے بیچ پڑ کے گرہ اس کی کھولیاں

جگر اُن کا ہے جو تجھ کو صنم کہہ یاد کرتے ہیں
میاں ہم تو مسلماں ہیں ، خدا کہتے بھی ڈرتے ہیں

ناوک ترے نے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

کہکشاں تھے نام کو ، لیکن مرے احوال پر
آسماں روتا ہے منہ پہ دھر کے ہر شب آستی

دل نے کہا یہ مجھ سے کہ میں کیا کروں نثار (۵۲ ب)
آویں اگر جو حضرت سودا ادھر کہیں
انگشتری کے گھر کی طرح غیر سنگ و خشت
گھر میں تو خاک بھی نہیں آتی نظر کہیں

قطعہ نہایت مربوط و مضبوط است فامّا در مصرعۂ ثانی بیت اول دوکلمہ شرط جمع شدہ ، یکے زائدہ است ۔ واللہ اعلم ۔

سودا سے رات میں کہا مغموم کیوں ہے تو
الکا ہے ان دنوں میں ترا دل مگر کہیں
کہنے لگا کہ سچ ہے ، پر اب کے اگر یہ جیو
بچ جائے تو نہ دل کو دوں بارِ دگر کہیں
پوچھا جو میں سبب تو کہا کیا سنا نہیں
قاصد مرے کے حال کی تجھ کو خبر کہیں
نامہ لکھا تھا یار کو میں یہ سمجھ کہ ہے
عالم میں رسمِ نامہ و پیغام بر کہیں
لیکن سوائے بندگی و عجز و انکسار
نکتہ ہو اس میں حرفِ تمنّا ہو گر کہیں
واں لا کے مجھ کو مارے گردن کہ جس جگہ
پانی کے قطرے کا بھی نہ ہووے اثر کہیں
ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو
آتا ہے ایلچی پہ زوال اس قدر کہیں
اڑتا پھرے ہے گلی نامہ میں کسی طرف
دھڑ سے جدا پڑا ہے سرِ نامہ بر کہیں
وقتے کہ دل ربانِ جہاں کا ہو یہ سلوک
پھر دل کو دیوے کوئی کس امّید پر کہیں

(۵۳ الف) ڈرتے ڈرتے جو ترے کوچے میں آ جاتا ہوں
صیدِ خائف کی طرح رو بہ قضا جاتا ہوں
طائرِ رنگِ حنا کے نمط اب اے صیّاد
ہوں تو میں ہاتھ میں تیرے پہ اڑا جاتا ہوں

ہوں میں وہ وحشیِ رم خوردہ کہ تا دشتِ عدم
بات کھڑکے ہے تو مانندِ صدا جاتا ہوں
سوچوں ہوں اپنے تئیں جوں سخنِ رفتہ زیاد
گاہ بے گاہ اگر آپ میں آ جاتا ہوں
صفحۂ ہستی بہ یک حرفِ غلط ہے سودا
جب مجھے دیکھنے بیٹھو تو اٹھا جاتا ہوں

یار آزردہ ہوا رات جو بے نوشی میں
کیا ہوا ہم سے خدا جانیے بے ہوشی میں
رہ گیا ہے مہِ نو عید کا کس کی پیارے
کھول کر ہاتھ تمنّا سے ہم آغوشی میں

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو الطاف
جھوٹی ہی تسلّی ہو تو ضائع تو نہ ہوں میں

معنی لفظ 'مچ' کہ دریں شعر واقع شدہ در فہمیدہ نمی آید پس معلوم شد کہ لفظ مہمل کہ در ہندوستان بہ وزن ہر لفظ در استعمال می آرند در شعر موزوں شدن مضائقہ نہ دارد؛ وقتے کہ در شعر استادان واقع شد ، پس عوام را سند است :

اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں
اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو (۵۳ ب)

یا دل اسے کہو یا دل‌آزار کچھ کہو
سنتا نہیں کسی کی مرا یار ، کچھ کہو

غمزہ ، ادا ، نگاہ ، تبسم ہے دل کا مول
تم بھی اگر ہو اس کے خریدار ، کچھ کہو

صبر و دل و دیں ، طاقت دیکھا اسے اور سر کے
ہیں جگ میں رفیق اپنے دو چار سو یہ تحفہ

زخم کی طرح زمانے میں تو کاٹ اپنی عمر
رو لے یا ہنس لے پر اتنا ہے کہ ٹک درد کے ساتھ

تیرے بازار کا اب کیوں کہ نہ بگڑے سودا
ایک یوسف نظر آتا ہے خریدار کئی

یارو وہ شرم سے جو نہ بولا تو کیا ہوا
نظروں میں سو طرح کی حکایات ہوگئی

ساون کے بادلوں کی طرح سے بھرے ہوئے
یہ وے نین ہیں جن ستی جنگل ہرے ہوئے
اے دل یہ کس سے بگڑی کہ آئے ہے فوج اشک
لخت جگر کی نعش کو آگے دھرے ہوئے
انصاف کس کو سونپیے اپنا بہ جز خدا
منصف جو بولتے ہیں سو تجھ سے ڈرے ہوئے

پوچھے ہے پھول پھل کی خبر اب تو عندلیب
ٹوٹے جھڑے خزاں ہوئی ، پھولے پھلے گئے

جب اپنے بندِ قبا تم نے جان کھول دیے
صبا نے باغ میں جا گل کے کان کھول دیے
چمن میں کس کی مدارات تھی بتا تو نسیم (۴۹ الف)
کہ صبح غنچوں کے سب عطر دان کھول دیے

اے فلک کس قدِ رعنا کو زمیں میں گاڑا
سرو جو کھنچے ہے سرِ خاک سے وہ موزوں ہے
جو مجھے سو ہے غنیمت پہنچ اے خانہ خراب
ورنہ سب اہلِ گلستاں کا چمن میں خوں ہے
گل نے شبنم سے لے الماس تو کھایا لیکن
گانٹھ میں غنچۂ لالا کے ابھی افیوں ہے

سرو گلشن بھی نہ کچھ معتوں ہے
بسکہ بوسی قد کا ترے مجنوں ہے
جذب طوفاں نہ زمیں میں ہوتا
کسی کی تشنہ لبی مدفوں ہے

دل لے کے ہمارا جو کوئی طالبِ جاں ہے
ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ حق ہے تو جہاں ہے

عجب احوال کو سودا ستم تیرے سے پہنچا ہے
کوئی معشوق بھی عاشق پہ یہ بیداد کرتا ہے
بسانِ نَے آسیے ہاتھوں سے میں نالاں ترے دیکھا
کوئی ٹک منہ لگاتا ہے تو وہ فریاد کرتا ہے

کیا جانیے کہ کس کے دل کا لہو پیا ہے
کنگھی نے آڑے ہاتھوں کیا زلف کو لیا ہے
مجھ حالِ دل کی شاند ہے بے کسی کہ جس کو
تو نے دکھا دکھا کر اس کا لہو پیا ہے
شانے میں شیخ جی کی داڑھی پھنسی نہ سمجھو (۳۵ ب)
اک چور بال ہے یاں وہ کاٹھ میں دبا ہے

نکل نہ چوکھٹ سے گھر کی پیارے جو پٹ کی اوجھل ٹھٹھک رہا ہے
سمٹ کے گھٹ سے ، ترے درس کو نین میں جی آ اٹک رہا ہے
کبھیں جو لگ چلنے ساتھ دینا ہو اس طرح کا کٹر ہے پاپی
نہ جالوں پنڈے کی دھول ہوں میں جو مجھ سے پہلا جھٹک رہا ہے
کبھی لگا ہے نہ آتے جاتے جو بیٹھ کر ٹک اسے لگالوں[1]
سجن جو کانٹا ہے تجھ گلی کا سو پگ سے میرے کھٹک[2] رہا ہے
مجھے جو منہ پر ترے پسینہ دکھائی دے ہے تو سوچتا ہوں
کہ کیوں کہ سورج کی جوت آگے ہر ایک تارا چھٹک رہا ہے

صورت میں تو کہتا نہیں ایسا کوئی کب ہے
اک دھج ہے کہ آفت ہے قیامت ہے غضب ہے
کوئی طرز ہو لگ جانے کی دل کے تو کہوں میں
یاں جو حرکت ہے مرے مرنے کا سبب ہے
دشنام تو دینے کی قسم کھائے ہے لیکن
پر دیکھے ہے مجھ کو تو وہ اک جنبشِ لب ہے

---

۱ - اصل : لگالوں
۲ - اصل : بھٹک

یعقوب ترے عہد میں یوسف کو جو روتا
کہتا میں نہ یہ وہم پیمبر سے عجب ہے
کہتے ہیں جسے عشق سو وہ شخص ہے سودا
جوں ذات خدا جس کے حسب ہے نہ نسب ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ میں دوں بجا ہے (۵۵ الف)
جیتا پھرے تو اجرت، ورنہ نہ خوں بہا ہے
تاں چشم سرمہ سا کا مارا توئی نتا ہے
ہر سرو اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے

خط کے آتے ہی چلے اکثر غلامی سے نکل
بندہ پرور دیکھیے آگے ہنوز آغاز ہے
شاعران ہند کا تو گرچہ پیغمبر ہیں
پر سخن کہتے ہیں اے سودا تجھے اعجاز ہے

خاک پر بھی تیرے دیوانے کی یہ تدبیر ہے
ہر بگولا طوق و ہر موج ہوا زنجیر ہے
رحم کچھ آپھی آسے آوے سو آوے ورنہ یاں
آہ ہے سو بے اثر، نالہ سو بے تاثیر ہے
اس شکار انداز کا یا رب ہوا ترکش تہی
مرغ تک قبلہ نما کے بھی جگر میں تیر ہے

سودا کی جو بالیں پہ گیا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

کسی کا دردِ دل پیارے تمھارا ناز کیا سمجھے
جو گزرے صید کے جی پر آسے شہباز کیا سمجھے
نہ پوچھو مجھ سے میرا حال ٹک دنیا میں جینے دو
خدا جانے میں کیا بولوں کوئی غمّار کیا سمجھے

غرورِ تقویٰ پہ تھے کتنے شیخ جی سرکس
پر اب عمامے نے گردن ننگ نوائی ہے
کریں ہیں در پہ ترے سبخ و برھمن سجدہ (۵۵ ب)
بتاں کے حسن و ادا تیری یاں خدائی ہے

تم کو معلوم ہے یارو چمنِ قدرت میں
عمر گزری کہ ہے گردش سے سروکار مجھے
پر میں حیراں ہوں کہ جوں سایۂ مرغانِ ھوا
نہ کیا ایک قدم پھرنے پہ مختار مجھے

اس قدر اب کے ھوا مست ہے ویرانے کی
کسی لڑکے کو نہیں سدھ کسی دیوانے کی
شیخ وہ رشتۂ زنّار ھمارا جن نے
چیر ڈالی ہے تری سبحہ کے ہر دانے کی

تصور میں ترے کہیو صبا اس لاابالی سے
گلے لگ لگ میں رویا رات تصویرِ نہالی سے

افعی کی یہ طاقت ہے کہ اس سے بسر آوے
وہ زلفِ سیہ اپنی اگر سر پر آوے
ٹک داغ سے چھاتی کے سرک جائے جو پھاھا
آتش کے تئیں قدرتِ خالق نظر آوے
سب سے کہے سوتا ہوں یہ کہہ دیں کہ پھر آنا
ساتھ اپنے مری شورِ قیامت اگر آوے
دیتا ہے کوئی مرغِ دل اس شوخ کو سودا
کیا پھر کیا تو نے غضب نرے پر آوے
اب لے تو گیا ہے اب آگے دیکھیو دنال
پل میں نہ اڑاتا وہ اگر بال و پر آوے

فکرِ معاش و عشقِ بتاں ، یادِ رفتگاں (۶۷ الف)
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
گر ہو شراب و خلوت و معشوقِ خوبرو
زاھد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

نیشکر نے کبھی تجھ لب سے کیا تھا دعویٰ
آج تک اس کی جدا کرتے ہیں پوری پوری

تجھ تیغ تلے کہہ تو رستم کو کہ سر دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو ہرکارے و ہر مردے
دل کے تئیں اک عالم کہتا ہے خدا کا گھر
اے عشق ایسے آنس دے ہے تو سمجھ کر دے

دولاب کی ہے حق بہ طرف مستی سے فریاد
پیانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے

جس دم وہ صنم سوار ہووے
تا صید حرم شکار ہووے
شبنم سے بھرے ہے ساغرِ گل
گردوں تو خراب و خوار ہووے
پانی نہیں دیتے اس کو ظالم
جو زخمیِ بے شمار ہووے

بھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

اے آہ تری قدر اثر نے تو نہ جانی
گو تجھ کو لقب ہم نے دیا عرش مکانی
بلبل ہی سسکتی نہ تھی کچھ باغ میں تجھ بن
شبنم گلوں کے منہ میں چواتی رہی پانی

(۵۶ ب) غنچے کو مسکرا کے آسے زار کر چلے
نرگس کو آنکھ مار کے بیمار کر چلے

مطلع نہایت مربوط ، امّا در فہمید ایں نافہم لفظ "آسے" کہ در مصرعۂ اول واقع است ، بیکار محض معلوم می شود ۔ واللہ اعلم ۔

اے لالچی تو کیسہ غیروں کا مت ٹٹولے
جو کچھ تو چاہے یک شب مجھ پاس آکے سو لے
انصاف کچھ بھی نارو ہے عشق کے لگر میں
دل غم سے آب ہووے اور چشم موتی رولے
آوےگا وہ چمن میں تڑکے ہی مے کشی کو
شبنم سے کہہ دے بلبل پیالے گلوں کے دھولے
کم بولنا ادا ہے ہرچند پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ کھولے

اثر سے ہیں تہی نالے، تصرف سے ہیں دم خالی
نیستاں ہوگئے شیروں سے یا رب یک قلم خالی
بہ رنگ لفظ ہو اٹھنے سے جس کے بیت بے معنی
فلک اس طرح گھر تیرا چلے ہیں کرکے ہم خالی

از رباعیات اوست :

کب در پہ ترے آ کوئی سائل بولا
جس کو نہ جواہر میں کہ تو نے تولا
یاں تک تو ترے ہاتھ نے بخشے یاقوت
جب طشت نے وقت نقد دامن کھولا

مومن نہیں زنار سے میری آگاہ
اس رشتے کو ہے سبحۂ اسلام میں راہ
اس بت کا برہمن ہوں کہ ہم صوفی وہم شیخ (۵۷ الف)
کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

دکھ تفرقے کا یاروں کے کچھ مت پوچھو
جب شکل ملاقات کی باہم یوں ہو
دیکھیں ہیں اب زخم کہیں سینے وقت
آپس میں جو ملتے ہیں تو دونوں رو رو

دیوانِ عدالت میں تمھارے یا شاہ
کچھ ظلم کو ہے راہ عیاذاً باللہ
شیشے کا جو واں طاق سے رہتے ہے پانو
پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

از مخمساتِ اوسط :

مجھے تو زور ہی ساقی کی یہ ادا بھائی
کہ پہلے جام کی سے خاک پر چھڑکوائی
جو پوچھا میں تو کہا سن بے مجھ سے سودائی
چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفان بادہ پیما را

وعدہ یہی تھا مجھ سے کہ آؤں گا دن ڈھلے
لیکن نہ بعد شام کے پیش از دیے جلے
اے آفتاب رہ کے ٹک آ نا زمیں تلے
پیغام بر نے دیر لگائی تو ہے ولے
دھڑکے ہے دل کہ یہ نہ کہیں رات ہوگئی

وہ کون سی گھڑی تھی جب یہ لگن لگائی
اب چھوڑتی نہیں ہے یک شب تب جدائی
اور وصل مانگتا ہے جی تجھ سے منہ دکھائی (ا ۔ ن ب)
من شمع جاں گدازم تو صبحِ دل کشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
دوری سے تیری مجھ کو اے آفتاب عالم
روتے ہی روتے گزریں راتیں مثال شبنم
جس دم تو منہ دکھاوے تو ہوں فنا میں اس دم
نزدیک ایں چنینم دور آں چناں کہ گفتم
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

مجھ سا بھلا کوئی ہے ترا اور غم گسار
عارض کے گرد دیکھ کے یہ خط مشک بار
پوچھوں ہوں تجھ سے میں یہی رو رو کے بار بار
کہہ باغباں قسم ہے تجھے کیا چلی بہار
دامانِ گل پکڑ کے جو یہ خار رہ گئے
ہر چند دورۂ فلکی ہے یہ خوں فشاں
پر چشم سا جو کہیے تری اس کو سو کہاں
گردش میں تجھ نگہ کی جو ہیں خوں فشانیاں
دیکھ اس کو رکھ زلف کے تلے دستِ کہکشاں
حیراں ہو آسمانِ سیہ کار رہ گئے

از قصائدِ اوست :

قصیدۂ نعت

عجب ناداں ہیں وہ جن کو ہے عجبِ تاجِ سلطانی
فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم ان نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
(۵۸ الف) کہ چشمِ نقشِ پا سے تا قدم نکلی نہ حیرانی
مؤقر جان ارباب ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر اسے عزت ہے عریانی
ہماری آہ تیرا دل نہ نرماوے تو یا قسمت
وگرنہ دیکھ آئینہ کہ پتھر ہوگئے پانی
نہ رکھا جگ میں رسمِ دوستی اندوہِ روزی نے
مگر زانو سے اک باقی رہا ہے ربطِ پیشانی

در عدل می گوید

موافق گر نہ کرتا عدل اس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتی نہ شکلِ لعلِ رمانی
نہ ہونے سے جدا سائے سے اس قامت کے پیدا ہے
قیامت ہوئے گا دلچسپ وہ محبوبِ سبحانی
جسے یہ صورت‌وسیرت کرامت حق نے کی ہوگی
بجا ہے کہیے ایسے کے تئیں گر یوسفِ ثانی
معاذ اللہ یہ کیا حرف بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو پھر کہوں تو ہوں میں مردودِ مسلمانی
کدھر اب فہمِ ناقص لے گیا مجھ کو نہ سمجھا یہ
کہ وہ مہرِ الوہیت ہے اور یہ ماہِ کنعانی

حدیث "من رأنی" دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جن نے اس کو اس نے دیکھی شکل ربانی
غرض مشکل ہمیں ہوتی کہ پیدا کرتے ایسے کو
خدا گر نہ نہ فرماتا کہ نہیں کوئی مرا ثانی

قصیدہ در نعت و منقبت (۸۵ب) گفته و درو صنعتها بکار برده و داد معانی داده

چہرۂ مہروش ہے ایک، سنبلِ مشک فام دو
حسنِ بتاں کے دور میں، صبح ہے ایک شام دو
فکرِ معاد اب کریں یا کہ معاش کی تلاش
زندگی اپنی ایک دم کیجیے کیونکہ کام دو

در بیان علوِّ مرتبۂ ممدوح گوید

جا کے اُنھوں کے رتبے تک ماندہ ہوں یہ خیال و وہم
وقتِ مراجعت کریں کوچ یکے مقام دو
ان کے طوافِ روضہ تک پہنچے کبھی نہ جبرئیل
تا نہ کرے وہ ہر قدم سجدہ یکے سلام دو
موسیٰ و خضر اور خلیل در پر انھوں کے وقتِ طوف
ایک بنے جو چوب دار کرتے ہیں اہتمام دو

قصیدۂ دیگر در منقبت

بسانِ دانۂ روئیدہ ایک بار گرہ
کھلے جو کام سے میرے پڑے ہزار گرہ
نہ لٹ دھوئیں کی ہوں یا رب نہ زلفِ محبوباں
رکھے ہے کیوں مری خاطر کو روزگار گرہ

گیا ہے غم ترا یوں دل میں چھوڑ کر عقدہ
کہ تند یار میں دی جائے جیسے مار گرہ
بہ رنگ شیشۂ مے ، وقت عرق ریزی کے
گلے سے پڑتی ہے دل تک ہزار بار گرہ

ق

کیا میں فرض کہ اتنا ہے سر عدو کا نرے
کہ جس کے خوف میں گردوں سے آئیں حار گرہ (۵۹ الف)
پہ اس پہ تیر جو بیٹھے ترا تو یوں پھوٹے
کہ جیسے ہوتی ہے مٹکے کے وار پار گرہ

قصیدۂ بحر بے کراں در منقبت گفتہ ، در ہجو چرخ کج رفتار گوید

سنگ کو اپنے لیے کرتا ہے پانی آسماں
مہ پہ لاوے آرسی تا عیب روے مردماں
دیکھ ٹک احوال عنقا نہ کہ اس ظالم کے ہاتھ
نام گر پیدا کرے کوئی تو مٹتا ہے نشاں
درپئے رنج و تعب رہتا ہے اہل درد کے
دکھ دھندوں کی ہوا خواہی میں دے ہے اپنی جاں
پا برہنہ در بہ در ہم کو پھراوے دھوپ میں
خار کے سر پر کرے دامان گل کو سائباں
ہنس کو موتی چگاتا ہے سدا یہ بے تمیز
پوست کھینچے ہے ہما کی دے کے مشت استخواں
میل کھینچے دیدۂ بینا میں یہ تاریک عقل
پر کرے کحل الجواہر لے کے چشم سرمہ داں

رشتے کی خاطر کرے سوراخ گوہر کا جگر
بھر سودِ ناکساں اس سے کساں کا ہے زیاں
دور میں اس روسیہ کے اب بہ‌جز بخل و حسد
دوستی کا تو کہیں ہرگز نہیں نام و نشاں
نور منہ پر شمع کے دیکھے تو جلتا ہے پتنگ
دشمنی معشوق و عاشق تک ہے اتنی درمیاں

در بیان خستتِ فلک گوید (۵۹ ب)

ماہ کی خاطر مقرر وقتِ شب ہے ایک ناں
پر حو یہ چشے سدا ساری وہ ہووے سو کہاں
تب لب نان کے لیے حیران ہوتے شہر شہر
مثلِ ماہِ نو پڑے پھرتے ہیں عالی ہمتاں

در وصفِ شمشیر

انگلیاں اڑ جائیں دم پر اس کے دستِ وہم کی
آب داری اس کی گر کھینچے ماساً امتحاں
صورِ اسرافیل سے کچھ کم نہیں اس کا نیام
نکلے وہ اس میں سے تو سورِ قیامت ہو عیاں
جتنی ہے جمعیتِ افلاک ہووے منتشر
تاب کیا باہم رہیں اجزاے ارضی توأماں

در بیان خوبیِ جلدِ اسپ می گوید

خوش کمر اتنا کہ جوں پیوستہ ابرو میں ہو خال
جاے زیں ہے بہ گردان و کفل کے درمیاں
خوش بدن از بس کہ ہے جوں اختر چرخِ کبود
جلد کے نیچے سے ہر قطرہ لہو کا ہو عیاں

نقشِ سم جس دشت میں ہو اس کی جست و خیز کا
دیں غزالان حرم تک نعل بندی آ کے واں

در جلدی او می گوید

ہے چھلاوے میں یہ اس کلگوں کی دم داری کا لطف
جوں پون بہنے سے لہراتا ہے سروِ بوستاں
جب قدم لگتا ہے وہ محبوب تب ہر گام پر
(۶۰ الف) صدقے کرتے ہیں خرامِ ناز اپنا دلبراں
ٹک اچک جاوے عناں اس میں جو قاشِ زین سے
اس طرح اڑ جائے جوں چہرے سے رنگِ عاشقاں
گر صفِ اعداد پہ سیدھا ہو تو جوں تیرِ تفنگ
ڈانٹیے اس کو تو پہنچے پیش از آواز واں
پر غلط ہے یہ کوئی اس کو ڈنٹاوے کس جگہ
صفحۂ روے زمیں کا اس قدر عرصہ کہاں
ہو اگر یہ شرق میں اور سامنے ہو اس کے غرب
ٹک اسے راکب کہے اس وقت اتنا ہی کہ ہاں
پہنچنے پاوے صداے ہاں نہ منہ سے تا بہ لب
پہنچے ہے وہ بادِ پیا یاں سے واں اور واں سے ہاں

قصیدۂ دیگر در منقبت

سواے خاک نہ کھینچوں گا منتِ دستار
کہ سرنوشت لکھی ہے مری بہ خطِ غبار
زمانہ دل کو مرے اور عہد باز کو اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار

در هجوِ فلک گوید

پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسی طرح بھی کسی دل کو دیجیے آزار
کدھر خیال کو اب لے کیا ہے یہ بے مغز
زبس بھرا ہے دل اس کا ہوا ہے کج رفتار

در بیانِ عدلِ ممدوح گوید (۶۰ ب)

گر اس کا حکم اٹھا دے جہاں سے رشتۂ کفر
مجال کیا جو سلیہی میں رہے زنار

در شکوہِ خیمۂ او گوید

کہ جس کی دیکھ کے رفعت فلک ہے چکر میں
اسی کے بوجھ سے ہے صفحۂ زمیں کو قرار
نہیں ستارے ہیں یہ بلکہ لوٹتا ہے گا
اسی حسد سے انگاروں پہ چرخِ لیل و نہار

در بیانِ بخششِ او گوید

بھرا زبس شکمِ حرصِ حود نے تیری
نہیں اب اس کے تئیں درد امتلاے قرار

قصیدہ در مدحِ امام موسیٰ رضا

اگر عدم سے نہ ہو ساتھ فکر روزی کا
تو آب و دانہ دو لے کر گھر نہ ہوں پیدا
نکل وطن سے ہے غربت میں زور کیفیت
کہ آب بخت ہے جب تک ہے تاک میں صہبا

نکوی جو کرے دنیا میں ہوئے وہ پامال
بسانِ جادہ کسی کو تو راہ مت بتلا
کلامِ شیریں پہ جا تو نہ اہلِ دنیا کے
بہ نامِ زہرِ ہلاہل بھی ہوئے ہے میٹھا
نہ سنگِ پا ہے یہ دل اے خدا نہ ہے یہ حنا
بتاں کریں ہیں اسے پائمال کیوں اتنا
کرے نہ چاک گریبانِ صبح پنجۂ مہر
جو شورِ عشق نہ ہووے بہ عالمِ بالا

در وصفِ گنبدِ مقبرۂ او گوید

شعاعِ نور سے خورشید جس کے قبّے کی
پلک جھپکنے سے یک ذرّہ بھی نہیں رہتا

در وصف تیر گوید

تری کماں کے آگے حریف روزِ نبرد
کہاں سے لائے یہ طاقت جو ہوسکے سیدھا
کہ جس کے تیر کی ہیبت سے آسمان کبھو[۱]
بغیر خم کیے پشت اپنی سر اٹھا نہ چلا

در وصفِ شمشیر گوید

شہا عجب ہے وہ شمشیر جس کی صولت کا
ترے عدو کو ہزیمت سے خوف ہے اتنا
گر اس کے بعد نکالے مصوّر اس کی شبیہ
تو روح اس کی پکارے کہ بالو بھاگے بنا

۱۔ آسمان کبود

قصیدہ در مدحِ امام کاظم گوید

ہے پرورش سخن کی مجھے اپنی جاں تلک
جیوں شمع زندگانی ہے میری زباں تلک
کیفیتِ بہار ہے گلشن میں یاں تلک
بلبل سے لے کے مست ہے تا باغباں تلک
صحنِ چمن پہ پھرتے ہیں مستی سے لوٹتے
لے نسر ہوا کی موج سے آبِ رواں تلک
سوسن پر اس نمط سے ہے شبنم نہ جوں عرق
آتا ہے عارض بت ہندوستاں تلک
مشکل بہت ہے امر قناعت جہاں کے بیچ
لے کر زمیں سے چرخ کے باشندگاں تلک
ہم نے زیادہ تا شبِ ہفتم سے ماہ کو
قائم نہ رہتے دیکھا کبھی ہم ناں تلک (۶۱ ب)
روزی کو مضطرب نہ ہو ٹک آئنے کو دیکھ
ناں آبرو سے پہنچے ہے روشن دلاں تلک

در بیانِ عدلِ او گوید

رہنے کو جگ میں صورتِ افسوس کے تئیں
اسباب خورمی نے کیا منع یاں تلک
انگشت چوسنے کے تئیں طفلِ سیر خوار
ممکن نہیں کہ لا سکے اپنے دہن تلک
ہرگز نہیں اس عہدِ مبارک میں یہ مجال
پہنچے کسی کا زور کسی ناتواں تلک
بہہ جائے ایک خس کبھی ریلے سے موج کے
زنجیر سے بندھا کرے آب رواں تلک

در جلدی سمندِ او گوید

باندھیں انھوں کے پانو سے گر مہر و ماہ کو
نوروز و شب کے پھرنے میں سرعت ہویاں تلک
پھر نوبتِ شمار مہ و سال زیرِ چرخ
آوے نہ آن کے دو، ہیں یہ منجم جہاں تلک

قصیده در مدحِ امام عسکری

عیب پوشی ہو لباس چرک سے کیا ننگ ہے
مان اے آئینہ بہتر اس صفا سے زنگ ہے
ابرواں نے کھینچی ہے شمشیر، مژگاں نے چھری
حسن کی خوبی میں تیرے تجھ پہ باہم جنگ ہے

(۶۲ الف) در بیانِ عدلِ او گوید

استخوان و پوست سے کھینچے ہیں رگ ہائے رباب
زیرِ چوب و سنگ اٹھ رو سیہ مردنگ ہے

در بیان بخشش او گوید

اس زمیں کو جس پر اس کا دست ہو سایہ فگن
کچھ سوا گل اسرفی کے سبز کرنا ننگ ہے

در برشِ شمشیرِ او گوید

آسماں سے تا زمیں اور گاؤ سے ماھی تلک
امتحاں گر کیجیے اس کو تو یک چورنگ ہے

در وصف اسب گوید

لیتے ھیں تعلیم واں ھر روز آ کر گردباد
جس جگہ سرگرم کاوی پر ترا سب رنگ ھے
جھانکے ھے ھفت آسماں کو جلدی اس کی ھر قدم
بس کہ عرصہ شش جہت کا اس کے اوپر تنگ ھے
بکھرا ھی جاتا ھے ھاتھوں میں جلو لینے کے وقت
نکلا ھی پڑتا ھے رانوں سے یہ اس کا ڈھنگ ھے
اس میں ٹک ھی گرم ھو آیا تو بس پھر از قضا
ھے وہ گھوڑا ھی یہ کچھ سیماب کا سا ڈھنگ ھے

قصیدہ درمدحِ امام مہدی

جوں غنچہ آسماں نے مجھے پھر عرضِ حال
دی سو زباں دھن میں و لیکن سبھی ھیں لال
اجرائے کار بند ھے عالم کا اس کے ھاتھ
جوں چشمِ عاشقاں کہ ھیں جاری بہ اتصال
پارے کو دے ھے رتبۂ اکسیر بعدِ مرگ
دولت کبھی کسی کو نہ دی ان نے بے زوال (٦٢ ب)
ڈھانپے ھے جانماز تلے زاھدوں کا عیب
دیتا ھے راز فسق کو پردے ستی نکال

در بیانِ حلمِ ممدوح گوید

اس خاک داں اوپر جو نہ ھو اس کا بارِ حلم
اھلِ جہاں کے آئے سر اوپر عجب وبال
ھووے زمین زیر و زبر آسماں کے ساتھ
مانندِ ریگ شیشۂ ساعت بہ اتصال

در بیانِ شجاعتِ او گوید

مستک میں فیل مست کے مارے اگر وہ تیر
گردن کے استخواں میں کبھی بند ہوئے بھال
سوفار اس طرح سے نمودار ہو رہے
جوں اژدھا پہاڑ سے جھانکے ہے سر نکال

قصیدہ در مدحِ عالمگیر ثانی

رکھے ہمیشہ تری تیغ کارِ کفر تباہ
بحق اشہد ان لا الٰہ الا اللہ
فلک پہ سبعہ سیّارہ تا قیامِ جہاں
پھرا کریں تری مرضی شریف کے ہمراہ
بسانِ رشتہ کہ دانوں میں سبحہ کے ہووے
تری ولا کو رہے اس طرح دلوں میں راہ
کرے جب آنے کو تو عزم پشت پر اس کی
رکاب داب کے اقبال بولے بسم اللہ

قصیدہ در تعریف نواب غازی الدین[1] خاں

نہیں ہے معجز عیسیٰ سے کم تری تدبیر
(۶۳ الف) کیا ہے زندہ سرنو سے جن نے عالمگیر
تمیز کیا کہوں اجرائے کار کی اس کی
کہ جس کے رمز کو پہنچے نہ آسماں کا دبیر
وہ دامِ زلفِ بتاں سے اسے کرے تن خواہ
جو مانگے فرقۂ عشاق سے کوئی جاگیر

۱۔ اصل میں 'غیاز الدین' لکھا ہے۔

در وصفِ فیل او گوید

صفِ عدو کے لیے رزم میں ہے روزِ سیاہ
ہے شمعِ بزمِ محباں کے واسطے شبِ وصل
تگانِ پا کی صدا اس کے جو سنے سو کہے
سیاہ خیمۂ لیلیٰ میں قیس ہے زنجیر
برہمن اس کو تو گنیش دیونا بولے
کہے ہے شیخ ہوا کعبۂ رواں تعمیر

قصیدہ از سرِ بہار (کذا) در مدحِ آصف‌الدولہ[1]

برجِ حمل میں بیٹھ کے خاور کا تاج دار
کھینچے ہے اب خزاں پہ صفِ لشکرِ بہار
کہتے ہیں یوں زبانیِ پیک صبا یہ حکم
پہنچا حضور سے طرفِ باغِ روزگار
مرکب جو شاخسار کے ہیں ان پہ اب شتاب
پہنچیں سوار ہو کے جوانانِ برگ و بار
ہیں بخشی و وزیر جو مریخ و ماهتاب
ان کو یہ امر ہے کہ امیرانِ نام دار
منہ کھول دو خزائنِ گل اشرفی کا تم
پکڑو قلم کو ہاتھ رکھو پیادہ و سوار
چہرۂ لکھا کے فوج[2] نگہداشت اب کرو
تعداد پوچھتے ہو تو بے حد و بے شمار

---

۱ - ''کلیاتِ سودا'' (۲/۳۰۳) میں اس قصیدے کا عنوان ہے :
قصیدہ در مدحِ نواب سیف الدولہ احمد علی خاں بہادر پسر سید صلابت خاں ۔
۲ - اصل : سرخ

اہلِ قلم جو دفترِ بخشی گری کے ہیں
(۶۳ ب) ان سے کہیں برائے تقید یہ بار بار
گلگونِ لالہ گر کہیں بے داغ رہ گیا
چیریں گے پیٹ ہر متصدی کا غنچہ وار
لینا ہے کام مجھ کو جوالانِ باغ سے
بھر بھر سپر گلوں کے نئیں دو زرِ عیار
بس اہلِ کار لالۂ خود رو سے یہ کہیں
رنگیں شتاب مسکِ پیلانِ کوہسار
دگلے ہزار رنگ کے پہناویں ابر کو
موجِ ہوا تلک ہو زرہ پوش اب کی بار
تقسیم کردیں فرقۂ غنچہ میں چلتہیں[1]
دینے دیں[2] گر رسالۂ گل ہو اسپد وار
غصے سے یک دگر کٹے مرتے ہیں یہ کہ موج
گرداب ڈھال روکے ہے مارے ہے جب کٹار
بن خود ایک دم نہیں رہتا سر حباب
ڈالے رہے ہے منھ پہ جھلم سنگ آسار
الدام حوثبار پہ اب عکس تاک سے
بکترسجا ہی دیکھوں ہوں میں لیل وکیا نہار
رنجک ہی بھر مشق اڑایا کرے ہے برق
گولے ہی ڈھالتا ہے سحاب تگرگ بار
آواز توپ و رھکلہ و رعد روز و شب
کرتا ہے یہ سپہر سے جا اس طرف گزار

۱- چلتہیں — چہل تہ ، ایک لباس کا نام ۔
۲- کلیات (۳۰۴/۱) میں مصرع اولیٰ یوں ہے : دیں دو پنے رسالۂ گل الخ

طاؤس نام وہ جو ہیں اس فوج کے نقیب
کرتے ہیں یہ صدا کہ چمنان لالہ زار
باہم بے دستہ دستہ جدی ہو کھڑے رہو (۹۴ الف)
جلدی سے باندھ کر کمر کینہ استوار
میدان صاف کرتی ہے جاروب باد تند
تا وقت کار دامن گل سے نہ الجھے خار
صد برگ و جعفری و گل اشرفی نے اب
کیسر سے بانی کرکے یہ باہم کیا قرار
سنمکھ صف فسون خزاں آوے جس گھڑی
ہو کر اتاری کیجیے میداں میں کار زار
دامن کو باندھ باندھ ہوئے مستعد سرو
قمری ہر ایک کہتی ہے یوں نعرہ مار مار
ایسا نہ ہو کہ طعن کریں ہم کو بلبلیں
لڑیو قدم کو گاڑ کے یاران طرح دار
نرگس کو باوجود ہے بیماری شدید
اس پر چمن میں آن کے وہ ناتوان و زار
للکارتی ہے یہ کہ دو بھیاں ہو جو کوئی
نالے تو بارے آن کے میرے عصا کا وار
کھرکھ کے ہر درخت سے یوں سنگترہ کا نحل
کہتا ہے گرچہ ہاتھ ہے شمشیر تیرے یار
لیکن تو دیکھیو کہ خدا وہ کھڑی رہے
کتنوں کے سر میں توڑوں گا پتھر ہی مار مار
کولی کے ہر درخت کو غصے نے ان دنوں
دیوجھ آگ سی لگا دی ہے کیجو تو اعتبار

در وصف شمشیر و تیر او گوید (۳۹ب)

تیرے هی تیغ و تیر کی دهشت ہے یاں تلک
تا وحش و طیر نے کی سلح ہونی اختیار
دراج کون سا ہے کہ پہنے نہیں زرہ
هر ایک کرگدن کے بدن پر سپر هیں چار

در بیان شجاعت او گوید

دل پر مرے یقیں ہے کہ میداں میں جس گھڑی
للکارے تو یلوں کے تئیں کھینچ کر کٹار
گوبر کرے اس آن میں رستم کا گاؤ سر
بیت الخلا کو یاد کرے سام بار بار
وصف سپر تو کیا کروں جس کا هر ایک پھول
هوجائے روز رزم عدو کے گلے کا هار

قصیدۂ دیگر

هنجوش کا هو دل تو رهے دهر سے بتنگ
باور نہیں تو دیکھ کہ نالاں سدا ہے زنگ
کردے بسان شیشۂ ساعت عجب نہیں
یک پل میں پل کے ماتے کو اوپر جو یہ کڈھنگ
شاکی تو هوں زمانے سے هر چند پر مجھے
اهل جہاں کے بخل و حسد نے کیا ہے تنگ
اتنا حسد ہے عاشق و معشوق میں کہ نور
منہ پر جو هو چراغ کے تو جل مرے پتنگ

در وصف شمشیر گوید

ہے دل کو یہ یقین کہ ہنگام کار زار
رونیں تنوں کی صف پر اگر ڈانٹ کر ترنگ
مارے تو جس کے خود پر اس کو تو کیا عجب (۵۹ الف)
ٹھہرے نہ قاش زین میں اور کاٹ کرکے تنگ
لیتی ہوئی زمین کو تحت الثریٰ تلک
چھوڑے نہ کچھ جو منہ پہ چڑھے کوہ خواہ سنگ

قصیدہ در تعریف بسنت خاں

جوہر تو کیا بتاؤں شمشیر کا تو اس کی
جس کی برش اسی سے دانا کو امتحاں ہو
کرتا ہوں ذکر جس سے اس کا وہ یوں کہے ہے
چپ رہ کسی کے جی کو یونہیں کہیں اماں ہو

در بیان دبدبۂ او می گوید

مجلس کے داب سے وہاں یہ دور ہے کہ وارد
پروانہ بے اجازت نزدیک شمع داں ہو

مطلع

صحن چمن میں کلکود کر تیرے زیر راں ہو
ہرگل پیادہ ہوکر واں طرقوا کناں ہو

در وصف فیل گوید

شان و شکوہ تیرے ہاتھی کی کیا کہوں میں
چرخی بجا ہے اس کی گر چرخ آسماں ہو

مستنک پہ رنگ اس کے جس طرح جلوہ گر ہے
گو سانجھ لاکھ پھولے یہ لطف پر کہاں ہو

قطعہ

دانتوں کے بیچ اس کے ہے جس قدر پھسوندا
وصف ضخامت اس کا کیجیے تو کیا بیاں ہو
اس دانت سے توھم اس دانت تک جو گزرے
پہنچے نہ ایک دن میں تا شب نہ درمیاں ہو
(۶۵ ب) اس قد و قامت اوپر یہ حسن ہے کہ اس کی
زنجیر پا بجا ہے گر زلف مہ وشاں ہو
گج باگ تک سہاوت چھیڑے دو یوں چلے ہے
عاشق کے وصل کی شب جس طرح سے رواں ہو

قصیدہ تضحیک روزگار

ہے جب سے چرخ ابلق ایّام پر سوار
رھتا نہیں ہے دست عناں کا بہ یک قرار
ھیں گے چنانچہ ایک ھمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ھیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ھیں ایک ، سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ و نہ تیار و نے سئیس
رکھتا ہے جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ھرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار

اس مرتبے کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار
قصاب پوچھتا ہے ہمیں کب کرو گے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں کہتا ہے یوں چمار
جس دن سے اس مصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ
گزرے ہے اس نمط اسے ہر لیل و ہر نہار
ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہیں آسماں کی طرف ہو کے بے قرار
خط شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ (۹۶ الف)
ہر دن زمیں سے آپ کو پٹکے ہے بار بار
ہر زخم پر زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار
تنہا نہ اس کے غم سے ہے دل تنگ تنگ زیں
خوگیر کا جو سینہ میں دیکھا تو ہے فگار

چون این فرس یک روز عاریتاً طلبید آن آمد عیوب او بیان نمود :

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاؤں اس کا سن
اول میں لے کے ریگ بیاں کروں شمار
لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پانو
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار

احوال سواری خود بر آن اسپ بیان نموده که یک روز از مرہٹہ مقابل شدیم :

جس شکل سے سوار تھا میں اس دن اس اوپر
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑی تھی منہ میں باگ
ٹخ ٹخ سے پاشنے کی مرے پالو تھے فگار
آگے سے توبڑا اسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب لاٹھی کے ہالکے تھا مار مار
(۶۶ ب) ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا رو بہ راہ
ہلتا نہ تھا جگہ ستی مانند کوہسار
اس مضحکہ کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبر آن میں سے کہتے تھے یوں پکار
پہیے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھ پون کے دو اختیار
پوچھے تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ کیا کیوں تجھے سوار
سمجھوں ہوں میں انھیں کہ سپاہی کے بھیس میں
ڈائن چلی ہے سیر کو ہو چرغ پر سوار
دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم
القصہ آن کر ہوا ان کا بھی واں گزار
ہر یک نے اس کو اپنے گدھے کا کیا خیال
پکڑے تھا کان دھوبی اور کھینچے تھا دم کمہار
گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کارزار
جاتا تھا جب ڈپٹ کے اسے میں حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پالو سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں شکل یوں بندھی
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف
القصہ میں نے اُن کے گھر میں لیا قرار
تب سن کے ان سے میں نے یہ قصہ دیا جواب
اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار
گفتی ہمیں بس است کہ اسپ من ابلق است
سمجھوں گا اپنے دل میں اگر ہوں گا ہوشیار (۶۷ الف)

قصیدہ سالگرہ نواب غازی الدین خاں

صبح ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی خوشی نے وہیں آ کر در دل پر دستک
پوچھا میں: کون ہے؟ بولی کہ میں وہ ہوں غافل
نہ لگی سوئی میں جس کے کسی سائی کی پلک
ہے خوشی نام مرا ، میں ہوں عزیز دلہا
زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک
کھول آغوش دل اور لے مجھے جلدی ناداں
پھر خدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک
سن کے یہ مژدۂ جاں بخش جونہیں کھولی آنکھ
اشعۂ نور کی سی مجھ کو نظر آئی جھلک
آنکھیں مل کرکے جو دیکھوں تو ہے اک بادلہ پوش
سر سے لے غرق جواہر میں ہے وہ پانو تلک
جعد وہ قہر کہ کہنے میں ہو جس کے ہر لہر
گھر ڈبا دینے کو عشاق کا دریائے اٹک

زلفیں یوں بکھری ہوئی مکھڑے پہ مانگے تھیں دل
جس طرح انگ کھلونے پہ ہٹیں ـو بالک
فتنہ اس چشم میں ایسا کہ مژہ سے خوں خوار
متصل چونکتے پاکر ، دیا کرتے ہیں تھپک
بحر خوبی کی گویا مچھلی تھی ملاپ کے بیچ (۶۷ ب)
لتھ کے حلقے میں جو دیکھے کوئی نتھنے کی پھڑک
نظر آیا نہ دھن بینی کو تنگی کے سبب
منخریں اپنی سے کو آن نے تراشی عینک
ڈھیلے پیچ اس کے نے گردن کا بڑھایا یہ حسن
جلوہ گر شمع ہو جیسے تہ دامانِ شبک
دیکھے جو اس کے کچوں کہ یہ تیقّن ہو آسے
انبو یاں تان کے یہ کام کا آترا ہے کٹک
یا وہ معجون مبہّی کی ہیں ڈبیاں ایسی
آوے ہیجان میں چھیڑے سے جنھیں روحِ ملک
ناف کے حسن کو اس کے جو کیا میں نے قیاس
دل نشیں یوں ہوا میرے کہ بلا شبہ و شک
نرگسی چشم کوئی ہوگا کہ جس کی یہ آنکھ
لگ کے چھاتی پہ صفا کے سبب آتی ہے ڈھلک
وقتِ نظّارہ مری جب نگہِ دیدۂ غور
سر سے لے اس قدِ رعنا پہ گئی پانو تلک
فندق پا لگی کہنے کہ نہ دیکھا ہوگا
سرو کے بیچ سے پھولا گلِ اورنگ اب تک
کج و واکج چلی جس طرح وہ اٹھکھیلی سے
موجِ دریا بھی اسے دیکھے تو رہ جائے ٹھٹک

کیفی یاں تک کہ یہ انداز سخن میں جس کے
کسی کو ھشت کہہ اٹھنا کسی کودوب دیک (۶۸ الف)
غرض اس شکل سے آئی جو نظر وہ کافر
کہا میں دل کی طرف دیکھ کے اللہ معک
ناگہ اس شوخ نے مجھ سے یہ کہا اے سودا
اب تو شیشہ مے اندوہ کا پتھر سے پٹک
ایسے مہماں کی تو لازم ہے کہ خاطر ہو عزیز
بادہ بھر شیشے میں، رکھ لا کے نمک داں میں گزک
آج وہ دن ہے کہ جس گھر میں تو دیکھے اس میں
کہیں ہوتی ہے بھگت اور کہیں ہے اولک
یاں تلک شیخ و برہمن نے طرب کی مصروف
دیر میں بجتی ہے مردلگ، حرم میں ڈھولک
سن کے میں نے یہ کہا اس سے کہ اے مایۂ حسن
خیر ہے، بات سمجھ کر تو کہہ اتنا نہ بہک
وجہ کچھ ہوئے تو کر مجھ سے تو اس کا اظہار
کچھ جہت ہو تو بیاں کر کہ سنوں میں بھی تنک
کر کے دریافت یہ مجھ سے کہا ان نے کہ مگر
سمع میں تیری یہ مژدہ نہیں پہنچا اب تک
آج اس شخص کی ہے سالگرہ کی شادی
کہ نہ صورت ہے وہ انسان و بسیرت ہے ملک
یعنی نواب سلیماں فر و نام آصف جاہ
عہد میں جس کے میں عیور بزرگ و کوچک
کسی کے آگے کوئی ہاتھ پسارے کیا دخل (۶۸ ب)
مٹھی باندھے ہوئے پاتا ہے تولد کودک

در بیانِ شجاعت او گوید

تجھ کو للکار کے میداں میں صفِ مرداں سے
سامنے آنے ترے کون ہے ایسا مردک
وہ جواں تو ہے کہ آگے سے ترے رستم بھی
گاؤ سر مار بغل جائے دبے پانو کھسک
کیوں نہ کوس لمن الملک تو مارے ہر دم
جب تری تیغ میں ہو جوہر بُترش یاں تک
کھینچ کر اس کو کمر سے جو لگووے اک ہاتھ
شکل نقارے کی جوڑی کے دو حصے ہو فلک

در جلدیِ اسپ گوید

گاہ آجائے نظر ، گاہ نظر سے غائب
پھر ہوا بیچ وہ شب رنگ ہے جگنو کی دمک
رو بہ رو سے اگر آئینے کے اس کلگوں کو
پھینک دے چڑھ کے جو تو شرق سے لے غرب تلک
اتنے عرصے میں پھر آوے کہ اسے باور کر
عکس بھی آئینے کے ہونے نہ پاوے منفک

در وصفِ فیل گوید

اس کی گج گاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک
(۶۹ الف) کہکشاں جوں شبِ یلدا میں نمایاں لعلک
بیٹھنے میں ہے وہ کوہ ، اٹھنے میں ہے ابرِ سیاہ
عرش رفعت میں ہے اور چلنے میں جوں چرخِ اتھک

در وصف مطبخ او گوید

کاش واں زیرے کو محصول نہ ہو کرماں کا
حاصل ہند سے پورا نہ پڑے اس میں نمک
چرخ و کہسار کو مصرف سے ہے واں کے دہشت
آب کو ہا سے مشابہ بہ پیاز و ادرک

از مثنویات اوست

مثنوی درد

کیا ہوا یارو وہ نسق میہات
لیموں کے چور کا کٹے تھا ہاتھ
اب جہاں دیکھو وہاں جھمکا ہے
چور ہے، لٹھک ہے اور اچکا ہے
دیکھیں جن نے جوراہ چاوڑی کی
پشم ہے رہزنی تلاوڑی کی
کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال
شیدی فولاد خاں ہو جب کتوال
چور کب اس کا زور مانے ہے
کالا بال اپنا اس کو جانے ہے
ہو یہ کتوال تب وہ مانیں زور
یہ تو مچھر کی جھول کا ہے چور
گشت جب اس کی پھرنے آتا ہے
یہی نرسنگھیا بجاتا ہے
سن لو چورو یہ مختصر قصّہ
صبح کو بھیج دیجیو حصّہ

جو نظر باز اس کا چترا ہے
خوب دیکھا تو جیب کترا ہے

غرض اس گفتگو سے ہے یہ مآل (۹۶ ب)
واہ واہ واہ وا رے کتوال

شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب
روزِ محشر کی دھوم ہے ہر شب

شب ہے نرسنگوں کی یہ قال وقیل
جیسے پھنکتے ہیں صورِ اسرافیل

کتے آہٹ سے ایسے بھونکیں ہیں
مردے خوابِ عدم سے چونکیں ہیں

آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے
چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے

آسماں پر بھی منعدم ہے خواب
کھلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب

بزم میں شب ہر ایک پیر وجواں
بیٹھے ہیں کرکے رزم کا ساماں

تس پہ یہ ہے کہ بہرِ طرّۂ زر
نکلے ہے چور شمع کو آکر

شام سے صبح تک یہی ہے شور
دوڑیو کپڑے لے چلا ہے چور

صبح شبنم جو گل پر ہوتی ہے
غنچے کو غنچے کے وہ روتی ہے

رات جو اپنے گھر میں کھنکارے
چور دروازے پر یہ ہنکارے

ہوگی تب تک بجا خبرداری
چور جاتے رہے نہ اندھیاری

آئینہ تک اگر تو دیکھے یار
اپنے گھر میں ہے وہ بھی چوکیدار

بے خطر دزد سے کوئی نہ رہا
اہل بیت خانہ میں بھی ہے ہو رہا

نہ ریاضت کو جاگتا ہے شیخ (۵۰ الف)
ڈر سے ہے چور آ نہ مارے میخ

خلق جب دیکھ کر کے یہ احوال
کرتی ہے کوتوال سے فریاد

بولے ہے وہ نہ میں بھی ہوں لاچار
گرم ہو چوٹٹوں کا یہ بازار

مٹ سکے مجھ غریب سے یہ خلل
ہے امیروں کے گھر میں چور محل

دیکھیے گر تو بتوں کو پھر خدا
ہاتھ میں ہے انھوں کے دزد حنا

کس کو ماروں میں کس کو دوں گالی
چوری کرنے سے کون ہے خالی

چڑھ کے جب مسندوں پہ جاتا ہوں
وقت پر میں بھی دل چراتا ہوں

مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ
ہے خدا کے بھی گھر میں چوری تھانگ

بچ سکے کیونکہ اب کسی کی شے
ملا مسجد کا صبح خیزیا ہے

رتبۂ دزدی اس قدر ہے بلند
چرخ کے گھر پہ کہکشاں ہے کمند
یہ جو سودا لکھے ہے لایعنی
آپ کرتا ہے دزدیِ معنی

مثنوی شدّتِ گرما

کیوں ہوا اس قدر ہے عالم سوز
آتشی رنگ پر ہے کیا نوروز
اب کی رت سے یہ ہوئے ہے معلوم
چمن آرا ہو شب برات کی دھوم
گرم ہے یہ بہار کا موسم
(۷۰ ب) شاخِ گل پھلجھڑی سے نہیں کچھ کم
ہے پٹاخا چٹکتے وقت گلاب
کفِ نرگس پہ چھوٹے ہے مہتاب
دستۂ گل کا کیا کہوں میں رنگ
اس میں ہتھ پھول کے سے ہیں گے ڈھنگ
غنچہ کھلنے میں یوں ہو آتش بار
جیسے پھٹتا ہو داغنے میں انار
نہیں گیندوں کے یہ چمن میں درخت
دی ہے آتش ستاروں کو یک لخت
کیا میں فوارے کا کہوں عالم
جیوں بھچنپا چھٹے ہے لے لے دم
سنگ پر یوں ہے آبشار کی دھار
چھاتی پر جوں کرے ہے نزلۂ حار

جوش ہے یہ بہار میں اس سال
لب جو پر ہے عکس گل تب خال
ہے عرق اس سے گلوں کے بیچ
گرچہ پنکھا نسیم چھوڑتی نہیں
لالے کے ہر چراغ پر اس آن
لٹ دھوئیں کی ہے شاخ نافرمان
ہے حرارت گلوں کو اب یاں تک
نہیں شبنم یہ ٹپکے ہے چیچک
پانی کو بلبلایں پھریں تھکی
طفل غنچہ کو لگ گئی چٹکی
یہ نہ لالہ کی پانی جھڑتی ہے
آگ جامے سے نکل پڑتی ہے
کیا تالاب میں ہر ایک کنول
کنول کاغذی کی طرح سے جل
خوشے انگور نے نہاں پائے (۱ے الف)
تاک کے بھی جھٹک گئے خانے
ہے پسینوں سے مے خوروں کا یہ حال
بادہ گویا ہے آب در غربال
ہووے جس سال یہ بہار کا رنگ
آگے گرمی کا کیا کہوں میں ڈھنگ
ہے ہوا سے تنور چرخ پہ گرم
جو پڑی نان مہر ہو کر گرم
اب زمیں کا زبس پڑی ہے دھوپ
سرسوں کے کھیت کا سا ہے کچھ روپ

سائے کی تیرگی پہ کر تو نگاہ
قرب سے دھوپ کے ہوا ہے سیاہ

زمیں سمجھے ہے نفسگی سے ہر آن
توہ کی بوند لوح کا طوفان

سو سمندر کا صرف کرکے جو آب
صحن یک خانہ کیجیے چھڑکاب

کیا عجب ہے نہ ہووے اتنا نم
خاک رہ جائے اڑنے سے یک دم

پانی سے پونچھیے عرق ہر چند
رسی کنکڑ کے کوزے کی مانند

خلق کا تشنگی سے ہے یہ حال
طفل کو مشک دو جواں کو پکھال

تو بھی تو پیٹ انھوں کے بھرتی نہیں
پیاسے مرتے ہیں پیاس مرتی نہیں

یہی سوچے ہے دل میں تشنۂ آب
بحر کو منہ لگاؤں مثلِ حباب

پانی کتنا ہی پیٹ میں ہو اب (۱۰ ب)
کھلے رہتے ہیں شکل آئینہ لب

رات سووے زمیں پہ جو انسان
کروٹیں یوں لے جوں توہ پرپاں

بھیک مانگے ہے جو گلی میں فقیر
دم بہ دم اس کی ہے یہی تقریر

کوئی بندہ خدا کا ایسا آئے
مجھ سے بےکس کے اب گلے کو بجھائے

ٹھیک ہوتی ہے جس گھڑی دوپہر
لگے ہے دھر دھر جلنے دھر

چیلیں کیا انڈا چھوڑ بھاگے ہیں
پر فرشتے کے جلنے لاگے ہیں

ہووے گرمی سے جب یہ حال جہاں
کہہ تو کوئی زندگی کرے سو کہاں

عیش تہہ خانہ جائے امن نہیں
اب دیکھو آرام ہے تو زیر زمیں

مثنوی ہجو فیل لاگرمل[1]

کیا ساقی نے گو مجھ کو سیہ مست
تو کر فکر بلند اے ہمت پست

قلم سے کہہ کہ ہو سرگرم تحریر
بندھے تا صفحۂ کاغد پہ زنجیر

قوی ہاتھی سے بھی اپنا سخن ہے
زبان خامہ پر یاں کجلی بن ہے

اگر ہم پیل معنی کا بناویں
تو بہتر ہاتھیوں سے کر دکھاویں

مہاوت دل ہے، نالہ بھالہ بردار
ہے چرخی پھچتی آہ شرر بار

---

۱ - ''کلیات سودا'' (۱/۳۷۵) میں اس مثنوی کا عنوان ہے :
''مثنوی در ہجو پیل واجا نرپت سنگھ۔''

سائے کی تیرگی پہ کر تو نگاہ
قرب سے دھوپ کے ہوا ہے سیاہ
زمیں سمجھے ہے نفتگی سے ہر آن
توہ کی بوند لوح کا طوفان
سوسمندر کا صرف کرکے جو آب
صحن یک خانہ کیجیے چھڑکاب
کیا عجب ہے نہ هووے اتنا نم
خاک رہ جائے اڑنے سے یک دم
پانی سے پونچھیے عرق ہر چند
رسی کنکڑ کے کوزے کی مانند
خلق کا تشنگی سے ہے یہ حال
طفل کو مشک دو جواں کو پکھال
تو بھی تو پیٹ الھوں کے بھرتی نہیں
پیاسے مرتے هیں پیاس مرتی نہیں
یہی سوچے ہے دل میں تشنۂ آب
بحر کو منہ لگاؤں مثل حباب
(۱۰ ب) پانی کتنا هی پیٹ میں ہو اب
کھلے رہتے هیں شکل آئینہ لب
رات سووے زمیں پہ جو انسان
کروٹیں یوں لے جوں نوہ بریاں
بھیک مانگے ہے جو گلی میں فقیر
دم بہ دم اس کی ہے یہی تقریر
کوئی بندہ خدا کا ایسا آئے
مجھ سے بے کس کے اب گلے کو بجھائے

ٹھیک ہوتی ہے جس گھڑی دوپہر
لگے ہے دھر دھر جلنے دھر

جیسے دیے انڈا چھوڑ بھاگے ہیں
پر فرشے کے جلنے لاگے ہیں

ہووے گرمی سے جب یہ حال جہاں
کہہ تو دونی زندگی کرے سو نہاں

خیر تھا جا نہ جائے اس میں
اب بچھ آرام ہے تہ زیر زمیں

مثنوی ہجو فیل لاگرمل[۱]

کیا ساقی نے گو مجھ کو سیہ مست
تو کر فکر بلند اے ہمت پست

قلم سے کہہ کہ ہو سرگرم تحریر
بندھے تا صفحۂ کاغذ پہ زنجیر

قوی ہاتھی سے بھی اپنا سخن ہے
زبان خامہ پر یاں کجلی بن ہے

اگر ہم فیل معنی کا بناویں
تو بہتر ہاتھیوں سے کر دکھاویں

مہاوت دل ہے ، نالہ بھالہ بردار
ہے چرخی پھچتی آہ شرر بار

---

۱ - ''کلیات سودا'' (۳۷۵/۱) میں اس مثنوی کا عنوان ہے :
''مثنوی در ہجو فیل راجا نرپت سنگھ ۔''

غرض ہاتھی خدا دیوے تو ایسا
نہ فیل راجا ناگر مل کا جیسا

مچائی جس کی کھترانی نے یہ دھوم
(۲ے الف) کہ لرزے ہے پڑا لے شام تا روم

سروں کو یوں قدم نیچے ملے ہے
چنوں کو جس طرح چکی دلے ہے

سہاوت کیا ہے جو اس کو بہالے
جو آوے شیخ بھبنا رولد ڈالے

بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال
طناب سست سے خیمے کا جوں حال

نہ بیڑی ہے، نہ کٹھ بندھن، نہ لکڑا
رکھے ہے ناتوانی اس کو حکڑا

ضعیفی نے کی اس کی فربہی کم
گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم

ہوئی یہ ناتوانی اس کے درپے
یہ ڈیل اس کا دھوئیں کی سی گرہ ہے

پر اس کے دل میں اب بھی یہ غضب ہے
کہ آتشبازی کا ہاتھی وہ اب ہے

تماشا ہو اگر وہ چھوٹ جاوے
کہ گھر کو آگ کس کس کے لگاوے

سمجھنا فیل اسے دیوانہ پن ہے
کسی مسندت کا وہ بام کہن ہے

ستوں اس کے تلے یہ پانو ہیں چار
ہیں دو دانت آگے سو گویا ہیں اژوار

جو بیٹھے یہ تو اٹھنا اس سے ہے دور
لگیں حب تک نہ اس کو راج مزدور
ہے اتنا چلنے میں بھاری یہ بدذات
نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
جو کہیے فیل اسے بہتان ہے یہ
عجائب تودہ و طوفان ہے یہ
الم ہے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر (۲۷ ب)
کہیں ہیں اس تو ہاتھی ہے یہ اندھیر
ہلاتا یوں ہے کانوں کو یہ ہر بار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کوئلوں کا انبار
جسے لا پیٹھ پر اس کی بٹھایا
گویا باروت پر دھر کر اڑایا

و علی ہذاالقیاس قصائد و مثنویات و مخمسات وغیرہ آں بزرگوار بسیار دارد ۔ ہر کہ شوق دیدن در دل خود داشتہ باشد ، دیوان کلیات او گرفتہ مطالعہ نماید کہ بچہ طور داد معانی دادہ و شعر ریختہ را بحد اعجاز رسانده ۔

(۱۷) خواجہ میردرد

مردے است فاضل و متوکل و درویشے است صاحب نسبت و کامل غواص دریائے شریعت و طریقت متواج بحر حقیقت و معرفت ، بکمال فضل و بلاغت انسانی موصوف و بجمیع فواضل و عنایات ربانی معروف و درجمیع علوم سخنوری و فنون ظاہری ماہر و بوئے فقر و صفائی باطنی از مذاق گفتارش ظاہر ۔ درمشرب صوفیہ دینی حظ وافر دارد کہ باسباب دنیوی التفاتے نمی آرد ۔ بسیار خلیق و متواضع ،

متوطن شاہ جہان آباد ، خلف الصدق خواجہ ناصر کہ از مقتدائے زمانہ بود ، (۳ے الف) شاعر نازک مزاج ، خوش خیال ، معنی یاب فاضل مستعد ، عالم مستند ، صوفی مشرب ، حنفی المذھب ، بہرہ وافی از درویشی دارد ، اکثر رسالہ در علم تصوف بہ حسب واردات غیبی کہ فقرا را درمعاملہ ظاهر می شود تصنیف نمودہ ۔ ازمغتنمات روزگار است حق تعالیٰ سلامتش دارد ۔ بہ سبب گرمی بازار ریختہ مزاجش گاہے متوجہ این فن لاحاصل می‌شد ، اگرچہ شعر و شاعری دون مرتبۂ اوست فاما چون طبع شریفش بطرف شعر میل فرمودہ ازیں سبب اسمش درطبقۂ شعراء داخل نمود ۔ این چند اشعار پردرد ازوست :

مقدور کسے ہے ترے وصفوں کے رقم کا
حقّا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقّل کے قدم کا
مانندِ حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

کبھی خوش بھی کیا ہے جی کسی رند سرابی کا
بھڑادے منہ سے منہ ساقی ھمارا اور گلابی کا

اکسیر پر مھوس اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ (۳۲ ب)
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آ کر ادھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر ، جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

دیکھیے غم سے اب کی جی میرا
نہ بچے گا ، بچے گا ، کیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بد خواہ نے کہا ہوگا
دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

گزری شب و آفتاب نکلا
تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں ورنہ یہاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا
شیخ کعبے ہوکے پہنچا، ہم کنشتِ دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تھا
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

ٹھہر جا ٹک بات کی بات اے صبا
کوئی دم میں ہم بھی ہوتے ہیں ہوا (۳ے الف)
لے نہ جاوے حرص اہل فقر کو
بہہ سکے کب موج نقش بوریا
کھل گیا جو کچھ کہ تھا اے نیستی
ہستیِ موہوم کا یاں افترا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت ، مصیبت ، ملامت ، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھی تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
تغافل ہے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب ، کوئی پردا نہ دیکھا
شب و روز اے درد دَرپے ہوں اس کے
کسی نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

کچھ کشش نے تری اثر نہ کیا
تجھ کو اے انتظار دیکھ لیا
تشنگی اور بھی سوا دیتی گئی
جیوں جیوں میں آنسوؤں کو اپنے پیا

جی میں ہے سیر عدم کیجیے گا
یک بیک خلق سے رم کیجیے گا
مورد قہر تو یہاں ہم ہیں
اور کس پر یہ کرم کیجیے گا
سخت بے باک ہے یہ خامۂ شوق
اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا (۳۰ ب)
ہم سبھی مہماں تھے واں اک تو ہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ بعد از مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ، جو سنا افسانہ تھا
ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

جان پر کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یا رہے مجھ کو ادھر دیکھنا
گرچہ وہ خورشید رو نت ہے مرے رو بہ رو
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا
سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

کام یاں جی نے جو بھی ٹھہرایا
جب تلک ہووے آپ ہی کام آیا
بے طرح کچھ الجھ گیا تھا دل
بے وفائی نے تیری سلجھایا
دشمنی میں سنا نہ ہووے گا
جو ہمیں دوستی نے دکھلایا
ہم نہ کہتے تھے منہ نہ چڑھ اس کے
درد کچھ عشق کا مزا پایا؟

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

گو نالہ نارسا ہو، نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھ سے ہوسکا
جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر (۵۷الف)
تو بھی تو درد داغ دل اپنا نہ دھوسکا

ہر چند عشق میں بھی مزا روں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط حق کی چاہ کا
دل اس مزہ سے جیونہ تو چشم راستی
اے بے خبر رہے نہ وقتہ سپاہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
ہے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے سے یہ دستور نہ تھا
رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور
شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن
میں جو پوچھا تو کہا : خیر یہ مذکور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
وہاں پہنچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
درد کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
ان نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا، گر سنا ہوگا
× دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں
کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
یک بہ یک نام لے اٹھا میرا
جی میں کیا اس کے آگیا ہوگا

ی

(۵۷ب) میرے نالوں پہ کوئی دنیا میں
بن نیے آہ، کم رہا ہوگا
لیکن اس کو اثر خدا جانے
نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا
× قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بد خواہ نے کہا ہوگا
× دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا!

مثلِ نگیں جو دل سے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے، نام رہ گیا
یا رب یہ دل ہے یا کوئی مہماں سرائے ہے
غم رہ گیا کبھی، کبھی آرام رہ گیا

هم لب کے چل بسے تھے پرا‌ے مژدۂ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا
شدت سے وہ تپاک تو موقوف ہوگئے
اب ذرہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

کسی سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کا
دل اس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

هم نے چاہا بھی پر اس کوچے سے اٹھا نہ گیا
واں سے جوں نقش قدم دل کو اٹھایا نہ گیا

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا
اتنا تو ہی نکل رہا تھا
اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
بارے پھر مہرباں ہوا ہے
بے طرح سے کچھ مچل گیا تھا

(یہاں درمیان سے کچھ اوراق غائب ہوگئے ہیں جن پر خواجہ میر درد کے کلام کا انتخاب تھا)

ب الف) . . . . صورت کہیں نہ دیکھی ہائے
جو کچھ دیکھا تو خاک پتھر دیکھا

(۲۷) محمد حسین کلیم

شاعر ریختہ ، متوطن شاہ جہاں آباد ، سپاہی پیشہ شاعر زبردست ، صاحب قدرت معنی یاب ، فکر ہایش ہمہ تلاشی و الفاظش مزین

بخوش قماشی ، طرزش طرز کسے مانا نیست ۔ چند اشعار او که انتخاب سخن‌وران ست نوشته می شود ، ازوست :

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست
وے دن گئے کلیم جو یہ شیشہ سنگ تھا

درازیٔ شب ہجران زلفِ یار کلیم
مجھی سے پوچھ کہ کاٹوں ہوں رات آنکھوں میں

ہر تار پیچ زلف کے عالم کی جان ہے
گویا یہ اژدھا تھا کہ سب کو نگل گیا
گردن اس اکڑ کے عجب یہ مروڑ ہے
آشفتہ ہو کہیں پہ نہ زلفوں سے لل گیا

میں بانکپن سے تیرے نہیں ڈرنے کا رقیب
باور نہیں تو مجھ کو تو للکار دیکھنا

نقاب اپنے رخ کا جو تو باز کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کب ناز کرتا
وفا کا ہوں پربستہ ، نہیں توڑ پنجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

لگا جب غیر سیتی ہم طبق ہونے وہ سہاں کش (۷۶ب)
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

قبر میں بھی لیے همراه گیا اپنے الم
آہ کدوں درد دل اپنا نه کسی کو سونپا

تا صبح تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا
روشن تھی شمع آہ دل اس پر پتنگ تھا

زبانِ موج سے یوں بحر کہتا ہے حباب سے
که اتنا سر بھی اٹھانا ہے جہاں میں جن نے سر کھینچا

اے شمع تیری باری ہے شب کو کہ شام تک
اپنے دنوں کو جتنا ہی رونا ہے رو چک

کمر پریشاں نے قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے
جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

چھپا ہے آ مری چشم پر آب میں دریا
کسی نے دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا ؟

ہمیں تو شانو پر بھی سر کے رکھنے کو نہ فرمایا
ملیں ہم خاک میں اور لے مزا دامن پہ قسمت

رکھتا ہے زلفِ یار کا کوچہ ہزار پیچ
اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ

طریقِ عشق میں مجنون و کوہ کن کی نمط
ہزاروں ہو گئے غارت سو ایک دو معلوم

غرورِ حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے
غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

(۷۷ الف) اس کی ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے
اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے

---

(۷۳) محمد قائم

متوطن قصبه چاند پور ، بسیار آدم بامزه و اهل درد ، متواضع ، خلیق ، مهذب صورت ، پاکیزه سیرت ، نهایت پرگو و خوش مقال و در فنون سخن وری باکمال از خوش خیالان زمان و بلند فطرتان جهان ، فکر صائب دارد و در نازک خیالی و معنی یابی داد سخن وری می دهد ـ اکثر یاران سخن را از فیض صحبت او به مرتبهٔ عالی رسانیده ، فضائل او ار حیز تحریر بیرون ست ـ بر حال ابں هیچمدان اکثر شفقت می فرماید ، اتفاق صحبت داشتن و گپ زدن بسیار می افتد ، از چند مدت در رفاقت نواب محمد یار خاں امیر که احوالش خواهد آمد ، بود ـ نواب موصوف مشق سخن از ایشاں نموده ، در اندک ایام به رتبهٔ عالی رسانیده ، هر قدر از اشعارش که در فهمید خاطر ایں هیچمداں آمده ، نوشته می شود ـ ازوست :

کیا میں کیا اعتبار میرا حواری بس افتخار میرا
اے شاہ سوار الدکے جھد زخمی ہے نہٹ شکار میرا

کدھو[1] بھی حال نیں[2] بلبل کا یوں سنا اے گل (۷۷ب)
نہ رو کے ان کے تیں[3] ہنس کے تیں[3] اڑا نہ دیا

دل چرا لے کے اب کدھر کو چلا
ہٹ ترے چور کی کہے تھی بھلا

ٹل گئے ٹالے آسمان و زمیں
لیک ہانی سے اپنی تو نہ ٹلا

فہرست میں خوبان وفادار کی پیارے
دیکھی تو کہیں اس میں ترا نام نہ پایا

جا چکے ہم جب آپ سے پیارے
کیوں نہ اس راہ سے اب آئیے گا

بندے ہیں تمھیں ہزار ہم سے
گو ایک غلام کہنہ نکلا (۔۔)

ہم سے بے چاروں کا کچھ چرخ نے چارا نہ کیا
سب کیا ان نے نہ کچھ فکر ہمارا نہ کیا
دل میں آ دل میں کہ اس در پہ جو بیٹھا ان نے
میل ہم بزمئی اسکندر و دارا نہ کیا

---

۱ - کدھو - کبھی
۲ - ۳ - نیں = بونے

جی ہمارا ہے کہ آنکھ اس سے لڑاتے ہیں سدا
جس کو خورشید نے بے پنجہ نظارا نہ کیا
(کذا) غیر کیا جاے..... ایسی طرح سے پیارے
لنک کیا کیجیے کہ ٹک تم نے اشارا نہ کیا

دل پا کے اس کی زلف میں آرام رہ گیا
درویش جس جگہ کہ ہوئی شام ، رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار رہی اور نہ یاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے اک الزام رہ گیا

پڑھ کے خط قاصد مرا ، اس بد زباں نے کیا کہا
کیا کہا سچ کہہ بتِ نامہرباں نے کیا کہا (۸ے الف)
سب خراجِ مصر دے کر تھا زلیخا کو یہ سوچ
مول یوسف سے بشر کا کارواں نے کیا کہا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا
پر دیکھنا لیتا ہو کبھی نام کسی کا
خوبوں کے طرف رکھنے کا بندہ ہوں میں قائم
ملتے ہیں کہیں ، نام ہے بدنام کسی کا

کیوں کر ہو سخن تمام اپنا
اس زلف سے ہے کلام اپنا
پہلے ہی گدھا جہاں ملے شیخ
اس کعبے کو ہے سلام اپنا

نظریں پھریں ہیں سب کی اسے دیکھ کر اب آہ
پاؤں تا فکر کیجیے کہ اغیار کا علاج

ہو گر ایسے ہی مری شکل سے بیزار بہت
تم سلامت رہو ، بندے کے خریدار بہت
تک دگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیجے
تم کو خواہندہ بہت ہم کو خریدار بہت

کیا کم ہوں سکندر سے اگر دیکھیے مجھ کو
آئینہ صفت مالکِ خشکی و تری ہوں

نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی رونے تھے سو خوں جم رہا ہے آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثالِ حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

اے دل بہ رنگ غنچہ نہ مل گل رخوں سے تو
اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں (۸۷ب)

دل تو نہیں سنے سے سمجھتا بھی ہے کوئی
جو کچھ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

میں کہا خلق تمھاری جو ذمر کہتے ہیں
تم بھی اس کا کہیں کچھ ذکر و بیان سنتے ہو

ھنس کے یوں کہنے لگا خبر اگر ہے یہ بات
ہوئے گی ویسی ہی جیسے کہ دہاں سننے ہو

راہ پنپڑے اسے رکھتا ہوں اگر گھبر کبھو
ھس کے کہتا ہے مجھے کام ہے اب پھیر کبھو

جی میں چھلیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ
میں دوانا ہوں صدا کا مجھے مت دد کرو
جی نکل جاوے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

سخن کو تیرے پایا بات کہیے
ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

قائم کو اس طرح سے تو دیتا ہے گالیاں
جس کو کسی نے آج تلک تو نہیں کیا

بزعم اس نافہم اگر بجائے لفظ 'کیا' کہ ردیف است ، لفظ 'کہا' باشد موافق محاورہ درست می نشست و الا نہ غلطی است ، چرا کہ کیا فعل و کلمۂ تو قول ، و فعل را بر قول اطلاق نمی کنند واللہ اعلم بالصواب ۔

گو تغافل سے میرا کام ہوا
پر بھلا تو تو نیک نام ہوا (۹۷ الف)
کل کی شب اس طرح کٹی قائم
آج کا روز پھیر شام ہوا

شعلہ درہم شمع کا جب باد سے ہوئے کبھی
یاد آتا ہے مجھے اس کے وہ جھنجھلانے کی طرح
کل وہ مجمع ساتھ تھا اور آج یہ صحبت نہ اہ
کس دن آیا ہے تو اپنے بے سہرانے آنے کی طرح

ادب سے آدمی آنکھوں میں خوب کٹا ہے
مگر یہ فرقۂ خوباں ہو جس طرح گستاخ

تم کو کیا قدر ہے اے دیدہ مرے رونے کی
ایک بوند آتی ہے سو خون جگر سے باہر
یہی تو اک بات پہ کیا کہیے کہ یاں تو پیارے
نکلی ہی پڑتی ہے تلوار کمر سے باہر
سو جتن کر کہیں مسکت سے لگے ہے کچھ ہاتھ
ایک قطرہ کوئی کاڑھے تو گہر سے باہر

آغاز خط کا ہے ترے عارض پہ معجزہ
شعلے کے یاں جگر سے ہوا ہے گیاہ سبز

جو سوز عشق کا چرچا وہاں نہیں قائم
تو دینے جاؤں گا کیا میں بہشت میں آتش

فی الواقع مقتضائے عشق ہمین است ۔ چناں چہ نقل کوکناری مشہور است کہ از کسے پرسید کہ آیا در بہشت پوست می شوند یا نہ ۔ کسے جواب داد کہ نمی باشند ، گفت : (۹۷ ب) ''تو یاروں کا بھی جانا گاہ گاہ ہی ہوگا'' ۔ لحاظ باید نمود کہ چہ

محبت ازیں ظاہرسی گردد۔

کس سے کہوں اس کے منہ کا نقشہ
اے وائے جبین و ہائے عارض

آج آپ مری جان پہ کرتے ہیں تاسّف
اشفاق و عنایات ، کرم ، مہر ، تلطّف

کر امتحاں ٹک ہوکے تو خونخوار یک طرف
میں آج یک طرف ہوں ترے یار یک طرف
انصاف ہے کہ غیر سے صحبت رکھوے تو گرم
بیٹھا رہوں میں مثلِ گنہگار یک طرف
سیکھے ہو کس سے سچ کہو پیارے یہ چال ڈھال
تم یک طرف چلو ہو تو تلوار یک طرف
قائم ہر ایک کوچے میں ہے طرفہ تعزیہ
یوسف ترے کی گرمیٔ بازار یک طرف
دلّال ایک سمت کو منہ سے ملیں ہیں خاک
سر پیٹتے پھریں ہیں خریدار یک طرف

قاصد پتا ہے یار کے کوچے کا بوئے خوں
جاوے اگر تو اس ستم آباد کی طرف

جب موج پر اپنی آ گئی چشم
دریا دریا بہا گئی چشم
پنجے میں مژہ کے روتے روتے
اولے کی طرح ملا گئی چشم

لیتا ہے نہ خمیازہ تجھے دیکھ کے یک گل
غنچے کے بھی انداز ہے بوسے کا دہن میں

جو کوئی در پہ ترے بیٹھے ہیں (۸۰الف)
دونوں عالم سے پھرے بیٹھے ہیں
کوئی آتا ہی نہ بھولا ہم تو
کب کے رستے کے سرے بیٹھے ہیں
کس کو دوں دوش تری مجلس میں
اپنے شفق ہی گرے بیٹھے ہیں

ہر اک صورت میں تجھ کو جانتے ہیں
ہم اس بہروپ کو پہچانتے ہیں
نہ سنبھلا آسماں سے عشق کا بوجھ
ہمیں ہیں جو یہ مگدر تانتے ہیں
ہے قادر تو خدا لیکن بتاں بھی
وہ کر چکتے ہیں جو کچھ ٹھانتے ہیں

جوں صورتِ آئینہ ترے محو جو در سے
گزرے ہیں تو پیارے پس دیوار رہے ہیں

ہاں سے اٹھ غیر کے گھر شب تو گیا کہتے ہیں
ہارے اے ننگِ مروت اسے کیا کہتے ہیں
بڑ نہ کچھ بات کو تو حضرت قائم کی کہ وہ
مست اللہ ہیں، کیا جانیے کیا کہتے ہیں

آ کو مرے نہ غیر سے کو بات چیت کی
سرکار کی آ و لنظروں کو پہچانتا ہوں میں

کیوں نہ روؤں میں دیکھ خندۂ گل
کہ ہنسے تھا وہ بے وفا بھی یونہیں

یہ اب کی شب برات اے یار تجھ بن ہم پہ یوں گزری
ہوائی تو ہماری آہ تھی اور اشک پھلجھڑیاں

قصۂ برہنہ پائی کو مری بے مجنوں (۸۰ ب)
خار سے پوچھ کہ سب نوکِ زباں ہے اس کو

جاتے ہو گر خواہ نخواہ فبہا ، بہتر ، بسم اللہ
قائم سے کوئی ہووے خفا بندہ ، خادم ، دولت خواہ

آئینے پہ کیا حصر ہے جو تجھ سے کو دیکھے
البتہ کہ آب اس کے دہن بیچ بھر آوے

خط کے آتے ہی وہ مکھڑے کی صفائی کیا ہوئی
وہ منس کدھر گئی ، وہ میرزائی کیا ہوئی
شیخ جی آیا نہ مسجد میں وہ کافر ورنہ ہم
پوچھتے تم سے کہ اب وہ پارسائی کیا ہوئی

نہ لگا دل کو اس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

میں اور اس بت کے دام میں پھنس جاؤں
ہر کسی کی خدا نہ مت کھووے

قائم برے مرنے سے ہے نزع میں سارا گھر
کچھ تو سہی اے ظالم کیا تجھ کو تمنا ہے

آنہا روند ڈالا اک عالم کا دل
بھلا شوخ یہ بھی کوئی چال ہے
پسارے ہے گل ہاتھ سب کے حضور
ہوا زر تو کیا ہی تو کنگال ہے

کرو ہو تو سے کا وعدہ ہو آج اشاروں سے
یہ چھیڑیں خوب نہیں ہم غضب کے ماروں سے

آہ کوئی جو اسے آن کے سمجھاتا ہو
دیکھیے ہیں کھڑے ہندو و مسلماں اتنے
دم بھی کچھ چیز ہے جب چوک گیا اب تمام (۸۱الف)
کون سی زیست پہ تو کرتا ہے ساماں اتنے
طفل اشک آنکھوں میں ڈالے تھے میں اپنی کنجن
کون جانے تھا کہ یہ ہوئیں کے طوفاں اتنے

دست رد کس مشتری نے اس کو مارا ہے جو اب
جنس کی دل کے کسی نے پھر خریداری نہ کی
پشت دی تنہا نہ مجھ کو مردم دیدہ نے یاں
جن نے دیکھا رو ترا میری طرفداری نہ کی

کاسۂ چشم مرا اب بھی ہے طوفاں کا تنور
گرچہ اک عمر ہوئی دیدۂ گریاں کو گئے
اے دل اس درد سے مر رہیے کہ وا خلق کو بات
ہو نہ کہنے کو کہ جی کے لیے درماں کو گئے

دل ڈھونڈھا سینے میں مرے بوالعجبی ہے
یاں راکھ کا اک ڈھیر ہے اور آگ دبی ہے

کو ، گریہ ، کہ ہے غبار جی میں
ٹک مینہ پڑے تو گرد دب جائے
میں اور سر کوے یار قائم
گو نام رہے نہ یا نسب جائے

سوز پروانہ یوں سنے ہے چراغ
کان میں جیسے تیل ڈالا ہے
چشم بر راہ ہوں میں کس کے لیے
آج یاں کون آنے والا ہے

دیکھتے غیر کے مری اس سے نگاہ لڑ گئی
کام ہی چل بہ چل ہوا ، بات ہی سب بگڑ گئی
کون ہے قائم اس جگہ جس کو نہیں کسی سے ربط (۸۱ ب)
میری ہی چاہ کی فقط شہر میں دھوم پڑ گئی

شکوہ اغیار سے ، نے یار کی بیزاری سے
جو ہوا ہم پہ سو اس دل کی گرفتاری سے

ھر قدم کوے بتاں کارگہ سینا ہے
دیکھیو بچ کے سنبھالے ہوئے ، ھشیاری سے
رو کے پوچھا میں : میسر ہو ترا کیونکہ وصال؟
ھنس کے کہنے لگا : طالع کی مددکاری سے
شور مجھ حسن کا گر عالمِ علوی میں نہیں
مہر و مہ جھانکیں ھیں کیوں پردۂ زنگاری سے
غافل اس لب سے نہ مقدور حذر بہتر ہے
شہر اک عالم کا جلا ہے اسی چنگاری سے
اب ٹھہری ہے گویا عشق ہمارے گھر کی
جو موا غم میں سو آخر اسی بیماری سے
حسن کو تیرے میں یوسف سے مقابل کرتا
کون رونق ہو پہ ھر سوق و بازاری سے
ھائے قائم نہ ہوئی آنکھ پسیجی اک دن
اس رونے ہے سدا خوفِ سیہ کاری سے

از رباعیاتِ اوست :

رھنا ھر گھر کے بیچ شب کا چھوٹا
ملنا خوباں کے ساتھ کب کا چھوٹا
اک خو سی ہے دکھونے کی اب سو قائم
کیا کیجیے تجھ سے یہ نہ لیکا چھوٹا

قائم وہ نہیں ھم کہ گدائی کرتے
یا بیٹھ کے تخت پادشاہی کرتے

اس شانِ غیور کے مناسب یہ تھا
یک چند اگر جیتے خدائی کرتے (۸۲ الف)

کیا پشم ہیں دنیا کے تو یہ اہل نعیم
عزت نہ کریں اپنی جو دے کر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ
محراب جو خم ہو نہ برائے تعظیم

رباعی در مرثیۂ پسرِ خود گفتہ

کیدھر ہے تو اے قرار دل کے میرے
تجھ بن ہے دلوں کو بے قراری گھیرے
کس کھیل میں لگ گیا خدا جانے تو
بے کار پڑے ہیں سب کھلونے تیرے

کہتا ہے کبھی کہ میں ہوں بیرون درون
کہتا ہے کبھی کہ میں ہوں بےچون و چگون
جو بات نہیں ہے پھر کرے ہے نسخہ
اللہ بھی دیکھا تو ہے طرفہ معجون

قائم کی جو شوکت و گدائی دیکھی
درویش کے روپ میں خدائی دیکھی
پروا نہ تھی گر کرے دو عالم سجدہ
سنتے تھے جسے سو کبریائی دیکھی

دیکھ حال مرا ، اٹھا کے سو سو حیلے
ساتھی بھاگے سب اپنا اپنا جی لے

ابھی یہ کفش میں نہ چھوڑوں گی قدم
سو اس کے بھی ہوچکے ہیں کتنے ڈھیلے

از مثنویات اوست :

مثنوی درشدت سرما گفتہ

سردی اب کے برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید
ان دنوں چرخ پر ہین ہے سپہر
منہ میں کانگڑی رکھے ہے سپہر
ہانی پر حس حکہ کہ کائی ہے
سبز وہ شال کی رضائی ہے
دیکھ گل پر صبا نہیب برد
بھرتی پھرتی ہے ہر طرف دم سرد
جس طرف . نگاہ جاوے ہے
جو ہے جوں بید تھرتھراوے ہے
بے حرارت ہیں سردی کے مارے
طرح یعقوب کے اب انگارے
ہے یہ آفت چراغ تک درپے
لو گویا کپھر تاہے شمعی ہے
جاڑا لگنے کا یخ تلک ہے حرف
لپٹے رہتے ہیں نمدوں میں ہی برف
شب جو رخشندگی پہ برق آوے
ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جاوے

کیا کروں اس کے حسن کو تقریر
جوں کسوٹی پہ سونے کی ہو لکیر

باؤ سے برگ کھڑکے ہیں اس بحالت
کبھے تو باجتے ہیں دالت سے دالت

آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھٹھرتی ہے
گودوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے

دیں ہے برباد ٹھنڈ سے یک دست
جو کوئی ہے سو آفتاب پرست

گر کسی مہروش کو دیکھے ہے
شیخ بھی اپنی آنکھیں سینکے ہے

دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات
کالے کمل میں رات کاٹے ہے رات (۸۳ الف)

قائم آخر ہے سردی کا مذکور
شعر بھی گر خنک ہوں رکھ معذور

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

مثنوی در ہجو طفلِ پتنگ باز

ایک لونڈا پتنگ کا ہے کھلاڑ
ڈور میں اس کی . . . ہیں ہزار

جس کو جانے ہے کچھ پکے والا
اس کے پیچھے ہے آپ پنچھالا

کسی سے ان نے منہ نہیں موڑا
کل سیرا لام کو نہیں چھوڑا

خواہش کی تصحیح کلیات قائم مرتبہ

جس کا پورا نظر پڑے
کھاوے واں کھرنیاں یہ سو سو بار

چاہے جس دم پتنگ اڑاوے یہ
اور مطلق ہوا نہ پاوے یہ

کسی بوھائی سا تھ وہ جا کر
ناؤ پیدا کرے ۔۔۔۔ کر

کود سی جس کی جا نہ ذرہ لیٹ
ڈھول پنڈے کو اور دکھ کر پیٹ

لینے فرصت نہ دے تنک اس کو
لوٹ لے سر سے پانو تک اس کو

۔۔۔ کو یہ جب کھاتا ہے
یہ کٹتا وہ کٹتا جاتا ہے

کوئی کیسا ہی اس سے کنیائے
آخر اس کو یہ پیچ میں لائے

اپنا عاشق یہ جس کو پاتا ہے
انگلیوں پر اسے نچاتا ہے

نہیں جس ۔۔۔ کے پاس ازار
اس کو سمجھے ہے یہ لنگوٹیا یار

ٹک جو ڈھیلا کسی کو سنتا ہے (۸۳ب)
سر کھڑا اس کے گھر پہ دھنتا ہے

ٹکڑا شیشے کا دو جو اس کے ہاتھ
پھیر مانجھا چڑھاؤ ساری رات

۔۔۔ کی ہے جہاں پہ ان نے سبیل
اس سے جو لگ چلے نہیں اسے ڈھیل

هر چار طرف لفر کھڑے ہیں
کیچڑمیں میاں رُندے کھڑے ہیں

مت جان ہے پالکی جھوں پرس
کچھ ان کو نہیں ہے اس سے وسواس

کیچڑ سے گئے ہیں ان کے بھی ہوش
پھرتے ہیں ہمیشہ خانہ بردوش

رتھ میں جو کوئی سوار ہیں یاں (۴۸ب)
وہ سب سے زیادہ خوار ہیں یاں

چلنے کا کرے جو یک قدم میل
پھر پہیے نہ رتھ نہ آپ نے بیل

یاں تک ہیں چقرزمیں کے گہرے
تا تحت ثریٰ کہیں نہ ٹھہرے

جو گاو زمیں کہیں ہیں مردم
سو بیل یہیں ہوا تھا وہ گم

گھوڑا ہو جو اونٹ کا سا ہوتا
سو کبھی وہ جگہ میں کھائے غوطہ

اور نم ہو زمیں جہاں کم و بیش
ہاتھی کو ہے واں تو فکر درپیش

اللہ رے شدت گل ولاے
رہتے ہے جہاں خیال کا پاے

———

مثنوی ہجو حجّام مشتمل بر سرگزشت خود گفتہ

اب جو حجّام اپنے ساتھ ہے یاں
سو وہ بھڑوا، پلشت، کندہ دھاں
شکل و صورت سو یہ لطیف و نکو
پھر حجامت، سو جانتا ہے تو
ہاتھ سے اس کے جس کے سر پہ ہے کھال
پلپلے آم کا سا ہے کچھ حال
غرض اک دن تھی میری کم بختی
جانے کیدھر نصیبوں کی سختی
ساتھیوں سے کہا میں اپنے تمام
لاویں اصلاح کو مری حجّام
ووھیں کوئی آسے بلا لایا
لوگ بولے کہ ہاتے وہ آیا
زالو تہہ کر کے جب وہ آ بیٹھا
دل میں میرے اک ہول سا بیٹھا
تب میں اس سے کہا کہ سن اے دوست (۸۵ الف)
سر نہادم ہر آنچہ خاطر اوست
جب گلوبند ان نے باندھ دیا
پھر تو گویا گلے کو باندھ دیا
نہ اس آفت کے دیکھنے کو فقط
جمع مردم تھے مژہ کی سی نمط
اس مصیبت پہ تا کریں وہ نظر
نکل آئیں تھیں بھی سے باہر

رک کے دم بولتا تھا ھچّر ھوں
جیسے دمڑی کے لڑکے کی چوں چوں

میں جو دیکھا کہ اب نہیں چارا
آج اس بیٹی . . . نے مارا

اک کلے پر تھا ایک سر پر ھاتھ
ھو کے مضطر کھڑے تھا اس کے میں ساتھ

ھاھا استاد جی شرط ھم تم میں
بس کر اس بار اگلے اب جمّیں[1]

لیک وہ بھڑوا کوئی مانے تھا
بائیں پشم اپنی کس کو جانے تھا

آڑے ھاتھوں جب ان نے سر کو لیا
سرنوشتِ ازل کو میٹ دیا

آنسو گرتے تھے جب وہ دے تھا فشار
گویا دانہ تھا اشک سر تھا انار

دیکھ کر میری یہ کچھ حیرانی
شرم سے آئینہ بھی تھا پانی

نہ کٹوری کی ایک چشم تھی تر
سر بہ جیب استرے بھی تھے یکسر

شانہ منہ سے رہا تھا انگلیاں جوڑ
یعنی ھاھا جکی جکی اسے چھوڑ (کذا)

موچنا اپنے بالدھ کر کے ھاتھ
حال میرا کھڑے تھا اس کے ساتھ

---

۱ ۔ جمعہ کی بگڑی ہوئی شکل ۔

(۸۵ ب)

کبھی پکڑے تھا منہ میں بال سے تن
کہ نہ مار اس کو جی سے آج کے دن
زخموں کی زیادتی جو مد نظر ہوئی
ہر جگہ پر چپکی ان نے روئی

بسکہ تن پر ہوا روئی کا ودور
ہولی کا تھا یہ روسیہ لنگور
ہو چکیں سر پہ جب یہ آ میں سب
چاہا ان نے کہ رخصت ہو جیے اب

میں انفر سے کہا جو ہے معتاد
دو وہی چار پیسے کم نہ زیاد
جوں یہ حرف آشنا ہوا لب کا
نہ وہ کافر تو بر سا بھبکا

بولا بس یہ بھی مسخری ہی ہوئی
اس سے دونے کے مول کی ہے روئی
یہ جو معتاد آپ دلوائی
ہوتی نہیں پشموں کی بھی منڈوائی

میں جو دیکھا پکار کا اسلوب
جی میں سوچا کہ ہے مصالحہ خوب
تو اگر اس کو اب نہ ٹالے گا
پھر یہ وہی استرا نکالے گا

پھر نہ جانے کہ ہوئے کیا احوال
اب تو چندیا پہ ایک بھی نہیں بال
تب تو جوں توں کے ٹالا اس کے تئیں
کہ ٹلے سر سے یہ بلا بھی کہیں

حکایت دیگر

اک اندھے سے پوچھا کہ اے گوشہ گیر
تو کھاوے گا مطبخ میں پکتی ہے کھیر
کہا کھیر کے حال سے دے نشاں
کہ ہوتی ہے کیسی وہ اے مہرباں
نہ سمجھا یہ اس کی جہالت کا بھید
کہا مثل بگلے کے ہو ہے سفید
کہا ڈول بگلے کا ہوتا ہے کیا (۸۶ الف)
کہ یہ نام ہے کان سے آشنا
کیا اُن نے اک ھاتھ اپنے کو خم
کہ یہ سر ہے اس کا وہ پشت و شکم
لگا کہنے نہ کر کے اس کو قیاس
کہ نگلی نہ جاوے گی اپنے تو پاس
سو وجداں ہے جس ماہیت کا بصیر
نظر اس کی کہنا ہے اندھے کی کھیر
ہے قائم جو کچھ تجھ کو عقل و خبر
تو آ، ان حکایات سے در گزر
میں ڈرتا ہوں اس طول تقریر سے
ہو نہ جانے بگلا کہیں کھیر سے

مثنوی دیگر درھجو کسے متصدی گفتہ و مضمون باد ہوائی بستہ

بیٹھ دفتر میں جب وہ مارے پاد
ہوں کچہری میں منتشر افراد
بس کہ پادے ہے متصل یہ تمام
. . . . کی مہر گھس گئی ہے تمام

شش جہت میں جو کچھ بھری ہے باؤ
ہے یہ سب ان کے کوزتا پھیلاؤ
ہووے جب یہ جہاں کا احوال
ہوں نہ عالم کبھے خلا کو محال

اب تو پادے ہے جس جگہ یہ بلشت
خاک اڑجاہے واں کی یک دو بلشت
پر جو کچھ دن یوھیں گذشت ہوے
کاغذ سے یہ تو کھود دیں گے کوے

گاہ طوطی کا دے ہے جھنکارا
گاہ یہ شدت کہ گونجے شہر سارا
دے ہے ہر وقت اک نئی آواز (۸۶ب)
کاغذ ہے یا کہ بلبل شیراز

کل کہے تھا کوئی یہ نادر بات
کہ گئے تھے یہ اک مہوش ساتھ
کیا ضرورت کہ جاکے پیش سنار
ایسا اک راز تو کرے اظہار

تھوڑے سے کوئلے ہوں جو آمادہ (کذا)
دھونکنا پھونکنا ہے پھر زیادہ
گو سہاگے کی کرچ مت ڈالو
سیر تانبا تو مجھ سے گلوالو

کیا کرے گا تو مشک اور دمیں
ساری باتوں کو بس ہیں ایک ہمیں
جوں سنا ان نے یہ کلام لطیف
ہنس کے کہنے لگا وہ مرد ظریف

واہ لالہ جی تم میں یہ گن ہے
بل بے وہ کون جس میں یہ دھن ہے
پیٹ ہے یا یہ باؤ کا صندوق
.... ہے یا فرنگ کی بندوق

مثنوی سامان ہولی و مثنوی شاہ لدھا کہ فقیرے تکیہ دار عاشق مزاج مجنون منش درنواحی پنجاب بود بسیار بادا ہائے رنگیں بستہ ، از اول تا آخر ہمہ اشعار التخابی است ، دریں مختصر گنجایش ندارد ۔

(۴۷) میر

محمد تقی، تخلص میر، متوطن اکبرآباد ، ہمشیر زادہ سراج الدین علی خاں آرزو مصنف ''تذکرۂ شعرائے ہندوستان''صاحب دیوان مربوط و کلام ، از اعاظم مستعدان (۸۷ الف) و اکابر عالی فطرتان زبان خواست ، شاعر پر مغز و ہمہ داں ، استاد ہم چشماں ، اکثر سخن طرازاں و معنی یاباں محاورات و روزمرات ایں فن از ایشاں اخذ نمودہ اند ۔ از مغتنمات زمانہ و استاد یگانہ ، سہ سوار سمند عرصۂ فصاحت ، فارس مضمار بلاغت، مجمع قابلیت و ہنر صاحب طبع و خوش فکر ، سرآمد مستعدان عصر ، محاورہ داں و متین ، متلاشی مضامین رنگین ، متجسس الفاظ چرب و شیرین ۔ ہر چند سادہ گو است ، اما در سادہ گوئی ، تہہ داری و پرکاری او ظاہر و نمودار است ، از مدتے بسبب افراط و تفریط روزگار ناھنجار ہمراہ ناگرمل کہ دیوان تن و دخیل بادشاہی بود ، در قلعۂ ڈیگ شنیدہ می شود ۔ حق تعالیٰ زندہ دارد ، از نتائج فکر صائب اوست :

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ (اس) نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوست پیکاں تیر کا

کس طرح سے مانیے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

دریں زمین مطلع مرزا رفیع السودا چرب و شیریں تر است :

سودا : ہو یہ دیوانہ مرید اس زلف چھٹ کس پیر کا
سلسلہ بہر ہے سودا کے لیے زنجیر کا (۸۷ ب)

از میر است :

شب درد و غم سے عرصہ مرے جی پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھی یا روز جنگ تھا
مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کوئی کیونکہ سوتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میر
سمند ناز کو اک اور تازیانہ ہوا

عید آئندہ تک رہے گا گلہ
ہو چکی عید، تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو، ہائے رے صرفہ نگاہ کا

هم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا
جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانہ ہی گیا

کفِ جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کوئی ہو
اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگِ حنا چھوٹا

نہ گئی تسبیح اس کی نزع میں بھی میر سے ہرگز
اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا
خبر آمد کی سن کر تیری اے بیرے بابانی (۸۸ الف)
کلیجا ریگِ صحرا کا بھی دس دس گز نہلکتا تھا

مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

صحرا میں سیل اشک مرا جابجا پھرا
مجنوں بھی جس کی موج میں مدت بہا پھرا
کم طالعی سے مجھ کو یہ دولت ہوئی نصیب
سر پر ہزار بار مرے آ ہما پھرا
دیروحرم میں کیوں کہ قدم رکھ سکوں میں میر
ایدھر تو مجھ سے بت پھرے، اودھر خدا پھرا

دل پہنچا ہلاکت کو نپٹ کھینچ کسالا
لے یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالہ

خوبی کو اس کے چہرے کی کیا پہنچے آفتاب
ہے اس میں اس میں فرق زمیں آسمان کا

مرا سر نزع میں زانو پہ لے کر یوں لگا کہنے
کہ اے بیمار میرے جلد مجھے آساں ہو مر جانا

اس میں حیراں ہوں کہ کس کس کا گلہ تجھ سے کروں
بدگمانی کا ، تغافل کا ، ترے کینے کا ؟
میر کی نبض پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طبیب
آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

تماشا دیکھنے ہنستا چلا آ
کرے ہے شیشہ بازی میرا رونا

سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں
پر ہم بھی ہوگئے ہیں گرفتار ایک طرح

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا
اک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا
افسوس میرے مرنے پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتاؤنا عبث ہے ، جو ہونا تھا ہو چکا

ہر صبح حادثے سے یہ کہتا ہے آسماں
دے جامِ خون میر کو ، گر منہ وہ دھوچکا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہو جیو اس جی کی چاہ کا
یک قطرہ خون ہوکے زمیں سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں‌پناہ کا

کیا دن تھے وہ کہ یاں بھی دلِ آرمیدہ تھا
رو آشیانِ طائر رنگ پریدہ تھا
مت پوچھو کس طرح سے کٹی رات ہجر کی
ہر نالہ میری جان کو تیغِ کشیدہ تھا

کھب گئی جی میں تیری بانکی ادا
اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا

سنو ہو ، جل ہی بجھوں گا کہ ہو رہا ہوں میں
چراغِ مضطرب الحال ، صبح گاہی کا

مولد رکھنا چشم کا ہستی میں عینِ دید ہے
کچھ نظر آتا نہیں جب آنکھ کھولے ہے حباب
(۸۹ الف) مت ڈھلک مژگاں سے میری اے سرشکِ آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھ خورشید تجھ کو اے محبوب
عرقِ شرم میں گیا ہے ڈوب

میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

ناک کی چھانہہ ہوں جوں مست پڑے سوتے ہوں
اینڈی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے بیچ

ہے سنگ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد!

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار
ساقی تو ایک بار تو توبہ تڑا مری
توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

وہ جو عالم اس کے اوپر تھا سو خط نے کھودیا
مبتلا ہے اس بلا میں پر اک عالم ہنوز

باقی نہیں ہے دل میں یہ غم ہے بجا ہنوز
ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز؟

برسا چلی چکی تلوار تری چال پہ شوخ
دیکھیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز

اے ابر جا تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہے یہ چشم تر ہی بس

---

۸۹ ب) نقاش کیوں کہ کھینچ چکا تو شبیہِ یار
کھینچوں ہوں ایک نازھی اس کا میں اب تلک

بھلا تم غد دل لے کر ہمیں دشمن گنو اپنا
کبھی کچھ ہم بھی کرایں گے حسابِ دوستاں در دل

دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستم گر
ہوں خاک سرِ راہ کوئی دم میں ہوا ہوں
آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنرِ عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں، کڑھنے میں بلا ہوں

جب دردِ دل کا کہنا میں دل میں ٹھانتا ہوں
کہتا ہے: بن کہے ہی میں خوب جانتا ہوں

اس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر
شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں
فرصتِ خواب نہیں ذکرِ بتاں میں ہم کو
روز و شب رام کہانی سی کہا کرتے ہیں

ملنے لگے ہو دیر دیر، دیکھیے کیا ہو کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی، بندے میں کچھ رہا نہیں

عاشق ہے یا مریض ہے، پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جوان کو میں

میں وہ پژمردہ سبزہ ہوں کہ ہو کر خاک سے سرزد
نکلا یکایک ... اس آسماں کی پائمالی میں
میسر اسے تو فردوس اعلیٰ میں لے جا کہ
نہ سکھلا ... از عشق مجھ کو ہو رد ملی ...

یہ غلط کہ میں پیا ہو قدح شراب تجھ بن
نہ گلے سے میرے اترا کبھی قطرہ اب تجھ بن
کٹی عمر میری ساری جیسے شمع تاؤ کے بیچ (۹۰ لف)
یہی رونا، جلنا، گلنا، یہی اضطراب تجھ بن
یہ ہے بستی عاشقوں کی، کبھی سیر کرنے چل تو
کہ محلے کے محلے پڑے ہیں خراب تجھ بن

گزرے ہے شب خیال میں خوباں کے جاگتے
آنکھیں لگا کے ان سے میں ترسوں ہوں خواب کو
اب تو نقاب منہ پہ لے ظالم کہ شب ہوئی
شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو

صدائے آہ جی کے پار ہووے تیر سی شاید
کسی بے درد نے کھینچا کسی کے دل سے پیکاں کو
کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسی دیوار کے سائے میں منہ پر لے کے داماں کو

اس کی طرزِ نگاہ مت پوچھو
جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو
میرؔ عاشق کو کچھ کہے ہی بنے
خواہ وہ پوچھو خواہ مت پوچھو

رات ساری تو کٹی سنتے پریشان گوئی
میرؔ جیو کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

ٹک چشم میں بھی سرمے کا دنبالہ کھینچیے
اس مست کے بھی ہاتھ میں تلوار ایک دو

دردِ دل ، زخمِ جگر ، کلفتِ غم ، شامِ فراق ،
آہ عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ
قبلہ و کعبہ ، خداوند ، ملاذ و مشفق
مضطرب ہو کے اسے ہم نے کہا کیا کیا کچھ (۰ ۹ ب)

دل پرخوں ہے یہاں ، تجھ کو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو ، کہاں ہے شیشہ
جا کے پوچھا جو میں کل کارگہ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ
کہنے لاگا کہ کدھر بھکا پھرے ہے اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے یہاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشے کی بنائی ہے ، کہاں ہے شیشہ

بنے یہ کیوں کہ ملے تو ھی یا ھمیں سمجھیں
ھم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

چمن پر نوحہ و زاری سی ھے، کس گل کا ھے ماتم
جو شبنم ھے تو گریاں ھے، جو بلبل ھے تو نالاں ھے

ایسے ھنس مکھ کو شمع سے تشبیہ
شمعِ مجلس کی روتی صورت ھے

سمجھے ھے نہ پروانہ، نہ تھامے ھے زباں شمع
وہ سوختنی ھے تو یہ گردن زدنی ھے
لیتا ھی نکلتا ھے مرا لختِ جگر اشک
آنسو نہیں گویا کہ یہ ھیرے کی کنی ھے

میر پھر کہیو سرنوشت اپنی
بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ھے

اچنبھا ھے اگر چپکا رھوں مجھ پر عتاب آوے
و گر قصہ کہوں دل کا تو سن کر اس کو خواب آوے
لپیٹا ھے دل سوزاں کو اپنے میر نے خط میں
الٰہی نامہ بر کو اس کے پہنچانے کی تاب آوے

کیا خط لکھوں کہ گریے سے فرصت نہیں رھی
لکھتا ھوں تو پھرے ھے کتابت بہی بہی

ہوگئی شہر شہر رسوائی
اے مری موت تو بھلی آئی

تمام اس کے قد میں سناں کی طرح ہے
لکیلی لپٹ اس جواں کی طرح ہے
تعلق کرو میر اس پر جو چاہو
مری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے

کب تلک جی رکے خفا ہووے
آہ کر لے کہ ٹک ہوا ہووے
بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم
دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہے یہ بازارِ جنوں ، منڈی ہے دیوانوں کی
یاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب
یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی
کیوں کہ کہیے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا
گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

غافل میں رہا تجھ سے لپٹ تا بہ جوانی
اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی
بھاتی ہے مجھے اک طلب بوسہ میں وہ آن
لکنت سے الجھ جاکے تجھے بات نہ آنی (۱۰ ب)

بزم میں سے اب تو چل اے رشک صبح
شمع کے منہ پر تو پھر گئی مردنی

مرگیا کوہ کن اسی غم سے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

دیوار کہنہ ہے یہ ، مت بیٹھو اس کے سائے
اٹھ چل کہ آسماں سب کاواک ہوگیا ہے
زیر فلک بھلا تو رووے ہے آپ کو میر
کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہوگیا ہے

کل ہم سے اس سے بارے ملاقات ہوگئی
دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہوگئی
اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اس کے روبرو
رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہوگئی

سجدہ کرنے میں سرکٹیں ہیں جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے
میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

گئے جی سے ، چھوٹے بتاں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے
نہ شکوہ شکایت ، نہ حرف و حکایت
کہو میر جیو آج کیوں ہو خفا سے

ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گل کے
بو گئی کچھ دماغ میں گل کے

قابل آغوش ستم دیدگاں
اشک سا پاکیزہ گہر چاہیے
(۲۰ الف) حال یہ پہنچا ہے کہ اب ضعف سے
ملتے پلک ایک پہر چاہیے
شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

ہر شب گلی میں اس کی روتے تو رہتے ہو تم
اک وقت میر صاحب طوفان ہو رہا ہے

برقع کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر آوے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے
ہم آپ سے جاتے رہے ہیں ذوق خبر میں
اے جان بلب آمدہ رہ تا خبر آوے
ٹک بعد مرے میرے طرف داروں کنے[1] تو
کوئی بھیجیو ظالم کہ تسلی تو کر آوے
کہتے ہیں گیا ہے ترے کوچے کی طرف میر
تب جالیے وہ خانہ خراب اپنے گھر آوے

---

۱ - کنے بمعنی کے پاس (متروک)۔

طاقت نہیں ہے جی میں ، نے اب جگر رہا ہے
اور دل ستم رسیدہ کچھ ظلم کر رہا ہے
مارا ہے کس کو ظالم اس بے سلیقگی سے
دامن تمام تیرا لوہو میں بھر رہا ہے

قبر عاشق پر مقرر روز آنا کیجیے
جو گیا ہو جان سے اس کو بھی جانا کیجیے

تڑپھنا بھی دیکھا نہ بسمل کا اپنے
میں کشتہ ہوں انداز قاتل کا اپنے
نہ پوچھو کہ احوال ناگفتہ بہ ہے
مصیبت کے مارے ہوئے دل کا اپنے

بید سا کانپتا تھا مرتے وقت (۹۲ ب)
میر کو رکھیو مجنوں کے تکیے

میر کی بات پہ ہر وقت بھی جھنجھلایا نہ کر
سڑی ہے ، خبطی ہے وہ ، شیفتہ ہے ، مفتوں ہے

بے کس ہوں مضطرب ہوں مسافر ہوں بے وطن
دوریٔ راہ بن مرا ہمراہ کون ہے

رونے سے دن کٹیں ہیں ، آہ و فغاں سے راتیں
گر شغل ہے تو یہ ہے ، مذکور ہے تو یہ ہے

تیرا خرام دیکھے تو جا سے نہ ہل سکے
کیا جی تدرو کا کہ ترے آگے چل سکے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے تب فراق کہ گرمی میں مر گئے
تلوار آپ کھینچیے، حاضر ہے یاں بھی سر
بس عاشقی کی ہم نے جو مرنے سے ڈر گئے
یہ راہ و رسم دلشدگاں گفتنی نہیں
جانے دو میر صاحب و قبلہ جدھر گئے

کاتب کہاں دماغ کہ اب شکوہ ٹھانیے
بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے

حال بد، گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
سب کو مرنا ہے یوں تو پر اے میر
آتی ہے اک تری جوانی کی
تشنہ لب مر گئے ترے عاشق
نہ ملی ایک بوند پانی کی

آج پھر بے قرار ہیں ہم بھی
بیٹھ جا، چلنے ہار ہیں ہم بھی

(۹۳ الف) دشمنی جانی ہے ہم سے اب تو غیروں کے لیے
ایک کا سا ہو گیا وہ بھی کہ ہم یاروں میں تھے (کذا)

مر گئے لیکن نہ دیکھا تو نے ہرگز آنکھ اٹھا
آہ کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے

برقع اٹھا تھا یار کے منہ سے سو شرم سے
کل میر آفتاب نے جوں تیوں کے رات کی

سرھانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منہ کو چھپا کر چلے
نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

از غزلیات تازۂ اوست کہ بایں راقم الحروف نوشتہ :
برقع اٹھا تھا منہ سے مرے بدگمان کا
دیکھا تو اور رنگ تھا سارے جہان کا

---

۱ - یہ اشعار خود میر نے انتخاب کرکے اس تذکرے میں شمول کے لیے بھیجے تھے - ان میں بعض مکرر آ گئے ہیں یعنی گذشتہ انتخاب میں جو مؤلف تذکرہ نے کیا ہے ، موجود ہیں ایسے اشعار پر نشان (×) لگا دیا گیا ہے -

× خوبی کو اس کے چہرے کی کیا پہنچے آفتاب
ہے اس میں اس میں فرق زمین آسمان کا
تو برسوں میں کہے ہے ملوں گا میں میر سے
یاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اس جوان کا

ہارھا گور، دل جھکا لایا
اب کی شرطِ وفا بجا لایا
دل مجھے اس گلی میں لے جا کر (۹۳ ب)
اور بھی خاک میں ملا لایا
اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا
عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے، ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا
کس کا کعبہ، کیسا قبلہ، کون حرم ہے، کیا احرام
کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا
شیخ جو ہے مسجد میں ننگا، رات کو تھا مے خانے میں
جبہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی، مستی میں انعام کیا

ایسے آہوے رم خوردہ کی وحشت کھونا مشکل ہے
سحر کیا ، اعجاز کیا ، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا
میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھتے ہو اب تو ان نے
قشقہ کھینچا ، دیر میں بیٹھا ، کب کا ترک اسلام کیا

ہونے پہ جمع اپنے پھولا بہت تھا لیکن
کیا غنچہ تنگ آیا جب وہ دہاں بنایا (۴۹ الف)
وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی میر جیو کی
دو چار اینٹیں رکھ کر پھر میں نشاں بنایا

اس کام جان و دل نے عالم کا جان مارا
زلفوں کی برہمی سے برہم جہان مارا
بلبل کا آتشیں دم دل کو لگا ہمارے
ایسا ، کسو نے جیسے چھاتی میں بان مارا
کیا خون کا مزا ہے اے عشق تجھ کو ظالم
ایک ایک دم میں تو نے سو سو جوان مارا
ہم عاجزوں کے اوپر یوں کوہ غم گرا ہے
جیسے زمیں کے اوپر اک آسمان مارا
کہتے نہ تھے کہ صاحب اتنا کڑھا نہ کریے
اس غم نے میر تجھ کو جی سے ندان مارا

مکث طالع دیکھ وہ ایدھر کو چل کر رہ گیا
رات چوتھی چاند سا گھر سے نکل کر رہ گیا
ہم تو تھے سرگرم پابوسی ، خدا نے خیر کی
لیمچہ کل خوش غلاف اس کا اگل کر رہ گیا

ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر پر
برسوں سے جلتا تھا شاید رات جل کر رہ گیا

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات
پر ہم سے تو تھمے نہ کبھو منہ پر آئی بات
رک کر تدرو رہ گئے دیوار باغ سے
رفتار کی تری جو صبا نے چلائی بات
بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
پوشیدہ کب رہے ہے کسی کی اڑائی بات
اک دن کہا تھا میں کہ خموشی میں ہے وقار (۴۹ ب)
سو مجھ سے ہی سخن نہیں میں جو بنائی بات
خط لکھتے لکھتے میر نے دفتر کیے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

ہو کوئی بادشاہ کہ کوئی وزیر ہو
اپنی بلا سے ، بیٹھ رہے جب فقیر ہو
ایسا ہی اس کے گھر کو بھی آباد دیکھیو
جس خانماں خراب کا دل سا مشیر ہو
دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل
اتنے سے قد پہ تم تو قیامت شریر ہو

آنسو مری آنکھوں میں ہردم جو نہ آجاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
طفلی کی ادا تیری جاتی نہیں ہے جی سے
ہم دیکھتے (ہیں) تجھ کو تو منہ کو چھپا جاتا

کہنے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو آتا وہ
پر کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
ان آنکھوں سے ہم چشمی، بر جا ہے جو میں جل کر
بادام کو کل یارو مجلس ہی میں کھا جاتا
صحبت سگ و آہو کی اک عمر رہی باہم
وہ بھاگتا مجھ سے تو میں اس سے لگا جاتا

بنی تھی کچھ اک اس سے مدت کے بعد
سو پھر بگڑی پہلی ہی صحبت کے بعد
لگا آگ ، پانی کو ہے دوڑتا
یہ گرمی تری اس شرارت کے بعد (۹۵ الف)
نظر میر نے کیسی حسرت سے کی
بہت روئے ہم اس کی رخصت کے بعد

کیا بدبلا ہے لاگ بھی دل کی میر کہ جیو
دامن سنوار لڑکوں کے ہو کر لفر رہے

آغشتہ خون دل سے سخن تھے زبان پر
رکھے نہ تم نے کان ٹک اس داستان پر
بہ دلبری کے فن و فریب اتنی عمر میں
جھنجھلاہٹ اب تو آئی ہے اس کی سیان پر
بزاز کے کو دیکھ کے خرقے بہت پھٹے
بیٹھا وہ اس قماش سے آ کر دکان پر

کیا کیا نہ لوگ کھیلتے جاتے ہیں جان پر
اطفال شہر لاتے ہیں آفت جہان پر
کچھ ان دنوں اشارۂ ابرو ہے تیز تیز
کیا تم نے پھر رکھی ہے یہ تلوار سان پر
کس پر ہے بے دماغ کہ ابرو بہت ہے خم
کچھ زور سا پڑا ہے کہیں اس کمان پر
دامن میں آج میر کے داغِ شراب تھے
تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر

اے ہم نشیں کسو کی مت عشق کی ہوس کر
جاتی ہیں یوہیں جانیں ناداں ترس ترس کر
اک جمع کے سر اوپر روزِ سیاہ لایا
پگڑی میں بال اپنے نکلا جو وہ گھرس کر

(۹۵ ب) بہت مدت ہوئی ہے اب ٹک آ مل
کہاں تک خاک میں ، میں تو گیا مل
پس از مدت سفر سے آئے ہیں میر
گئی وے اگلی باتیں تو بھی جا مل

کعبے میں جاں بلب تھے ہم دوریِ بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو اب کی خدا کے ہاں سے
کیا خوبی اس کے منہ کی اے غنچہ نقل کریے
تو تو نہ بول ظالم ، بو آتی ہے دہاں سے
آنکھوں ہی میں رہے ہو ، دل سے نہیں گئے ہو
حیران ہوں یہ شوخی ، آئی تمھیں کہاں سے

کی شست و شو بدن کی جس دن بہت سی آن نے
دھوئے تھے ہاتھ ہم نے اُس دن ہی اپنی جان سے

خدا کرے کہ بتوں سے نہ آشنائی ہو
کہ پھر موئے ہی بنے ہے اگر جدائی ہو
گلی میں اُس کی رہا جا کے جو کوئی سو رہا
وہی تو جاوے ہے واں جس کسی کی آئی ہو
ہماری چاہ نہ یوسف ہی پر ہے کچھ موقوف
نہیں ہے وہ تو کوئی اور اس کا بھائی ہو

کیا جان بیاں کیجے عجب طرح پڑی ہے
وہ طبع تو نازک ہے، کہانی یہ بڑی ہے
کیا اپنی شرر ریزی کہوں پلکوں کی صف کی
۹۶الف) ہم جانتے ہیں ہم پہ جو یہ تازہ جھڑی ہے
کیا فکر کروں میں کہ ٹلے آگے سے گردوں
یہ گاڑی مری راہ میں بے طرح اڑی ہے

اب ہم فقیر جی سے دل کو اٹھا کے بیٹھے
اس خصم جاں کے در پر تکیہ بنا کے بیٹھے
جو کفر جانتے تھے عشقِ بتاں کو وہ ہی
مسجد کے آگے آکر قشقہ لگا کے بیٹھے
وادیِ قیس سے پھر آئے نہ میر صاحب
مرشد کے ڈھیر پر وے شاید کہ جا کے بیٹھے

جھمکے دکھا کے طور کو جن نے جلا دیا
آئے قیامت ان نے جو پردہ اٹھا دیا
اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا
وہ آگ ہوگیا ہے خدا جانے غیر نے
میری طرف سے اس کے تئیں کیا لگا دیا
اتنا کہا تھا : فرش تری رہ کے ہم ہوں کاش
سو تو نے مار مار کے آکر بچھا دیا

اشک کے جوش سے ہوں شام و سحر پانی میں
مثل ماہی ہے مجھے سیر و سفر پانی میں
آتش عشق نے راون کو جلا کر مارا
گرچہ لنکا سا تھا اس دیو کا گھر پانی میں
بردباری ہی میں کچھ قدر ہے گو جی ہو فنا
عود پھر لکڑی ہے ، ڈوبے نہ اگر پانی میں

(۹٦ ب) اب آنکھوں میں خوں دم بدم دیکھتے ہیں
نہ پوچھو جو کچھ رنگ ہم دیکھتے ہیں
جو بے اختیاری یہی ہے تو قاصد
ہمیں آکے اس کے قدم دیکھتے ہیں

فردیات

ھنس دے ہے دیکھتے ہی کیاخوب آدمی ہے
معشوق تو ہمارا محبوب آدمی ہے

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اب گریبان ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے

ترے لعلِ جاں بخش کو ہم نے بتلا
کیا آبِ حیواں کو پانی سے پتلا

ایک عالم ہے کشتہ اس لب کا
الغرض اس پہ دالت ہے سب کا

پیرِ کنعاں سے گیا کب دردِ عشق
گو مثل ہے : آنکھ پھوٹے پر گئی

کیا کہوں آہ کچھ بھی چھوٹا ہے
ملکِ دل ان نے صاف لوٹا ہے
خاک سے میر کیوں نہ یکساں ہو
مجھ پہ تو آسمان ٹوٹا ہے

تو گلِ باغ پر نہ بلبل پھول
وہ تو ہے گا گلاب کا سا پھول

جو ترے لب سے کام رکھتے ہیں
تمھیں کو وہ تو نام رکھتے ہیں

دیکھتا ہوں تو کام میرا میر
اول عشق ہی میں آخر ہے

نقد دل چھوڑتے نہیں خوباں
اس پہ گویا یہ قرض کھاتے ھیں

از رباعیات اوست

دل تجھ پہ جلے نہ کیوں کہ میرا بیتاب
یاں تجھ کو توقع ھے کہ لاتا ھے جواب (۷۹ الف)
واں ان نے شراب پی کے مستی میں مبر
کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانے میں جوش بادہ نوشاں دیکھا
یک گوشۂ عافیت جہاں میں ھم نے
دیکھا تو محلۂ خموشاں دیکھا

کاھے کو کوئی خراب خواری ھوتا
کاھے کو کسی پہ عشق بھاری ھوتا
دل خواہ اگر ملاپ ھوتا ملتے
اے کاش کہ عشق اختیاری ھوتا

پیغمبر حق کہ حق دکھایا اس کا
معراج ھے کمترین پایا اس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ھے کا
کل حشر کو ھوگا سب پہ سایا اس کا

---

(۳۷) میر ، سوز

محمد میر ، پیشتر میر تخلص می کرد ، اکنون به میر سوز مشهور سید صحیح النسب ، ساکن شاه جهان آباد ، جوان قابل ، تیرانداز، خوش نویس هفت قلم ، در انشا پردازی مہارت تمام دارد ۔ بسیار نازک طبع ، نکته سنج ، زود رنج ، مردے ست عجیب و شخصے غریب ۔ موجد طرز علیحده ، شعر را بادائے نادر که دست و پا و چشم بلکه تمام اعضا در حرکت می آید ، می خواند (۷۹ ب) و مردمان ذفهم را متوجه جانب خود می گرداند ۔ این احقر یک دو ملاقات در مقام محمد نگر ثانله نمود ، بسیار بتواضع و خلق پیش آمد ۔ آدم خلیق و بامزه است ، اشعارش بطرزے که دارد انتخاب نموده نوشته می شود ، ازوست :

سر دیوان پر اپنے جو بسم‌اللہ میں لکھتا
بجائے مد بسم اللہ مد آہ میں لکھتا

کعبہ و دیر کے ڈھونڈھے سے تمھیں کیا حاصل
سوز ہووے گا کہیں محفلِ رنداں میں پھنسا

یار گر صاحبِ وفا ہوتا
کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا
جان کے کیا بیاں کروں احسان
یہ نہ ہوتی تو مر گیا ہوتا

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا تھا کہ کیوں خوب ہوا

اثر ہوتا نہیں معشوق کو عاشق کے جلنے سے
عزیزو ہم نے بھی سو بار اپنا دل بھلس دیکھا
علم تھی تیغ کالدھے پر، اجل پوئیشں[1] کرتی تھی
لدیمو ، آج ہم نے سوز کا فریاد رس دیکھا

ترے دل میں بے رحم کچھ بھی نہ آیا
مجھے تو نے کس کس طرح سے ستایا
بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں
کبھی یاد کرتے تھے سو بھی بھلایا

پرائے دل کو لے کر اپنے تلووں کے تلے ملنا
ارے سن تو تجھے ہرگز خدا کا ڈر نہیں آتا
کسی کے جی میں ہوگا سوز مر جاوے تو بہتر ہے
(۹۸الف) الٰہی میں مروں، کیوں کر مجھے تو مر نہیں آتا

میں نو غبار دل کا یک بار دھو کے آیا
کوچے میں خوب رو کے کل خوب رو کے آیا
تیکھی نگہ ہے ظالم مژگاں لہو میں ڈوبی
او انکھڑیاں تو کس کے دل میں گڑو کے آیا

میاں رات کسی طرح تو کٹ جائے
مذکور کرو کچھ اس جواں کا

---

۱ پوئیش : پیش میا کا مخفف ، جو اکثر سواری والے آواز لگاتے ہیں
یہی اردو میں ''ہوئی سا''ہو گیا ہے ۔

جس کا تو آشنا ہوا ہوگا
ان نے کیا کیا ستم سہا ہوگا
تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید
سامنے تیرے آ گیا ہوگا
یہ تو میں جانتا ہوں لوگوں نے
کچھ تجھے جھوٹ سچ کہا ہوگا
پر جو اتنا یہ منہ تھتھاتا ہے
نہ ملوگے تا اور کیا ہوگا

مروت دشمنا! غفلت پناہا!
ادھر بھی دیکھنا ٹک مڑ کے آہا

آہ صد حیف کچھ اثر نہ کیا
گھر بسے اس کے دل میں گھر نہ کیا
دل کو یوں لے کے پاؤں سے ملنا
ارے ظالم خدا کا ڈر نہ کیا
غیرت اور سوز کی اہاہاہا
جی دیا عشق مختصر نہ کیا

سنے ہے نام جب میرا تو چھاتی کوٹ لیتا ہے
زباں سے ڈر کے مارا اور پیارا کچھ نہیں کہتا
مجھے کہتا ہے تجھ کو میں نہیں کہتا ہوں کچھ ہرگز
ہزاروں گالیاں دیتا ہے اچھا کچھ نہیں کہتا (۹۸ب)

سنے جب سوز کے اشعار تب منہ پھیر کر ووہیں
لگا کہنے کہ کیا بھونڈا ہے، اچھا کچھ نہیں کہتا

سوز کے قتل پر کمر مت باندھ
ایسا جاتا ہے کیا گیا گزرا

نہیں یہ برق جس کو لوگ بجلی جانتے ہیں گے
جھمک جاتا ہے اس اچپل کے معجر[۱] کا کہیں کونا

بھلا ہم بھی تو آپہنچے ہیں یہ یہ چہلیں رکھنے ہو
مکرتے تھے بہت تم ہم سے ، اب فرمائیے صاحب

کیا ہے اتنا بھی ، ذرا منہ تو پھراؤ صاحب
لو جی بس تم سے نہیں بولتے جاؤ صاحب

ایک بوسہ بھی ہم کو دو صاحب
پھیر کر منہ کہا کہ لو صاحب

سوز نے دامن کو جوں پکڑا تو ووہیں چھین کر
کہنے لاگا : ان دنوں کچھ زور چل نکلا ہے ھشت!

یک طرف ابر ، یک طرف خورشید
واچھڑے زور ہی آب و تاب ہے آج

۱- معجر = اوڑھنی ، دوپٹا ۔

کب دبستاں میں ترے آتا ہوں میں ، مت کہہ غلط
واچھڑے جی واچھڑے پہلی ہی بسم اللہ غلط

اے سوز وہ دیکھ آتا ہے قاتل
ٹک چونک ظالم ، اتنا بھی غافل
دیں و دل و جاں ، صبر و تحمّل
سب کچھ لیا چھین تس پر بھی بیدل
کس کس کو روؤں ، میں یاد کر کر (۹ والف)
اے اشک ، اے چشم، اے آہ ! اے دل
کوچے میں اس کے لاکھوں پڑے ہیں
مذبوح ، مجروح ، مقتول ، بسمل

کاہے کو گھورتا ہے اے ظالم
کچھ لے کے ترا مکر گئے ہم
بس بس آنکھیں نکال مت ، واہ
ایسے غصّے سے ڈر گئے ہم

دل پر درد ہے عاشق کا کہیں ، ہوش کہیں
سر کی دستار کہیں ، پاؤں کی پاپوش کہیں
بند میں اپنے گرہ دے ، کہ تجھے یاد رہے
میں یہ ڈرتا ہوں نہ ہوجائے فراموش کہیں
آج میں سوز کو دیکھا تو اچنبھے میں رہا
سر کہیں ، پاؤں کہیں ، ہوش کہیں ،گوش کہیں

چین آتا نہیں مجھے ہے ہے
دل پر اضطرار کس کا ہوں
دل ہے یا میں ہوں، میں ہوں یا دل ہے
اور اب ہم کنار کس کا ہوں
سوز نے جو کہا، کہاں تھا یار
کہا چل بے، میں یار کس کا ہوں

نصیحتوں پہ بہت ہے گھمنڈ ناصح کو
جو اس کے روبرو بولے تو ہم سلام کریں

وعدہ کیا جلد بھول جاتے ہو
جھوٹ کہہ زور مسکراتے ہو
حیف ہوتے نہیں ہو شرمندہ
واہ کیا الکھڑیاں ملاتے ہو
دل میں کچھ ہو تو منہ سے بول اٹھو
کیا غلاموں سے بڑبڑاتے ہو
آشنا جان کر کہا تم کو (۹۹ ب)
ورنہ کچھ سوز کا دھراتے ہو

گالیاں تو لبوں سے بہت سنیں
کبھی بوسے کی بھی اجازت ہو
کچھ بڑی بات تو نہیں لیکن
چوم کر لیں اگر عنایت ہو

بیٹھے کچھ ہو رہے ہو قتل پر عشاق کے
سوز کو کیوں بے طرح گھورو ہو بس ایسا نہ ہو

کون تھا جو پھر بساتا کشور دیوانگی
میں اگر رہتا نہ کرتا خانۂ زنجیر کو
منہ نہ موڑا تیغ سے ، جم جم اٹھائے زخم یار
آفریں ہے سوز ! صد رحمت ہے تیرے پیر کو

او جانے والے اس سے تو کہیو کہ واہ واہ
کچھ بھی خبر ہے در پہ پکارے ہے داد خواہ

ق

کل کس کے یاں گئے تھے بھلا یہ بھی جھوٹ ہے
پھر تو کہے گا مجھ سے جھگڑتے ہو خواہ مخواہ
تس پر یہ عذر ہے کہ مرا آشنا ہے وہ
میاں جی تمھارا عذر تو ہے بدتر از گناہ

سچ کہیو قاصد آتا ہے وہ ماہ
الحمد للہ الحمد للہ
ہے دل کو لگتی پر کیوں کہ مانوں
کہا تو قسم تو میاں تجھ کو واللہ

قطعہ

بعضوں کا مجھ پر یہ بھی گماں ہے
یعنی بتوں کو کرتا ہے بدراہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا
استغفراللہ استغفراللہ

(۱۰۰الف) یہ پوچھنا کہ سچ ہے فلانے کو عشق ہے
صدقے میں ، جان بوجھ بھلانے کو عشق ہے
دل خانۂ خدا ہے ، خدا لاشریک ہے
اے سوز تیرے اس میں سمانے کو عشق ہے

رفیق کوئی برے وقت کا نہیں الا"
فغان نیم شبی یا کہ نالۂ سحری
خبر کسی کو نہ تھی میرے حال کی یارب
کہاں سے آئی مرا حال سن کے بے خبری

قیس کا وقت گیا ، سوز چلو تو جلدی
لخت دل سے ہیں پڑے دامن صحرا خالی

نہ ملیے ہم سے ، ولے جی سے آشنا رہیے
خوشی سے رہیے مرے مہرباں جہاں رہیے

لے آنکھ اٹھا کے دیکھ تجھ کو
کرتی ہے سلام زندگانی

جو سرگوشی میں بوسہ لے لیا احسان کیا اس کا
تکلف برطرف یہ حق تعالیٰ کی ہے رزاقی
کبھی کالی گھٹا سے جیسے بجلی کوند جاتی ہے
چمک جاتی ہے مستی سے ترے دانتوں کی براقی

دل ہی مطلب تھا لیا اب تو نہ آوے ہاں جان
جان باقی ہے ابھی دیکھیے کیا ہوتا ہے

دل لے ہی گیا نہ یار ہے ہے
ہے ہے دلِ بے قرار ہے ہے
تو مت جا پار پار ہاہا
اے میں آرے وار وار ہے ہے

(۱۰۰ ب) اپنا ہے سوز اس سے تو کیا منہ پھرائیے
پر شوخ ہوگیا ہے ٹک آنکھیں دکھائیے
یہ جو کھڑا ہے سامنے، کہتا ہے مجھ سے یوں
میرا جو بس چلے اسے کچا ہی کھائیے
تلوار سونت سونت کے دکھاوتے ہو کیا
بس قبلہ جانے دیجیے غصّہ نہ کھائیے

ق

کر میان تیغ، اتنا مناسب نہیں ہے یہ
گر دل میں ہے یہی کہ لہو ہی چکھائیے
تو اس بچارے سوز میں لوہو نہیں رہا
یہ سامنے کھڑا ہے دو بہتر لگائیے

مار بیٹھے چٹ سے تو ہم نے تمھارا کیا کیا
دل میں آوے کوئی گالی دیجیے یوں ہی سہی
گالیاں دینے کو اچھے ہو بچارے سوز کو
پہ نہ آیا ایک بوسہ دیجیے یوں بھی سہی

لوح پر زلف کے مارے کی لکھا دیکھا تھا
لہر موئے نہ گئی ، اے ترا کاٹا نہ جیے

---

(۵۷) بیان

بیان تخلص ، شاعر مربوط و مضبوط و خوش‌گو است ، دگر بر حسب و نسب او اطلاع ندارم کہ از کدام سو است ۔ چند ابیات از بیان واضح او بنظر رسیدہ ، ازوست :

جا کہو کوے یار میں کوئی
مر گیا انتظار میں کوئی
وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا ہے
سر رکھے اس کنار میں کوئی (الف ۱۰۱)

مت آئیو اے وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روز، گذر جائے گی شب بھی

کون کہتا ہے باوفا تجھ کو
جھوٹ ہے ، افترا ہے ، تہمت ہے

بیاں کون ہے ؟ اب تلک پوچھتے ہو
تجاھل کے قرباں ، تغافل کے صدقے

الجھ دیکھو دامن سے اس کے بھی ھاتھو
یہ مجھ ناتواں کا گریباں نہ ھووے !

---

(۷۷) وحشت :

از میر ابوالحسن وحشت است :

کہیں یہ جھوٹ دیکھا ہے ، تجھے جب میں بلاتا ہوں
صریحاً تو چلا جا ہے ، مجھے کہتا ہے آتا ہوں

---

(۷۸) سودائی :

از مرزا داؤد سودائی است :

زلف دلبر سے مجھ کو سودا ہے
خلق کہتی ہے تجھ کو سودا ہے

---

(۷۹) میر رمضانی :

میر رمضانی ، یک فرد از پنبہ دھانی او بسمع رسیدہ :

رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن
جیویں گے ایسے شخص کیا تجھ بن

---

(۸۰) فرحت اللہ :

از فرحت اللہ است :

ترا گناہ میاں ہم نے کیا کیا ہو گا
یہی مگر کہ دل اپنا تجھے دیا ہو گا
جو کچھ کہ تم سے کسی نے کہا ہے جھوٹ خلاف
مرا برا ہو ، اگر میں نے کچھ کہا ہو گا

---

(۸۱) غافل

از غافل است :

نہ بس اپنے سے کیا اس کو میں رخصت غافل
جب مرا بس نہ چلا تب میں خدا کو سونپا

(۱۰۱ ب) جب وہ کرتا ہے ان لبوں کا وصف
غافل اس وقت لعل اگلتا ہے

---

(۸۲) مائل

از مائل است :

مائل ہے یارو مرد مسلماں پہ یہ ستم
اللہ کا بھی اس بت کافر کو ڈر نہیں

---

(۸۳) محمد اکرم

محمد اکرم جوانے بود قابل ، از مصاحبان وزیر الممالک نواب غازی الدین خاں موصوف ، در رسانیدن تاریخ فی‌البدیہ دسترس تمام داشت ۔ اکثر کلمات کہ از زبان او برآمدے خالی از لطیفہ و تاریخ نمی شد ۔ دیگر بر حسب و نسب او اطلاعم نیست ۔ مدتے شد کہ ازیں جہاں درگذشت ۔ بزبانی پسرش کہ بلاق نام وطبع موزوں دارد ، چند اشعار متفرقہ او بسمع رسیدہ ، ازوست :

دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسی کی
یارب نہ کسی دل کو لگے چاہ کسی کی
یوں اشک لے آتا ہے ہر اک لختِ جگر ساتھ
جیسے کہ لدی جاتی ہو، بَن گاہ کسی کی

یہ داغِ دل کسی کو دکھایا نہ جائے گا
اس آبلے کو ہاتھ لگایا نہ جائے گا

---

(۸۴) هادی

عبدالہادی شاہ جہان آبادی ، ہادی تخلص ، از مصاحبان وزیرالممالک نواب غازی الدین خاں کہ احوالش خواھد آمد ۔ شاگرد میرزا رفیع السودا موصوف ، وچندے بسبب بعضے (۱۰۲ الف) موالعات از محمد قائم مسطور نیز اصلاح می گرفت ۔ این چند ابیات او بنظر رسیدہ ، ازوست :

صدقے ترے ھو کے مر گئے ہم
کرنا تھا جو کچھ سو کر گئے ہم
خنداں خنداں جدھر گیا تو
گریاں گریاں آدھر گئے ہم
کہتے ھیں مسیح جس کے لب کو
ھادی اسے دیکھ مر گئے ہم

---

(۸۵) فقیر

شمس الدین فقیر متوطن شاہ جہان آباد ، شاعر زبردست فارسی گو معاصر سراج الدین خاں آرزو ۔ گاہ گاہ فکر مرثیہ نیز می کرد ، یک مطلع بے نظیر روشن تر از شمس منیر ازان فقیر بنظر رسیدہ احوالش مفصل معلوم فقیر نیست ، ازوست :

ترا منہ دیکھ بلبل گل ستی بیزار ہو جاوے
اگر گل تجھ تلک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے

---

(۸۶) ولی

ولی اللہ ولی تخلص ، متوطن بلدۂ سورت ، شخصے بود معاصر انعام اللہ خاں یقین ، بکمال تہذیب و اخلاق آراستہ پیراستہ ، دیگر احوال مفصل معلوم نیست ، دو فرد او بسمع رسیدہ ، ازوست :

کیا ظلم ہے اے سوئی سی پلکوں والے
آہستہ سیو زخم ہیں دل کے آلے
ترچھی وہ نظر گذر گئی سینے سے
ورنہ تیرے بہت ہیں دیکھے بھالے (۱۰۲ب)

---

(۸۷) صابر سرہندی

صابر سرہندی استاد فیض اللہ بیگ فدوی است ، این چند ابیات او شنیدہ شد ، ازوست :

کب جانتے تھے تم سے جدائی ہو جائے گی
غم کی منادی دکھ کی دھائی ہو جائے گی
گر سینہ صاف ہو ، کھلے بندوں گلے لگو
اتنے میں دل کی کارروائی ہو جائے گی
رانوت تیجے کی چشم کا دنبالہ قہر ہے
واقف نہ تورے پہلی کی کہائی[۱] ہو جائے گی
صابر یہ بات جس نے کہی آفریں اسے
جب منہ سے نکلی بات پرائی ہو جائے گی

---

۱ - فی الاصل : پہلی کی کہائی؟

(۸۸) شاہ شاکر

شاہ شاکر صدیقی متوطن اعظم پور ، مردے بود قابل و منجم درویش صورت ، خوش سیرت ، مذاقش بطور آبرو و ناجی ۔ دیوان ضخیم دارد مگر اشعارش بسمع فقیر نرسیدہ ؛ ہمیں غزل او شاکرم :

رو رو ترے غم میں شب سحر کی
تیں آکے بھلی مری خبر لی
کچھ اس میں بھی فائدہ نہ دیکھا
فریاد و فغاں بھی ہم نے کر لی
گل چیں تجھے کیا ، تری بلا سے
گل توڑ کے میں تو جیب بھر لی
شاکر نے تمام ڈھونڈھ متھرا
اب کہتے ہیں راہِ جے نگر لی

---

(۸۹) حیف

شیخ محمد حاجی حیف متوطن شاہ جہان آباد ، از شاگردان مہدی بیدار (۱۰۳ الف) موصوف است ، دیگر بر احوالش اطلاعم نیست ، ایں چند ابیات او بسمع رسیدہ ، ازوست :

آتا نہیں نظر کوئی ہمدرد یاں مجھے
اے گردشِ سپہر لے آئی کہاں مجھے
اس کی نگاہ آن پڑی اس طرف کو حیف
یہ تیر آکے لگ ہی گیا ناگہاں مجھے

نہیں ہے خوف مجھے گو کہ سب جہاں پھر جاے
پہ یہ غضب ہے جو وہ یار مہرباں پھر جائے
کہیں ہیں لوگ مجھے دیکھ کوے قاتل میں
الٰہی یاں سے سلامت یہ نوجواں پھر جاے

ق

کہا کسی نے کل اس سے اگر اجازت ہو
تو آس پاس ترے حیف ناتواں پھر جاے
یہ سن کے تب متبسم ہو وہ لگا کہنے
جو اس کے جی کی خوشی ہے یہی تو ہاں پھر جاے

نظر آیا جو مکھڑا رات کو اس مہرِ تاباں کا
خجل ہو ماہ نے منہ چادرِ مہتاب سے ڈھانکا
خدا کے واسطے موقوف کر یہ چال اے کافر
کہ دل پامال ہوتا ہے ہر اک گبر و مسلماں کا
اکیلا بیٹھ کر روتا ہوں، سر زانو پہ رکھ ہم دم
اٹھانا یاد جب آتا ہے مجھ کو اس کے داماں کا
(۳۰۱ ب) کیا موقوف اس نے شام کا آنا بھی، ہے قسمت
چراغ اب کون یاں روشن کرے گورِ غریباں کا
کوئی بے خود ہوا رستے میں اور کوئی گیا جی سے
ادا سے کون متالی کا یہ پردہ کھول کر جھانکا
خبر لے حیف کی، اب دید کیا کرتا ہے سنبل کا
تری زلفوں کے غم میں ان نے سنبل کوٹ کر پھانکا

نشۂ حسن ہے تجھ کو تو اے سفاک چڑھا
جا بجا پیالۂ مے دیکھ نہ بے باک چڑھا

حسن خوبانِ جہاں جی سے مرے اترا جب
بام پر سامنے مرے وہ بتِ چالاک چڑھا
رو نہ اتنا کہ ترے اشک کے ہر قطرے سے
بحر عمّان ہے اب اے دیدۂ نمناک چڑھا
کان پر پھول تو کب رکھے ہے وہ غنچہ دہن
گل تصویر کو جو دیکھ کے لے ناک چڑھا
منہ ترا آج جو انور ہے یکایک اتنا
کس کا نقشہ ترے چت اے دل غمناک چڑھا
ترے پابوس کی حسرت میں ہوا خاک یہ حیف
اس کی تربت پہ کبھی پاؤں سے تو خاک چڑھا

نقد دل یوں ہے لگا اس بتِ عیّار کے ہاتھ
مال مردے کا لگے جیسے خریدار کے ہاتھ
غیر لیتے ہیں بلائیں ترے پاؤں کی میاں
جی میں آتا ہے اڑا دیجیے دو چار کے ہاتھ (۴۰ الف)
دست بستہ مجھے مقتل میں لیے چل قاتل
کوئی رکھتا ہے کھلے مجھ سے گنہ گار کے ہاتھ
اس نے چھپ کر مجھے لکھی تھی حقیقت جس میں
وائے قسمت وہ کتابت لگی اغیار کے ہاتھ
حیف گا قتل ترے ہاتھ سے ہوگا ظالم
یہ کہا دیکھ برہمن نے مرے یار کے ہاتھ

رہتا ہے مجھے عشق کا آزار ہمیشہ
کیا خاک جیے جو رہے بیمار ہمیشہ

از رباعیات او یک رباعی بہم رسیده :

اب تم سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں
سب تم سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں
پہلے کہہ لو کہ میں بہ کہنے کا نہیں
تب تم سے کہوں جو کچھ ہے میرے دل میں

---

(۹۰) عشق

مرزا گھسیٹا عشق مردے بزرگ ، درویش وضع، صاحب ارشاد ؛ ساکن شاہ جہان آباد ، از چند مدت در عظیم آباد سکونت داشت ؛ خدا داند که زنده است یا وفات یافت ،این چند ابیات ازو بہم رسیده ؛ ازوست :

جس نے ظالم تجھے یہ دشنۂ خوں خوار دیا
اس نے سینے کو مرے داغ سپر وار دیا
خندۂ جام تجھے گریۂ مینا مجھ کو
لعل لب تجھ کو ، مجھے چشم گہر بار دیا

(۳۰۱ ب) رو بہرو تیرے جو گذر کر گیا
دل کو وہ پلکوں کی نظر کر گیا
جس کی طرف سے تری آنکھیں پھریں
اشک صفت پل میں سفر کر گیا
جو کوئی بیٹھا ترے کوچے میں آ
اٹھ نہ سکا واں سے وہ مر کر گیا
جس کی نظر عشق کے اودھر پڑی
چشم کے تئیں اپنی وہ تر کر گیا

جو آئے اس سعر میں تو کچھ کچھ کا چلے
اک بد سلیقہ ہم تھے کہ دل بھی گنوا چلے

جو چھینتا ہے دین اور ایمان یہ ی ہے
کافر کہو یا اس کو مسلمان ، یہی ہے

---

(۹۱) شاداں

مولوی نجم الدین شاداں ابن مولوی حمید الدین ؛ مردے ست ذہل و فاضل ، متوطن قصبہ کاکوری ۔ دو فردِ او از نظر این عاصی گذشتہ ، ازوست :

پان کھانے سے ملا اس کے دھن کا پتا
ورنہ معلوم کہاں تھا کہ دھاں ہے کہ نہیں

شاداں تو راز خفیہ کے تئیں برملا نہ کہہ
جب منہ سے نکلی بات پرائی ہو جائے گی

---

(۹۲) اثر

میر مہدی اثر تخلص ، برادر خورد خواجہ میر درد موصوف است ؛ دیگر بر احوالش اطلاعم نیست ۔ یک فرد او بہ گوش خوردہ ، ازوست :

سادہ رویوں سے کچھ نہ چاہ اثر
یاں سبھی بات کی صفائی ہے

طبقهٔ چهارم : در ذکر شعرائے تازہ گو و بعضی نو مشقان دیگر (۱۰۵ الف) مشتمل بر پنج مقالات -

مقالهٔ اولی در ذکر بعضے تازہ گویان سرآمد روزگار

(۹۳) ممتاز

فضل علی ممتاز از شاگردان مرزا رفیع السودا ، جوان خوش عنوان ، حافظ قرآن ، طبع سلیم و جولان داشت ، رسائی فکرش از مذاق سخنش پیدا و استعداد قابلیتش از صفائے گفتگویش ظاهر و هویدا و بجمیع فضائل انسانی موصوف و مستثنیٰ ، در اثنائے راه ذکهن از دست قطاع الطریق بدرجهٔ شهادت رسید ، مردے بود جان باز ، صاحب امتیاز ، و در هم چشمان خود ممتاز ، ابن راقم الحروف نیز در قصبهٔ آنوله واقف راز و نیاز او شده بود ، بسیار بتواضع و مدارا پیش آمد ، پارهٔ اشعار که از مسودات او بتحریر آورده بود نوشته می شود ، ازوست :

زباں کو حمد سے تیری جو بہرہ مند کیا
میں بہترین سخن پہلے یہ پسند کیا
کبھی نہ بھولے اسیروں کے دل سے وہ صیاد
قفس میں طائرِ قدسی کو جن نے بند کیا

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا
جو بخت کج سے میسر نہ ہوسکے رہ راست
نہ دیجے خضر کو الزام رہنمائی کا

(۱۰۵ ب) نہ پہنچنے کا سبب تا بہ لکتۂ تحقیق
نقطۂ قصور ہے ممتاز کی رسائی کا
میں لاکھ طرح سے چاہا کہ دل کسی کو نہ دوں
یہ تیرے ہاتھ عجب ڈھب ہے دل ربائی کا
اگر خلاف کہوں یہ سخن تو کافر ہوں
جمالِ دیدۂ بتاں دید ہے خدائی کا

— — — —

الٰہی سوزِ محبت میں کیا اثر نہ رہا
کہ اس کو رحم مرے حال زار پر نہ رہا
کیا مجھے ہے دلا تیں جو اپنے ہاتھ ذلیل
دوانے کیوں تیں کہیں منہ لپیٹ مر نہ رہا
ہزار حیف کہ ممتاز کا چراغِ سحر
خموش کرنے تئیں نالۂ سحر نہ رہا

———

کچھ تو تقصیر ہوئی ہم سے کسی بات کے بیچ
کہ تفاوت ہے تری طرزِ ملاقات کے بیچ

———

عذار چھوڑ کے کب دل پھنسے ہے کاکل میں
جو لطف گل میں ہے یارو کہاں ہے سنبل میں
تری نگاہ سے کس کام کی رکھوں میں امید
مرا تو کام میاں ہوگیا تغافل میں
چمن میں سوچ یہ کس کے دھن کا ہے ممتاز
ہر ایک غنچہ ہے کیوں سرنگوں تأمل میں

———

اور تو کوئی ترق کی نہیں صورت مگر
دن بہ دن یارو ہمارا درد دل افزوں ہے

تجھے لگاہ مروت پہ گر نہ ہو تو نہ ہو
ہمیں تو مدنظر پاس آشنائی ہے
سمجھیو عیب نہ افلاس کو کہ جوں شمشیر (۱۰۶ الف)
ہمیشہ مرد کی یاں آبرو صفائی ہے

قطعہ

شادی میں اگر ملا ہوا غم
اے دل جو نہ راغ چمن ہو
یک دم کی شگفتگی میں گل کا
کس واسطے چاک پیرہن ہو
بے جا ہے نپٹ جو مجھ کو ممتاز
اندیشۂ صحتِ بدن ہو
مرغانِ اسیر کی خوشی ہے
پنجرہ جو شکستہ و کہن ہو

ملتے تھے رات دن میں سو اب گاہ گاہ ہے
پیارے میں سچ کہوں تری دو دن کی چاہ ہے
تیغِ جفائے دھر سے اے دل گلہ نہ کر
دو روز جس طرح سے کٹیں واہ واہ ہے
مانندِ رشتہ چرخ کے کھاوے جو پیچ و تاب
جوں تارِ سبحہ پھر آسے سو دل میں راہ ہے

ق

میر ہی فقط نہیں ہوں فلک تجھ سے شکوہ مند
ظالم ترے ستم سے تو عالم تبہ ہے
منہ شام کا سیہ ہے ، سحر کا ہے چاک جیب
کہہ کس کے ہاتھ سے یہ ہر اک داد خواہ ہے

جستجو سے بھوسی ہاتھ اٹھایا ہم نے
ورنہ کس چیز کو ڈھونڈھا کہ نہ پایا ہم نے
شوخ رکھتا تھا سدا حسن ِ ساں سے انکار
آج دکھلا کے تجھے خوب رجھایا ہم نے

---

(۴۹) حیرت

مراد علی حیرت متوطن شاہ جہان آباد ، از مدتے در قصبۂ مراد آباد طرح اقامت انداختہ ۔ (۱۰۶ ب) جوانے بود قابل ، درویش سیرت ، آزادانہ مزاج ، خوش تقریر و درد مند ، متواضع و خلیق بمرتبۂ بود کہ بہ تحریر نمی آید ، از شاگردان خواجہ میر درد موصوف بودہ ، ہر چند کم گو و کم مشق بود فاما مذاق سخنش کم از مرتبۂ استادان نیست ۔ ذہن سلیم و طبع مستقیم داشت ، چند سال است کہ بہ حسب اتفاق بہ طریق سیر بہ سمت فرخ آباد روانہ شدہ بود ، ناگاہ در راہ از دست قطاع الطریق متصل قصبۂمئو بدرجۂ شہادت رسید ، دل پر از حسرت و دیدہ در حیرت است ، حق تعالیٰ مغفرتش کند ۔ چند غزلیات متفرقات از راہ مہربانی کہ از دست خاص بایں راقم حروف نوشتہ دادہ بود ، انتخاب نمودہ نوشتہ می شود ، ازوست :

کب آوے نظر جلوہ دیدار صنم کا
پردہ نہ اٹھے دل سے اگر دیر و حرم کا
گر خلق نہ ہوتا یہ ترا نور جہاں میں
تھا روز عدم تک بھی عدم تھا ہی عدم کا
کیا کہیے ترے حسنِ خدا داد کی خوبی
حیرت ہے نہ مقدور زباں کا نہ قلم کا

سمجھ کے دیکھا تو بےجا تھا کچھ گلا دل کا
یہ چشم نم نے ڈبویا معاملہ دل کا
(۱۰۷ الف) کہاں ہے شیشۂ مے محتسب خدا سے ڈر
مری بغل میں جھلکتا ہے آبلہ دل کا
سرشک و آہ ہے، شورجنوں ہے، وحشت ہے
عجب شکوہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

ایک پل ممکن نہیں اب یاں ٹھہرنا خواب کا
جوں حباب آنکھوں میں اپنی نت ہے عالم آب کا
بستر سنجاب اور بالین و مخمل کیا ضرور
ایک مشتِ خس ہے اب سامان اپنے خواب کا
سر بھی اپنے تن پہ ہے بارِ گراں اور دردِ سر
دوش آزادی اٹھاوے بار کس اسباب کا

ابرو تری تھرکتی ہے اپنے سبھاؤ پر
تیغِ اصیل دمتی ہے اک اپنی ناؤ پر

وعدہ تھا میاں مجھ سے دمِ صبح ملوں گا
سو اب تلک آتے ہو کہ وہ دن گیا ڈھل کر
مہندی سے مرا خون بھی کچھ کم نہیں قاتل
پر دیکھیے اس کو بھی کفِ پا سے مل کر
ہم مل کے بھی خاک ترے نقشِ قدم کی
اب جوگی ہو بیٹھیں گے کہیں بھیس بدل کر

حشر کے دن جو ترے جور اگر یاد رہے
جب مزا ہو کہ ہمیں طاقتِ فریاد رہے
ہم تو اک شیشۂ ساعت کی طرح سے حیرت
خاک چھانا کیے دنیا میں اور آزاد رہے (۲۰۱ب)

زاهد نہ کھلے تجھ پہ یہ نیرنگِ خرابات
جب تک نہ پیے بھر کے قدح بنگِ خرابات
سنگِ درِ میخانہ پر اس رنگ محک ہے
کب سنگِ حرم ہو سکے ہم سنگِ خرابات
حیرت نہ رہا ایک طرف تو کہیں قائم
اے عارِ درِ مسجد و اے ننگِ خرابات

اب چھوڑ کر کنشت جو کعبے کو جائیے
واں بھی یہی صنم ہو تو کیا منہ دکھائیے

رو بہ رو قاتل کے ہونا تجھ کو اے دل کام کیا
دور سے کر لے تماشا صبح کیا اور شام کیا

مجھ کو حیرت ہے کہ میں جب ہو چکا ہوں جاں بلب
آج ظالم پوچھتا ہے مجھ سے تیرا کام کیا

جی جاؤ یا رہے پہ یہ بیمار چپ رہے
یا رب کسی طرح یہ دلِ زار چپ رہے
لا چار ہم نے گالیاں کھائی قبول کیں
پر حیف ہے کہ تس پہ بھی اے یار چپ رہے

کیا پوچھتے ہو زلفِ سیہ من میں ڈسی ہے
یاں جان چلی جاتی ہے اور اس کی ہنسی ہے
ہے شادیٔ مرگ اپنے بھی دل میں تو ولیکن
کیا جانیے قاتل نے کمر کس پہ کسی ہے

زاہد کی لڑکپن سے جو بگڑی ہے طبیعت
پیری میں بھی کھاتا ہے وہ عاصی کے سہارے
اس دیدۂ خوں بار کے ہاتھوں ستی حیرت
(۸۰ الف) کیا پوچھتے ہو ہم تو شرابور ہیں سارے

نظر آیا یہ جہاں مثلِ حباب آخر کار
تاج ہے سر پہ تو کیا، نقش بر آب آخر کار
کیا غلط بیں ہیں مرے دیدہ و دل یا قسمت
چشمۂ خضر نکلتا ہے سراب آخر کار

اے چرخ اگر زندگیٔ خضر جیوں میں
تجھ سے تو کبھی مالک کے پانی نہ پیوں میں

کہتے تو ہیں کل عید کا دن ہے وہ ملے گا
پر دیکھیے تب تک بھی جیوں یا نہ جیوں میں

لینا نہیں ہے مجھ کو تو قاتل سے خون بہا
اس واسطے تو اس کا میں دامن کشاں نہیں
اتنی ہی آرزو ہے کہ یہ بات پوچھ لوں
ظالم تو مجھ سے اب تو بھلا بدگماں نہیں

رخسار یوں جھلکتے ہیں حلقے میں زلف کے
آپس میں ہو رہے ہیں بہم کفر و دیں گرہ
حیرت کے دل میں ہائے کوئی آرزو نہیں
لکنت سے ہے زباں پہ دم واپسیں گرہ

---

(۳۹) قلندر

بدھ سنگھ قلندر تخلص ، قوم کھتری ، متوطن دهلی - جوانے بود قابل و خوب صورت ، آزاد سیرت حوصلہ عالی و وضع لاابالی داشت - هر چند عمدہ روزگار بود اما محبت هر دو جهان را پس پشت داد قریب دو لکھ نقد و جنس (۱۰۸ ب) در یک لمحه یکمشت تصرف نموده در فرقهٔ نانک پنتھی فقیر شد و اصلا بریں مال و منال التفاتے ننمود ، چناں چه مقولهٔ اوست :

دو جهاں ایک داؤ ہے میرا
کھیلتا ہوں قمار آنکھوں میں

لباس آزادی را در بر کرده دید و تماشاے نیرنگی گردش دور دوار کج رفتار از دیدهٔ عبرت بیں می نمود و اصلا لب شکوه و شکایت و طمع پیش کسے نمی کشود ، بعضے اعزا که احوالات

او نقل می کردند ، چنیں تعجب روے می داد که از انسان ایں چنیں کارها بوقوع آمدن ممکن نباشد ، مثلاً بعض وقت در دل او می آمد که طعام نباید خورد ، هفته دو هفته بیست روز ، تا یک ماه علی الاتصال گرسنه می ماند و هرگز کسے معلوم نمی کرد ۔ عجب مرد دیوانه بود ، چنان چه خود می گوید :

وہ سکھ کہ جس کے واسطے دکھ سے مریں ہیں لوگ
میں اس کو اپنے نفس پہ دھر کر اڑا دیا

ایں شعر قلندرانه دال بر آزادی و بے پروائی اوست ۔ از چند سال در بلدۂ بریلی آمده اقامت گرفته بود ۔ چون اجلش نزدیک رسیده دفعۃً بیماریٔ شدید کشید ، در حالت نزع (۹۰۱ الف) از صاحب خانه گفت که چهارپائی ما در کسے وادی بنهید که ایں طائر روح ازیں قفس تن پرواز نماید و ایں قالب خاکی بار دوش کس نشود ۔ آشنایان هر چند منع نمودند ، اصلا لب اجابت نکشود ، لاچار نعش او در وادی نهادند ، آخر همانجا در گذشت ، فکر صائب و ذهن مناسب داشت ، بعد وفات او مسوده اش هولاس رائے رنگین که حوالش خواهد آمد جمع نموده ، نزد خود نگاهداشته ، دیوانش از نظر ایں عاصی گذشته ، چند اشعار ازاں انتخاب نموده نوشته می شود ۔ ازوست :

نہ ڈر پرسش سے روزحشر کی اے دل بہار آئی
کر اب رندی و مستی کل جو ہونا سو تو ہو لےگا
بتاں کیا مفت ہے یہ دل جو لے کر بھول جاتے ہو
جو کوئی من مانتی قیمت ہمیں دیوےگا سو لےگا

میں نے اپنے جی کے تئیں اس کی جفا کو سونپا
پر جو پوچھو تو کہیے کس کی بلا کو سونپا
اے دل اب جاتے ہیں ہم تو تو رہا کر اس پاس
عشقِ[1] اللہ ، تجھے ہم نے خدا کو سونپا

زہر اب تیغ ناز و ادا کا جو پی گیا
کہنے کو مر گیا پہ جو پوچھو تو جی گیا

عشق یوں کیجیے نہ کوئی آپ کو پہچان نہ جا (۱۰۹ ب)
جان جاوے تو بلا سے پہ کوئی جان نہ جا

مست ہی رہتے ہیں دن کیا رات کیا
ہم قلندر ہیں ، ہماری بات کیا

قلندر تو کیا دل کی پوچھے ہے باتیں
تجھے دل کا رونا مجھے اپنے جی کا

پایا مجاز میں جو گاہک بہ از حقیقت
راہ ہی میں بِک گیا دل بازار تک نہ پہنچا

کون ہے جینے کا غم جس کا نہ لوہو پی گیا
اس بلا کے ہاتھ سے جو مر گیا سو جی گیا
اب لگا دو عیش کو آگ اور طرب کو پھونک دو
تھا یہ جس کے واسطے سب کچھ سو وہ دل ہی گیا

---

۱ ۔ عشق ہے، عشق اللہ اور صرف عشق ، قلندروں کا سلام ہے ۔

کچھ تو اپنے لب سے دے ظالم قلندر کو مراد
کو میں بوسے کے قابل گالیوں سے بھی گیا؟

دل میں خیال ایک ہی دلبر کا خوب ہے
اجڑے ہے ملک آوے ہے جب شاہ دوسرا
جانے نہ ہم کسی کو قلندر بغیر دوست
اللہ ایک ہے، نہیں واللہ دوسرا

اگر ملتے ہو غیروں سے تو ادھر دو ہمارا دل
ہمارا دل رکھو صاحب جو رکھتے ہو ہمارا دل

(۱۰ الف) نہیں اس بسمل تیغ نگہ میں دیکھ آ کر دم
عبث غمزے کے تئیں مت تشنۂ خوں کر بتا کر دم
قلندر درد دل کہتا کہاں تک میں لظیری سے
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

طالب نہیں ہوں دیں کا، نہ دنیا پرست ہوں
عاشق ہوں، درد کش ہوں، قلندر ہوں، مست ہوں

حباب آسا مری تعمیر ہے بحر فنا اوپر
جو کھولوں دیدۂ تحقیق ابھی اک دم میں بہہ جاؤں

وصف میں اس کے دہن کے کہہ تو کہیے کیا سخن
غیب کی تو بات ہرگز کچھ کہی جاتی نہیں

وفا تجھ بے وفا سے چاہتا ہوں
سڑا ہوں ، باؤلا ہوں ، کیا بلا ہوں
ترا ہوتا ہوں بندہ یک نگہ میں
بھلا اس مول کو میں کیا برا ہوں

کیا تھا مجھ سے دو بوسوں کا وعدہ
بھلا اب دو نہیں تو ایک ہی دو
قلندر دے کے دل تو خوش ہوا ہے
یہ کیا اچھا کیا ، تیرا برا ہو

دنیا نہ ہو تو غم نہیں اور دیں بھی گو نہ ہو
یا رب نہ ہونا اس کا قیامت ہے سو نہ ہو

قسم ہے موت کی ، جیسے پر اس بن کس کا جی ہووے
ہمیں اس جی سے نئیں کچھ کام، جیوے جس کا جی ہووے
بھلا دیکھیں نگہ میں کس کے جی کو کاڑھ لیتی ہیں
ملاوے آنکھیں ان آنکھوں سے گر نرگس کا جی ہووے (۱۰۰ ب)

جی کو سر زندگی نہیں ہے
کیا جی کے کروں کہ جی نہیں ہے
جب ہوگی تو ہوگی زندگانی
اب تو ہمیں موت بھی نہیں ہے

چاہ زنخ میں ڈوبے گا اے دل سنبھالیو
رخسار صاف پر تو مبادا پھسل پڑے

قصد خوں ریزی کا گر دل میں ترے اے جان ہے
تیغ کرنی تیز کچھ مشکل نہیں آسان ہے
بہہ گئے آفاق میرے اشک کے طوفان میں
مت کہو طوفان نوح ایسا تھا ، یہ طوفان ہے

کیوں مری دن ہی کی باتوں سے خفا ہوتا ہے
رات باقی ہے ابھی دیکھ تو کیا ہوتا ہے

جدائی میں مری اے یار جانی
ہوئی ہے موت ہم کو زندگانی

رہتا ہے وہ ہجر بیچ جیتا
جس شخص کی موت آ لگی ہے

مجھ کو کیا ہے جنوں نے آکر دی
ساری عقل و خرد ہوا کر دی

پوچھتا تھا یار مجلس میں قلندر کون ہے ؟
میں کہا بندہ ترا ہے اور خدا کا نام ہے

---

(۹۶) محشر

اکرام اللہ محشر متوطن بلدۂ بدایوں ، جوانے است قابل ، سعادت‌مند ، خوش خصال ، پسندیدہ افعال ، خوبصورت ، پاکیزہ سیرت (۱۱۱ الف) خلیق ، آشنا پرست ، سخن فہم ، دقت پسند ، طالب علم ، مستعد ، ناظم وناثر ، شاعر زبردست فارسی ، مزاج آزادانہ و دریکانگی ابی جہان فانی یگانہ ، ذہن سلیم و طبع مستقیم دارد ، اکثر مثنویات

دلچسپ و رنگین و دیوان مختصر فارسی و تذکرہ اولیاے بدایوں مسمی بہ روضۂ صفا از تصانیفات (کذا) اوست ۔ گاہے بحسب فرمائش یاراں ، خصوصاً این ہیچمداں ، چند غزلیات متفرقہ ریختہ ہم گفتہ ، بموجب مقولۂ او :

دی ریختے کی شوق نے عشرؔ مجھے تکلیف
میں ورنہ کہاں مانے تھا بات کسی کی

ہر چند کم گو است ، اما بسیار خوش گو ۔ باین عاصی ربط تام و اتحاد کلی دارد ، ازوست :

عشق کی آتش سے گھر میرا تجلی زار ہے
گرچہ ویرانہ ہوا پر دشت ایمن ہو گیا

عاجز ہوں دل کے ہاتھ سے ویسا ہی بعد مرگ
آرام بھی نہ لینے دیا تک مزار میں
اے ہمرہاں نہ کیجو تم اب فکر زادراہ
ہیں لخت دل بھرے مرے جیب وکنار میں
خالی ادا سے خط کی سیاہی بری نہیں
گویا چھپا ہے لشکر تار اس غبار میں

ہے جوانی میں بھی یاں تک دو نہایت دلچسپ (۱۱۱ ب)
اب بھی چھاتی سے لگا لیجے تو چھوڑا تو نہ جا

مجھ کو اس ناز اٹھانے کا سروکار نہیں
کیا اکڑتے ہو بہت ، یہی طرح دار نہیں

نے گلِ جیب ہوں عالم میں نہ خارِ دامن
جامہ زیبوں کا ہوا ہوں میں غبار دامن
ہوئی امید مجھے دیکھ ترا سرخ سنجاف
میرا خون بھی کبھی آوے گا بکارِ دامن

اب تو نہیں رنگ رہا دل کو کسی خواری کا
ہوں میں سودا زدہ اک دلبر بازاری کا
اک نگہ مول ہے تس پر بھی گراں ہے جانی
دور جاتا ہے رہا دل کی خریداری کا
کبھیو مژگاں سے مرے دل کو نہ دے ہاتھ سے ڈال
ہے یہ تعویذ تری چشم کی بیماری کا

خفا ہو غم سے جب نالہ لبوں کے متصل آیا
وہیں دامن پکڑنے کے لیے پیچھے سے دل آیا
خبر شیریں کے مرنے کی یکایک اس کو پہنچا دی
کوئی اول نہ رکھ فرہاد کی چھاتی پہ سل آیا
وہ معنی جس کی میں صورت ہوں نہیں پاتا کہیں ہرگز
خجل جاتا ہوں ہستی سے عدم سے منفعل آیا

نہ پڑھا کھول کے نامے کو نہ پیغام سنا
اس نے شاید کہیں قاصد سے مرا نام سنا

کبھی بھی گالی نہ دی ہنس کے اف ری کم سخنی
ترے دہن نے کیا تنگ حوصلہ دل کا

اب وہ تو مشق ستم ، زور ہی استاد ہوا
یعنی دلبر ہوا قاتل ہوا ، جلاد ہوا

کہاں سیکھی ہے دلداری کا سیوہ شمع چھتیسی
جلا پروانے کے تئیں آپ پھر جلتی ہے ستی سی
تغافل کے شہیدوں کو جلادے ہے تبسم سے
مگر صبح قیامت ہے ترے دانتوں کی مسی

بہار آئی ہے اے ساقی مئے گلگوں پلا ظالم
مغنی تو بھی ہاں ٹک ساز عشرت کا بجا ظالم
بچا سکتا ہے کوئی جان کو کیوں کر جو رکھتا ہو
فلک سا دشمن بےرحم تجھ سا آشنا ظالم

اگر بجائے بےرحم برائے مناسبت فلک لفظ بے مہر باشد
ایں شعر بآسماں رسیدے۔

آتا ہے کس انداز سے شمشیر کو کھینچے
اس وقت مصوری تری تصویر کو کھینچے

آچھپا شور قیامت ترے داماں کے تلے
فتنہ پلتا ہے ترے سایۂ مژگاں کے تلے
جز لب زخم کہ ہے ریزۂ الماسی پر
کون چاہے تری شمشیر کو دنداں کے تلے

میں جور خلق اٹھاتا ہوں یار کی خاطر
رکھوں ہوں ایک کی خاطر ہزار کی خاطر

مرے غبار سے دامن کشیدہ جاتا ہے
ہوا ہوں خاک میں جس شہسوار کی خاطر

پر غضب بالدھے کمر ناز سے تنگ آتا ہے
(۱۱۲ب) یاد آتا ہے ولے بر سر جنگ آتا ہے

دل کو ان آنکھوں نے ڈالا ہے مروڑ
اس پری کے رہو سامنے سے پرے
چشمِ بد دور کس انداز ستی
تیغ کالدھے اوپر آتا ہے دھرے

تلوار کھینچ کس کو دکھاتے ہو بانکپن
بیٹھے رہو ، میں ایسی اداؤں سے ڈر گیا
حالت میں نا امیدی کی پڑھتا تھا وہ یہ بیت
محشر کے گھر جو آج میں وقتِ سحر گیا
آیا نہ یار ہائے شب آنکھوں میں کٹ گئی
سن لوگے انتظار میں دن بھی گزر گیا

کیا عجب دن تھے کہ وحشت کو مری تاثیر تھی
سیرِ دشت و باغ تھا اور پاؤں میں زنجیر تھی
گور میں فرصت سے کرتا ہوں کفن کو تار تار
حسرتِ چاکِ گریباں بس کہ دامن گیر تھی
اٹھ گیا میں در سے تیرے کر محبت کو سلام
چرخ دشمن ، بخت واژوں ، آہ بے تاثیر تھی

اس کے کوچے میں جو محشر پھر گیا معذور رکھ
شوق دامن کش تھا اور حسرت گریباں گیر تھی

تھمے ہے نالے سے گر یک نفس زباں میری
بہے ہے پھوٹ کے یہ چشم خوں فشاں میری
ملی تھی چندے محبت کے ہاتھ سے فرصت
نظر پہ پھر چڑھا اب کی ایک آن میری
صنم کدے سے لیے تا حریم بیت اللہ (۱۰۳ الف)
خبر نہ عمر کی پہنچی کہاں کہاں میری
ثنا میں زلف کی از بس لکھا کیا محشر
قلم کی طرح سیہ ہوگئی زباں میری

خبر تھی تیرے اس اک غمزۂ نہانی کی
میں ایک عمر عبث دل کی پاسبانی کی
تری گلی میں بہ زور فتادگی میں رہا
خدا دراز کرے عمر ناتوانی کی
مرے قفس پہ نہ اے ہم صفیرو کیجو گزار
تڑپ کے مروں گا میں حسرت سے پرفشانی کی

مرے آنسو نے کی ہے کیا صف مژگاں سے سر جنگی
غنیم ایسا کوئی ڈراریوں میں ہو تو ہو جنگی
چمن میں بلبل مسکیں کرے کس کس کی غم خواری
ادھر گل کی پریشانی، ادھر غنچے کی دل تنگی

چرا لینا نگاھوں میں دل اور ھونٹوں میں ھنس دینا
لیا شیوہ نکالا واہ وا چوری و سرھنگی

نالہ کھینچوں ھوں تو کتنے ھی جگر جلتے ھیں
شعلے کے اڑنے سے جوں سیکڑوں گھر جلتے ھیں
ھے دلِ گرم میں یہ ذوق کہ مانندِ سپند
زمزمہ کرتے ھیں ھم ، آگ میں گر جلتے ھیں
یہ بھی ھستی ھے کہ ھو آنکھ جھپکنے میں ختم
فرصتِ عمر پہ ھم مثلِ شرر جلتے ھیں
(۱۰۲ ب) دیکھ کر گرمیٔ بازار کو تیری محشر
آتشِ رشک میں اربابِ ھنر جلتے ھیں

ھو جیسے صدا لب پر آھوں کے پھپھولے ھیں
دل تجھ کو نہ دینا تھا اس جاگہ پہ چوکے ھیں
جی ھاتھ سے خوباں کے بچتا نظر آتا نہیں
بے رحم ھیں ، ظالم ھیں ، پیاسے ھی لہو کے ھیں

نقشہ ترا آ دیکھے مرے دل کے بغل میں
خورشید چھپا جن نے نہ دیکھا ھو کنول میں
ھرگز نہ ھو آرام ، وہ بت رکھتا ھو ھرچند
تسخیر کو ، افسون کو ، لٹکے کو عمل میں
خورشید نہیں ، گردوں کی ھر برج کے دل بیچ
ھے داغ ، تو جس روز سے چڑھتا ھے بہل[1] میں

---

۱ - بہل ، بہلی : ایک گاڑی جو رتھ سے مشابہ ھوتی ھے -

یہ وہ مے ہے کہ جس کو دیکھ کر ہوش ملک جاوے
کہیں ایسا نہ ہو ساقی کہ پیمانہ چھلک جاوے
یہ حسرت ہے دمِ آخر جو تو بالیں پر آ بیٹھے
رکھوں سر کو ترے زانو پہ اور گردن ڈھلک جاوے

بس بس نالہ کہ تا حق نہ مجھے سانگ کہیں
اب در اشک نکھل جائے ہے جوں رانگ کہیں
پھر نہ اکڑے گا فلک اپنی سپرداری پر
ہم سے گر چل گئی نالے کی کوئی سانگ کہیں
کوچۂ عشق میں تا پھر نہ کوئی پاؤں رکھے
کرچکے قتل تو ظالم مرا سر ٹانگ کہیں
طرح غنچے کی ہر اک عقدے میں ناخن ہیں چھپے
اپنی مشکل میں مدد غیر سے مت مانگ کہیں (۳۱، ب)

ہووے اس بت میں وفا یا کہ جفا، دیکھیں تو
کیا دکھاتا ہے ہمیں اب کی خدا، دیکھیں تو
ہم ہوا خواہوں کو لادے خبرِ کوچۂ یار
کیسی جلد آئے گی ہاں بادِ صبا دیکھیں تو

ق

خلوتِ وصل میں کل شمع کی جا پروانہ
اتنا بولا کہ میں جلتا ہوں کہا: دیکھیں تو
پھر نہ معلوم ہوا حال کچھ اس کا یارو
اُڑ ٹک پردۂ فانوس اٹھا دیکھیں تو

بیار کچھ مائلِ فریاد رسی ہے محشر
حال دل اپنے کا آ ہم بھی سنا دیکھیں تو

نہ ترا نامہ بر آیا نہ نوشتہ پہنچا
مجھ کو پیغامِ اجل لے کے فرشتہ پہنچا

ہے چڑھی جب سے تری زلفِ پریشاں سر پر
سایہ گستر ہے مرے شامِ غریباں سر پر
قصد ادھر کو جو قدم رنجے کا ہے بسم اللہ
آئیے جان مری آنکھوں پہ جاناں سر پر
کیا یہ شوخ انکھڑیاں آہو سے کہو تو کم ہیں
سینگ ہوتے ہیں مگر آہو کے یاراں سر پر

مجھے آرایشِ گردون ناہموار لے ڈوبی
مرا گھر آب میں تردستئی معمار لے ڈوبی
نفس کے ضبط سے غافل نہ رہ یاں ایک عالم کو
حباب آسا تنک منہ کھولتے گفتار لے ڈوبی (۲۰۱ ب)
اثر کے زور سے اس بت کے دل میں جا دھنسا نالہ
یہ پیکاں تیر کو پتھر میں تا سوفار لے ڈوبی
میں غرقابِ فنا روتے ہی روتے ہو گیا محشر
کسی ظالم کی مجھ کو حسرتِ دیدار لے ڈوبی

حق تعالیٰ کرے جلووں کی ترے دھوم رہے
ایک ہم کو ترے دیدار سے محروم رہے

کیا سبب ہے مری وحشت کو خوش آیا ہے نہ شہر
ورنہ صحرا میں مرا خار قدم چوم رہے
ہم‌سری کر نہ سکے زلف سے اس لیلی کی
بید مجنوں کی جو ہر شاخ جدا جھوم رہے
مست ہو شیخ خرابات کی کیفیت دیکھ
یاں وہ چہلیں ہیں فرشتہ بھی نہ معصوم رہے
تجھ سے میکش کے نہ ہو دل میں جو توبہ کا خیال
محشر اس بزم خرابات میں کیا دھوم رہے

مجھ سے کچھ الجھی ہے یہ زلف پریشاں بے طرح
ہائے یہ کالی بلا ہے درپئے جاں بے طرح
ڈر ہے طوفاں کے کھڑا کانپے ہے گردوں کا جہاز
لہر پر آئی ہے اب کی چشم گریاں بے طرح
دل کو اک دھڑکا سا ہو جاتا ہے اس مذکور سے
حرف جانے کا سنا دیتے ہو جاناں بے طرح
سچ کہو آغوش سے کس کی نکل بھاگے ہو رات (۱۱۵ الف)
چولی سب مسکی ہے اور پھاٹا ہے داماں بے طرح

---

(۹۷) امیر

حافظ امیرالدین امیر مخلص، از نجبائے بلدۂ بدایوں، صاحب دیوان مختصر فارسی، اگرچہ کم گوست اما بسیار خوش گو۔ مشق سخن او بدرجۂ استاداں رسیدہ، گاہے یک دو غزل ریختہ بتقریبے موزوں می کند، چند اشعار متفرقات ازو حفظ است:

ان دنوں کچھ بن نہیں آتا، ٹک آنے دو بہار
چھین لوں مجنوں سے اقلیم بیاباں تو سہی

باغباں لالہ پر اتنا بیٹھتا ہے پھول پھول
داغ سینے کے کروں میں بھی نمایاں تو سہی

پھر چمن کی سیر کو امسال آتی ہے بہار
سووتے فتنے جنوں کے کو جگاتی ہے بہار
کیوں نہ آپس میں کریں بحث سخن ہر صبح دم
گلستاں کا درس غنچوں کو پڑھاتی ہے بہار
نو عروسانِ چمن کی گر یہ مشاطہ نہیں
کیوں گلوں کے ہاتھ پر مہندی رچاتی ہے بہار

باغ میں کس کے دھان و رخ کی کل تقریر تھی
گل پریشاں ہو رہا تھا اور کلی دلگیر تھی
پہنچتے ہی کر دیا اس سنگ دل کو بد دماغ
واہ واہ اے آہ بس تجھ میں یہی تاثیر تھی
(۱۵ ب) دے چکا تھا اپنے در سے بارہا تو تو اٹھا
پر وفاداری ہماری[1] ہم کو دامن گیر تھی

قاعدے پڑھتا ہے ستم کے وہ طفل
ہووے دل اب زیر و زبر چاہیے
خانہ بدوشی ہے عجب گھر امیر
جس کو نہ دیوار و نہ در چاہیے

---

۱ - فی الاصل : اپنی

ق

پاس میرے اک وہ آ بیٹھا امیر
رات اپنے بخت نے کی یاوری
بے خودی میں میں نے جام شوق کی
ایک بوسے کی طلب اس سے کری
تر کے رو کھی تیوری مہ رو اٹھا[1]
رکھ کمر میں خنجر کبمہ وری
اس کے دامن کو پکڑ کر میں کہا
اب کوئی چھوڑوں ہوں اے رشک پری
مسکرا کر ناز سے کہنے لگا
عاشقی کرتے ہو یا زور آوری

---

(۹۸) معین الدین

معین الدین برادر امیرالدین مسطور ، ساکن بلدۂ بدایوں ، جوان خوشرو وخوش گوست ۔ از مدتے در رکاب سعادت خلائق پناہ ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ می ماند و ہر سال قصیدۂ جشن نثار نمودہ می گذراند و صلۂ لائق از حضور پر نور می یابد ۔ چند ابیات متفرقات او بسمع رسیدہ ، ازوست :

اے باد صبا جائیومت باغ میں تڑکے
سوتا ہے وہ گل پات مبادا کہیں کھڑکے
جوں یشب[2] کی تختی اگر اس راحت جاں کو (۱۱۶ الف)
چھاتی سے لگا رکھیے تو دل کاہے کو دھڑکے

۱۔ فی الاصل : اٹہ چلا ۔
۲۔ سنگ یشب — جس کی یہ خاصیت مشہور ہے کہ خفقان اور ہول دل میں نافع ہے ۔

آتے ہیں نہیں کر کے سوئے چشم بھر آنسو
اس گھر سے مگر روٹھ کے نکلے ہیں یہ لڑکے
سر رشتہ رہِ عشق کا ہرگز نہ کرو گم
سو ٹکڑے اگر سبحہ نمط ہوں مرے دھڑکے

اگر بوسہ نہ پایا لذتِ دشنام لے آیا
غرض میں کچھ نہ کچھ اس لب سے اپنا کام لے آیا

رباعی

غربت میں ہماری اور کن نے دیکھا
پیدا کیا زر کہ زور کن نے دیکھا
گو بخت بٹھاویں تختِ طاؤسی پر
ناچا جنگل میں مور کن نے دیکھا

---

(۹۹) فدوی

فیض اللہ بیگ فدوی ساکن ضلع پنجاب ، مردے بود ، دوموے ، آبلہ روے ، زیادہ گوے ، و جنگجوے ، نوکری پیشہ ، بے اندیشہ ، مائل برفض ، گزاف لایعنی دشمنان بے معنی پیش ہرکس می گفت و باوجود ہیچمدانی خود را ہمہ داں می شمرد بموجب مقولۂ کسے :

ہرکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدھر بماند

بہ سبب سخنان بیہودہ باکسے صحبت برآر نمی شد ، قریب دوماہ شدکہ از بیماریٔ تب ولرزہ در بریلی فوت شد ۔ با این راقم الحروف در قصبۂ آنولہ یک دوملاقات شدہ بود ۔ (۱۱۶ ب) اکثر غزلیات

قطعه بند او بنظرایں مؤلف گذشته ، شعر را بوضع خود آراشی بطور شاه نامه بآواز کرخت می خواند ـ سامعانِ نافهم لب تحسین و آفریں می کشودند ، غرهٔ شاعری در دل خود چناں داشت که خود را از خود زیاده می پنداشت ، بعضےاعزاء در مرض‌الموت براے ملاقات او رفته بودند ، بمجرد ملاقات گفت که یاراں بشنوید دریں روزهاچه مطلع تازه موزوں[1] کرده ام :

پہلو میں اپنے درد اٹھا دل کے متصل
بیٹھا رقیب ساتھ جو وہ مل کے متصل

طبع مو زوں‌و مناسب داشت ، قصهٔ یوسف زلیخا را در زبان ریخته بوجه احسن بسته ، از اشعارش چند غزلیات متفرقات بنظار رسیده ، ازوست :

گلشن میں جب لٹک کے شہِ گل رخاں چلے
اس کے جلو میں سرو سا رعنا جواں چلے
عمرِ عزیز دم لے کہ دنیا سے ایک دن
رختِ سفر کو باندھ کے سارا جہاں چلے

ہے نظر بازوں کی اے مشفق ! نظر چاروں طرف
دیکھتے ہیں پیش و پس ایدھر اُدھر چاروں طرف
کعبہ و بت خانہ و دیر مغاں و مدرسہ
جس جگہ دیکھو ہے اس فدوی کا گھر چاروں طرف (۲۱۰ الف)

پرواز میں ہے زلف گرہ‌گیر ہوا پر
اڑتے ہیں سدا کافر بے پیر ہوا پر

---

۱ - فی الاصل : مضموں ـ

آتش نفسی شیشے کا گھر کرتی ہے برباد
مانند حباب اس کی ہے تعمیر ہوا پر

چشم کے روزن سے گو یاں ریزش ناسور ہے
لخت دل کٹ کر گریں رونا تو آب منظور ہے
جس جگہ ہوتا ہے میرا ذکر واں کہتا ہے یار
کون ہے ، کیا ہے ، ابی ایسے کا کیا مذکور ہے

آج تیری لٹک جو دیکھی ہے
اے بت خوش خرام کیا کہیے
واہ ساقی ترے اس آنے کو
نے صراحی ، نہ جام کیا کہیے

پہنچ اے آہ سحر ، دوڑیو اے پیک سرشک
کون لاتا ہے بھلا دل کی خبر دیکھیں تو
ہم تری تیغ کا اوصاف سدا سنتے ہیں
اس کو ٹک لا تو مری جان ادھر دیکھیں تو
لوگ کہتے ہیں بڑا کاٹ ہے اس تیغ کا پر
تب یقین آوے مری جان اگر دیکھیں تو
بول اٹھا : آپ کے گر جی میں یوہیں آئی ہے
جانب قبلہ جھکا بیٹھیے سر دیکھیں تو

روتے روتے ہوا ہے تر کاغذ
کیا کہے کوئی نامہ بر کاغذ

اُب اسی پر لکھوں میں دل کا درد
ہے یہی پرچۂ جگر کاغذ (۱۱۷ ب)
لے کے قاصد سے ان مطالعہ کر
پڑھ چکا جب کہ سر بہ سر کاغذ
مثل مکتوب کھا کے پیچ و تاب
دیا آتش پر ان نے دھر کاغذ
اور کتنا نامہ بر سے میاں ایسے
اڑتے پھرتے ہیں در بہ در کاغذ
کن نے بھیجا ہے، کون ہے وہ شخص
جس کا لاتا ہے تو ادھر کاغذ
مثل کاغذ ترے کروں پرزے
پھر تو لاوے کسی کا گر کاغذ
یہ زبانی ہی اس سے جا کہیو
یعنی ارزاں ہے اس قدر کاغذ
یا تیں لوٹی ہے کاغذی کی دکاں
یا برستا ہے تیرے گھر کاغذ
روز لکھ لکھ کے مختلف مضموں
بھیجنا شام اور سحر کاغذ
ایسے انشا کے ہم نہیں مشتاق
رہنے دیجیے گا طاق پر کاغذ
ایک دن اس میں کچھ ضرر ہوگا
ہم میں تم میں ہے فتنہ گر کاغذ
کون جانے ہے سرنوشت کی بات
دیکھیے کس کو دے ضرر کاغذ

وہ جو فدوی ہیں خوش رہیں گھر میں
کیوں الجھتے ہیں بھیج کر کاغذ

قطعہ

شمشیر مرے ہاتھ میں کل دیکھ کے ناگاہ
بولا کہ ادھر جا کے کہیں پھینک پرے تیغ
دھمکانے ہمیں دیکھیو کس ڈول سے آیا
ہتھوانسوں میں کر ڈھال کو، شانے پہ دھرے تیغ
(۱۸ الف) لو ڈر گئے ہم آپ سے، بھلا رے نری دھج
منہ دیکھو تو، کھینچے گا مرے پر تو ارے تیغ
اور میں بھی جو وحشت میں پھر آجاؤں تو واللہ
اس وقت مرے ہاتھ سے وہ کاٹ کرے تیغ
حیرت میں رہے تو بھی اور میں بھی نہ کہوں بس
جب تک کہ ترے خون میں باللہ نہ ترے تیغ

اگرچہ ایں قطعۂ بے لطف قابل تحریر نبود فاما محض برائے خاطر بعضے یاراں کہ قائل قطعہ گوئی شاعر مسطور اند، بتحریر در آورد، دیگر ہم ازیں قیاس باید کرد، مثل مشہور است کہ:
تانت باجے اور راگ بوجھا

جرأت کہاں کہ اس کو دوں قرآن کی قسم
لاتا ہے دل مرا مجھے آگے دھرے ہوئے

مژہ کی لوک سینے میں نگاہ یار لے ڈوبی
کہ جیسے بھال تودے میں سرے یک بار لے ڈوبی

آوارہ و سرگشتہ ، نہ دیوار و نہ در کے
سائے کی طرح ہم نہ ادھر کے نہ اُدھر کے
افسوس بھٹکتے ہی پھرے ہم تو جہاں میں
پوچھا نہ کسی نے کہ میاں تم ہو کدھر کے

گرمی سے عرق ہو گیا چلتے ہوئے اے اشک
آ سایۂ مژگاں میں تنک بیٹھ کے دم لے
دل کو تو گنوا بیٹھے تصور میں کمر کے
اور ہم بھی تعاقب میں چلے راہ عدم لے (۱۱۸ب)
ناحق ہے یہ تہمت کہ تو غیروں پہ ہے عاشق
گر تیرے سوا اور کو چاہیں تو قسم لے
راتوں کے تئیں چونک پڑے نیند سے رستم
گر خواب میں دیکھے اسداللہ کے حملے

بادہ کشی سے ہم کو ہوتے ہیں یار مانع
یاں ترک مے نہ ہووے گو ہوں ہزار مانع
یاں گل کا دیکھنا تو چھوٹے نہ بلبلوں سے
گو سو طرح سے الجھیں اور ہووے خار مانع

ق

آنے سے اپنی جانب تم ہم کو اے پیارے
تھے وقت سادہ روئی بے اختیار مانع
پر یہ عجب تماشا جب سے کہ خط نکالا
نے آپ سدِ رہ ہیں نے چوب‌دار مانع
بولا کہ یاں چمن میں دیکھا ہے ہم نے اکثر
ہوتا ہے باغباں بھی وقتِ بہار مانع

جب موسم‌خزاں ہو، اڑتی ہے خاک ہر سو
تب ہوویں کیا کسی کو گرد و غبار مانع

---

(۱۰۰) نعیم

محمد نعیم متوطن شاہ جہان آباد ـ طبع درست و موزوں داشت ، از چندے بسبب ویرانگی دہلی در اتر چھینڈی کہ موضع است متصل قصبہ آنولہ ، استقامت داشت ـ قریب دو سال شد کہ بآزار استسقا در گذشت ، خداش بیامرزاد ـ دیوان ضخیم ترتیب دادہ (۱۱۹ الف) پارۂ اشعار او بتحریر می آید ، ازوست :

جب مر چکے تب جواب آیا
قاصد تو بھلا شتاب آیا

بتوں کی بندگی دل سے کیا کر اس کو گر چاہے
اسی‌ہی شکل‌میں ہووے تو ہووے اے خدا پیدا
نعیم اپنے کو مت چھیڑو میاں صاحب میں کہتا ہوں
نہیں ہوگا مرے صاحب پھر ایسا آشنا پیدا

کچھ بھید میں اب اس کا اے یار نہیں پاتا
جب مجھ کو تو پاتا ہے تلوار نہیں پاتا

جو کچھ سلوک ہم سے کرے تو، سزا ہے یار
چوکے ہمیں جو تم کو نمودار کر دیا

تم جو وہ لطف و پیار بھولے ہو
اس قدر کس پہ یار بھولے ہو

ایسے کو دل کوئی بھی دے ہے لعیم
اس جگہ میرے یار بھولے ہو

کس کی ہو انتظار سچ کہیو
اے مری چشم‌زار سچ کہیو
میں بھی آوارگی میں کیسا ہوں
کیوں بھلا بوکِ خار سچ کہو

بدلے میں وفا کے جور و دشنام
اے آفریں تیری منصفی کو

دم بہ دم جھڑکی اور گالی ہے
تو نے یہ کیا زباں نکالی ہے
خاکساروں کو مثل اخگر کے
وہی توشک وہی نہالی ہے

جب مانگوں ہوں میں اس سے سائل کی طرح بوسہ
کہتا ہے مجھے ہنس کر : پھر مانگ خدا دیوے (۱۱۹ب)

دیجیے گر خیر ، خیر ، ورنہ بخیر
خوش رہو ، یہ فقیر سائل ہے

دل میں ہو ہو گداز جلتے رہے
دم بہ خود شمع وار جلتے رہے

وہ ادھر دل کو لے گیا اے نعیم
ہم ادھر بیٹھے ہاتھ ملتے رہے

---

(۱۰۱) شہرت

محمد علی شہرت تخلص ، متوطن دھلی ، از شاگردان یحییٰ امان جرأت است ، از بسکہ شہرت دارد محتاج بہ توصیف نیست ، چند ابیات او بسمع رسیدہ ، ازوست :

دیوان پن یہاں تک مشہور ہے ہمارا
ہر خار کی زباں پر مذکور ہے ہمارا
ہیں صید ناتواں ہم، تاخیر سم ہے قاتل
گر تجھ کو ذبح کرنا منظور ہے ہمارا
رھتا ہے پاس اور وہ ٹک بیٹھتے ہی بولا:
جانے دو اب تو ہم کو گھر دور ہے ہمارا
اٹھنے سے اس کے تن سے گو جی چلا، پہ یارو
جانے کو منع کیجے ، مقدور ہے ہمارا
وہ وقت نزع بارے یوں ہاتھ مل کے بولا
اب عن قریب مردن رنجور ہے ہمارا
ٹپکے ہے خون کا ہے، کہ درد سا اٹھے ہے
شہرت عجب طرح کا ناسور ہے ہمارا

ملیے جو اس بت قاتل سے تو ڈر آتا ہے
(۱۲۰ الف) اور ملیے نہ ، تو مرنا ہی نظر آتا ہے
کر کے ناخوش مجھے کوچے سے اٹھا مت ظالم
کرتے ہیں اس کی خوشی اپنے جو گھر آتا ہے

گھر سے لڑکے کو اکیلا نہیں جانے دیتے
اس لیے اشک کے ہمراہ جگر آتا ہے
میرے ہی گھر کی طرف اس کے قدم پڑتے ہیں
میں تو حیران ہوں وہ آج کدھر آتا ہے
کم نصیبی سے ملاقات نہیں ہوتی آہ
جب میں جاتا ہوں آدھر لت، وہ ادھرآتا ہے
نہیں معلوم کہ کیوں آج ہایت غمگیں
شہرت اس کوچے سے بادیدۂ تر آتا ہے

---

(۱۰۲) حیران

میر حیدر علی حیران ، جوانے ست قابل ، خوش‌گو ، متوطن لکھنئو - شاعر خوش فکر و خوش گفتگو ست از شاگردان حسرت مصور ، چند اشعار او بنظر رسیدہ ، ازوست :

یہ کب کہتا ہوں میں تم کو نہ اے آرام جاں جاؤ
مرا جی ٹک نکل لے ، پھر جہاں چاہو وہاں جاؤ
نہیں جانے کے جیتے جی گلی سے یار کی ہم تو
اگر جاتے ہو تم اے طاقت و تاب و تواں جاؤ
ترے کوچے کی ہیرا پھیری ہی میں دن گزرتا ہے
وہاں جاؤ ، یہاں آؤ ، یہاں آؤ ، وہاں جاؤ
لگا جو حال کہنے اس سے میں ، غصے سے یوں بولا
مجھے آئی ہے نیند اب کہہ چکے تم داستاں ، جاؤ (۱۰۲ ب)
ہمیں تو عشق سے حیراں نہ ٹلنا ہاں یہی دھن ہے
اگر ہے عشق میں برباد جاتا خانماں ، جاؤ

ق

کل کہا میں نے : میرے گھر چلیے
اس میں کچھ کم نہ ہوگی محبوبی
سن کے ، تیوری بدل ، لگا کہنے :
رسم و راہ ادب تو سب ڈوبی
مجھ کو کہتا ہے میرے گھر چلیے
دیکھنا اختلاط کی خوبی

---

(۱۰۳) حسن

خواجہ حسن ، از فرزندان خواجہ کمھاری نوراللہ مرقدہ ، متوطن دھلی - جوانے است وجیہ ، عالی حوصلہ ، نہایت قابل و حسن پرست ، حالا در لکھنئو شہرت دارد ، این چند غزلیات او بنظر رسیدہ ، ازوست :

آنا محال ہوش میں ہے مجھ سے مست کا
مدھوش ہوچکا ہوں میں روز الست کا
ہر تار میں ہیں اس کے گرفتار کتنے دل
مذکور کیجے زلف کے کیا بندوبست کا

فقط نقشہ نہیں خوب ، اس کا عالم ہی نرالا ہے
خدا نے اس کو سر سے پاؤں تک سانچے میں ڈھالا ہے
خیال آتا ہے جب تیرا تو ہم جانے نہیں دیتے
ترے ملنے کا ہم نے یار اور ہی ڈھب نکالا ہے
چمن میں دیکھ اس کی چشم ، نرگس سرنگوں ہوکر
گری تھی خاک پر لیکن عصا نے ٹک سنبھالا ہے

[اس کے بعد غالباً ایک ورق غائب ہے ۔ اور حسن کا کچھ انتخاب یوں رہ گیا ہے

- - - - - - - نہیں شاید کہ آہ (۱۰۲ الف)

دل جگر سب بہہ چکے جو اشک آنے سے رہے
ہم نے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی
بے سبب جو آپ اب ایدھر کے آنے سے رہے
آہ کس کس بے وفائی کا میاں کیجے شمار
اور تو سب یک طرف، منہ بھی دکھانے سے رہے
آگے تو کچھ کہتے بھی تھے غم، پر اس کے ڈر سے اب
حال دل بھی اپنا یارو ہم سنانے سے رہے
کس طرح سے زیست ہووے گی بھلا اے دوستو
اب تو قاصد بھی ادھر کو آنے جانے سے رہے
اس نے کس کس طرح اپنے در سے ٹالا ہم کو پر
دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے

---

(۱۰۴) ترساں

بہادر علی ترساں تخلص، متوطن لکھنئو، احوالش بہ تحقیق نرسیدہ، نظم موزوں دارد۔ چند ابیات او بنظر رسیدہ، ازوست:

کیا کرے کوئی گلہ اس کی ستم کاری کا
جس کا شیوہ ہی پڑا آکے دل آزاری کا
دیکھ کر مجھ کو دیا آج مسیحا نے جواب
اب معالج ہو خدا اس تری بیماری کا
گھر میں جو بیٹھ گیا دیکھ کے تو ترساں کو
اس سے تھا کون سا موجب تری بیزاری کا

(۲۲ب) تاب و توان و هوش و خرد سارے چل بسے
جس وقت میرے پاس سے وہ دلستاں اٹھا
تیرے ہی بیٹھنے سے ہماری ہے زندگی
اٹھ جائیں گے جہان سے ہم ، تو جوں اٹھا

کچھ نہ جیتے جی ہی میں اے وائے غم کھاتا رہا
گور میں بھی دل کے ہاتھوں سخت دکھ پاتا رہا
آج مجلس میں نپٹ ترساں کو دیکھا مضطرب
اس فلک مارے کا شاید دل کہیں جاتا رہا
رات کس کا ذکر تھا ترساں کہ سن سن کر جسے
اشک سرخ آنکھوں میں تو ہر آن بھر لاتا رہا

ہم درد عظیم، ہم دوا ہو
تم حضرت عشق بد بلا ہو
وہ جانے ہمارے غم کو ترساں
جس کا کہ کسی سے دل لگا ہو

اسی کی سب نے خاطر کی ، میں دکھ رویا جہاں جاکر
کوئی سر پٹکے اپنا ہائے یارو اب کہاں جاکر
مرا جی اس کی زلفوں میں ہوا گم آج اے ترساں
اندھیری رات ہے دونوں طرف ڈھونڈھوں کہاں جاکر

بگاڑی تونے پھر اے دل جو یار سے اب کی
تو کچھ نہ ہوگا کسی دوست دار سے اب کی

دیا تھا آگے بھی دل ، لیکن آہ چھوٹ گئی
عنان صبر مرے اختیار سے اب کی

کس نے ترساں کو تری بزم میں روتے دیکھا (۱۲۲ الف)
اس پہ ناحق تجھے طوفان اٹھانا کیا تھا

میں کہا کیا ہو جو گھر تک مرے مدھوش چلے
سن کے بولا کہ ترے گھر مری پاپوش چلے
ہم نشیں اس کو مرے ساتھ یہاں تک ہے ضد
راہ میں دیکھے کبھی مجھ کو تو روپوش چلے
درد دل کہنے کو ہم آئے تھے ترساں لیکن
دیکھ کر چیں بہ جبیں یار کو ، خاموش چلے

چاک گل کا پیرہن گلشن میں تھا کس کے لیے
صبح تک شبنم بھی روتی تھی صبا کس کے لیے
مر گیا ترساں تری دیوار کے سائے تلے
تو نے کچھ جانا کہ اس نے جی دیا کس کے لیے

---

(۱۰۵) خورشید :

یٰسین علی خورشید موطن سبزوار ، حالا در قصبۂ تلہر استقامت دارد دیوان ریختہ ترتیب دادہ ، ایں چند ابیات او کہ بہم رسیدہ ، تحریر می آید ازوست :

هم بھی اس بزم سے اے اهل نظر جاتے هیں
شمع ساں اب نہیں تا وقت سحر جاتے هیں

یوں دُرِ اشک کو مت خاک پہ ڈالو کہ عبث
ہاتھ سے پنجۂ مژگاں یہ گہر جاتے ہیں
گرم رو راہِ فنا کے جو ہیں اس ہستی پر
دم بہ دم ہنستے ہوئے مثل شرر جاتے ہیں
(۱۲۲ ب) نالہ ہائے جرس کہتے ہیں غافل نہ رہو
ہم تو اے بے خبراں کر کے خبر جاتے ہیں
جو کہ عاشق ہوئے خورشید عجب نزع میں ہیں
دم میں جی اٹھتے ہیں اور آن میں مر جاتے ہیں

کب تئیں یوں عمر بسر کیجیے
شام سے رو رو کے سحر کیجیے
دور ہے خورشید کچھ اوج فلک
جس کی مسافت پہ نظر کیجیے
چاہیے تو دن میں کئی مرتبہ
عرش معلیٰ پہ گذر کیجیے

---

(۱۰۶) محشر

خواجہ علی نقی متخلص بہ محشر ، متوطن بلدۂ لکھنؤ ، شاگرد حیران موصوف است ۔ رسائیِ طبعش وصفائیِ فکرش از کلامش پیدا و رنگینیِ سخنش از گفتگوے شیرینش ہویدا ۔ ایں چند ابیات متفرقہ او بسمع رسیدہ ، ازوست :

شب سوز اشتیاق سے یہ اضطرار تھا
سینے میں شعلہ مثل نفس بے قرار تھا
گھڑیاں ہی گنتے عمر کٹی پر ہوئی نہ صبح
یا رب شبِ فراق کہ روز شمار تھا

اک نگہ میں مجھے غلام کیا
واہ استاد زور کام کیا
محشر اب اتنی راہ یار سے ہے
گالی دیتا ہے جب سلام کیا
اس قدر دردِ دل سے گھبرایا
موت آئی تو جی میں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کیا (۱۲۳ الف)

---

(۱۰۷) نول رائے وفا۔ ۔ ۔

موجوں کی کشمکش سے ہے ظاہر کہ دہر کی
کج طینتوں میں چلتی ہے تلوار بیشتر
دیکھا تو کیا ہے کم دلِ عاشق غمِ جہاں
سچ ہے کہ فاقہ کرتے ہیں بیمار بیشتر
رکھتے ہیں فعلِ بد کی وفا جو سیہ دلاں
پیتا ہے بادہ فرقۂ کفار بیشتر

عشق نے کثرت سے جا کی تجھ دلِ بے تاب میں
آ بھرا دریائے آتش قطرۂ سیماب میں
سختیٔ قسمت سے جوں آئینہ کب ہوتی ہے نرم
گرچہ ناتو اپنی سدا ڈوبی رہے ہے آب میں
باغ پر آفاتِ دوراں، منزلِ غفلت نہیں
جانیے ہیں انکھڑیاں بادام کی کس خواب میں

؎ یہاں پھر ایک ورق غائب ہے اور آیندہ ورق سے نول رائے وفا کا انتخاب کلام شروع ہوجاتا ہے۔

جو کہ ہمسر ہیں سو آمادۂ پیکار سدا
کہ دو ابرو میں کھینچی رہتی ہے تلوار سدا

جو کہ ہم چشم کریں ہیں سو برابر کہ تنک
عمل مردمک چشم کم و بیش نہیں

آپ کو چشم فہم سے ٹک دیکھ
ہے تجھی میں یہ کائنات تمام
اپنی ہستی نلک ہیں کون و مکاں
ساتھ دولہا کے ہے برات تمام

خضر کو یوں رکھا محروم مے کی پاسبانی سے
مبادا کچھ بدل لے اپنے آب زندگانی سے
۱۲۳ ب) نہیں معلوم لے آیا ہے کیا دولت غم جاناں
چوئی پڑتی ہے شادی اپنے رنگ زعفرانی سے

(۱۰۸) حسرت

مرزا جعفر علی حسرت احوالش بہ تحقیق نہ رسیدہ ، از مدتے آوازۂ سخن‌وریٔ او می شنیدم کہ در بلدۂ لکھنئو اقامت دارد و اکثر سخن طرازان از فیض صحبت او استفادہ کمال حاصل نمودہ ، و بعضے منکرین فکر عالیش پائمال حسرت گردیدہ ، الحال چند غزلیات او از نظرگذشتہ ، چاشنیٔ سخن از مذاق گفتگویش ہر ظاہر . و در فن ریختہ بسیار پرگو و ماہر ، ازوست :

آخر ترے غم میں مر گئے ہم
بھرنا تھا جو دکھ سو بھر گئے ہم
عقبیٰ کی بھی کچھ خبر نہیں ہے
دنیا سے تو بے خبر گئے ہم
کر ٹک تو اثر کہ اپنے جی سے
اے نالۂ بے اثر گئے ہم
ق
کل روئے ہوئے جو اتفاقاً
حسرت کے مزار پر گئے ہم
پڑھتا تھا یہ شعر وہ کہ خاک
بس سنتے ہی جس کے مر گئے ہم
واماندوں پہ دیکھیے کہ کیا ہو
اپنا تو نباہ کر گئے ہم

کوئی دشمن سے بھی کرتا ہے اس اسلوب سلوک
دوستی کرکے کیا ہم سے میاں خوب سلوک
مطلب اک دیکھنے سے ہے، سو نہیں دیکھیں گے (۴۲ الف)
نہ وفا آپ کی منظور، نہ مطلوب سلوک
مار بھی کھاویں گے، دشنام بھی سن جاویں گے
کہیے کیا ان میں سے ہے آپ کے مرغوب سلوک
دل دوانے کو مرے تو کبھی ہے راہ پر آ
دیکھ تو اے شیخ کہ کب جانے ہے مجذوب سلوک

جس دن پھری نگاہ تری ہم تمام ہیں
اپنی جو زندگی ہے سو تیرے کرم تلک

ق

حسرت ہزار رنگ سے بولا میں جھوٹ سچ
یعنی کہ نوبت آوے سخن کی قسم تلک
لیکن سمجھ کے بات کو ان نے اڑا دیا
پہنچاتے ورنہ ہاتھ ہم اس کے قدم تلک

کل کب تھے ہم سے خوش کہ نہیں ہو تم آج خوش
ہم نے تو ایک دن بھی نہ پایا مزاج خوش
بندوں کی پرورش نہیں کرتے تو یہ چلے
بیٹھے کرو تم اپنے میاں گھر میں راج خوش
حسرت کو دردِ عشق سے مرنا قبول ہے
لیکن طبیب کا نہیں آتا علاج خوش

بھلی خو ہے تمھیں اے جان کچھ محجوب ہونے کی
ادھر کو منہ کرو یہ بھی کوئی صورت ہے سونے کی
(۱۲۴ ب) مثال اس شمع کی جس کو ہوا بھی تیز لگتی ہے
ہماری ساعت آپہنچی ہے اب خاموش ہونے کی

ہے کس کا جگر جس پہ یہ بیداد کروگے
لو دل تمھیں ہم دیتے ہیں، کیا یاد کروگے

ترے سامنے ہو یہ دل جان کیا ہے
غضب ہے، بلا ہے، تری آن کیا ہے

ارے دل بتا کس ستمگر کو دیکھا
نہیں آج کچھ تجھ میں اوسان دیا ہے
کہا کرتے ہیں پھر نہ ملیے گا اس سے
پر اس سے نہ ملیے یہ امکان کیا ہے
یہ ارماں ہے تونے اتنا نہ پوچھا
کہ حسرت ترے دل میں ارمان کیا ہے

بہ رنگ آبلہ اے وائے، یہ کیا زندگانی ہے
کہ جس کے پاؤں پڑتے ہیں اسی کو سرگرانی ہے
ملاشے جا کے اے حسرت تو اس خوں خوار ظالم سے
مجھے افسوس آتا ہے کہ تیری نوجوانی ہے

مجھ کو تجھ سے خدا جدا نہ کرے
میں ہوں تجھ سے جدا، خدا نہ کرے
تم جو کہیے ہو کہہ دو حسرت کو
آہ و فریاد یاں کیا نہ کرے
آپ کا اس میں کیا بگڑتا ہے
دردِ دل کی کوئی دوا نہ کرے

رونے کی جو حد تھی یارو روچکے
یاں تلک روئے کہ آنکھیں کھوچکے
سوگواروں کو کہاں آتی ہے نیند (۱۲۵ الف)
ہم‌نشیں تو جا کے سو، ہم سوچکے
چھوڑیے ہٹ، صبح تو ہونے لگی
جان یہ جھگڑا کہیں اب ہوچکے

دل ہے حاضر، جان تک بھی نہیں دریغ
بوسے کی قیمت لو ہم سے جو چکے

جگر سوزاں ہے، دل بے تاب ہے اور چشم گریاں ہے
الٰہی دن ہے میری موت کا یا شامِ ہجراں ہے
یہ کس کی نعش جاتی ہے کہ جس کے ساتھ اے گردوں
غم و درد و الم، فریاد و افغاں، مرثیہ خواں ہے

بدن کو، جان کو، دل کو، جگر کو آگ لگی
غمِ فراق مرے گھر کے گھر کو آگ لگی
دھواں بلند ہوا میری آہ کا سب کو
پکارے اہلِ محلہ کدھر کو آگ لگی

تمھیں عالم سے کم فرصت رہے، ہم غم سے کم خالی
غرض اب ہوچکا ملنا، نہ تم خالی نہ ہم خالی

ہوئے ہیں بت کے بندے، برہمن سے راہ کرتے ہیں
حرم کے رہنے والو! تم سے عشق اللہ کرتے ہیں

کیا جانیے دل کا حال کیا ہو
بے تابیٔ دل، ترا برا ہو

ق

مرتا ہوں میں ہجر کے الم سے
ایسا کوئی بندۂ خدا ہو

گر اس کو ملا دے مجھ سے، مرتا
دونوں ہی جہاں میں بھلا ہو

کیوں نہیں بھرے ہیں آنسو چشم تر کو یہ ہوا (د ۔ ب)
ہو گیا دریائے خوں میرے جگر کو کیا ہوا
ایک سے ایک اس زمانے میں ہے اس سے خوبرو
کوئی خوش آیا نہیں، میری نظر کو کیا ہوا

اس زلف میں جا وفات پائی
اس دل نے عجب حیات پائی

پٹکنے دو مجھے سر اس کے آستانے سے
خبر نہیں ہوں میں اپنی اور بیگانے سے
مثال نقش قدم یاں سے اٹھ نہیں سکتے
تری گلی میں نہ جانا بھلا نہ جانے سے
تسلی ہے دل بیمار کو ترے باعث
خدا کے واسطے مت اٹھ مرے سرہانے سے

عبث ترسا کے مت کر ذبح کافر اس مسلماں کو
خدا کے واسطے رکھ دے گلے پر تیغ براں کو
گھڑی، پل، آن، ساعت، رات دن مذکور ہے تیرا
بھلایا یاد نے تیری ہمارے دل سے نسیاں کو

نازک دلوں کے زخم کو مرہم کبھی نہ ہو
پیراہن حباب پھٹے تو رفو نہ ہو

تجھ کو ہے گر قتل کی چاہ
حاضر ہوں میں ، بسم اللہ !

برائے رعایت بسم اللہ : لفظ ذبح بجائے قتل بہتر است :

حسرت اس کی وہ جانے
اپنی طرف سے کیجے نباہ

(۱۲٦ الف) نہ کر اب بوسہ دینے میں تو تکرار
ہمیں ہے لعل شکر بار کا شوق
دمِ آخر اسے دیتے ہیں ظالم
چلے جس چیز پر بیمار کا شوق

نبض نہ دیکھ اے طبیب ، ھاتھ لگا اور موا
میری تو وہ شکل ہے ، آہ چھوا اور موا

خدا حافظ ہے ، کیوں مجلس میں اس کا نام آیا تھا
تڑپنے سے مرے دل کو ابھی آرام آیا تھا
وفا سمجھا تھا میں پر دل کو لیتے ہی نہ ٹھہرا وہ
جو دیکھا تو غرض اپنی کو وہ خود کام آیا تھا
فلک اک دم بھی تو نے وصل کی شب کو نہ ٹھہرایا
یہ ساری عمر میں تجھ تک ہمارا کام آیا تھا
نہیں معلوم کیا ہے جو سحر تک شمع رویا کی
کچھ اپنا حال پروانہ سنانے شام آیا تھا
اجل منت تری کیا ہے وہ ابرو جب سے دیکھی ہے
اُسی دم سے ہمیں تو مرگ کا پیغام آیا تھا

باغ میں جاکر تو نے ظالم ، حسن سے قد اور عارض کے
گل اور بلبل ، سرو اور قمری سب کا کام تمام کیا
لیلیٰ اور مجنوں بندے ہیں ، بر سے چاکر ، ہیں محمود و ایاز
عاشق اور معشوق کو میاں نیں ایک نگہ میں غلام کیا
گاہ سفیدی چشم کی دیکھی ، بخت کی گاہے تاریکی (۲۲۶ ب)
شام کو میں یوں صبح کیا اور صبح کو میں یوں شام کیا

---

(۱۰۹) بقا

شیخ بقا اللہ بقا مخلص ، متوطن بلدۂ لکھنئو ، جوانے ست قابل ، صاحب استعداد کامل ، نہایت پرگو و خوش گفتگو است ۔ حالا در بلدۂ لکھنئو کوس سخن وری می نوازد ۔ دیوان ہندی ترتیب دادہ انچہ اشعارش بزبانی بعضے اعزا بسمع رسیدہ بتحریر آورد ، ازوست :

جب کرے دختر رز جلوہ گری شیشے میں
پانی پانی ہو خجالت سے پری شیشے میں
صاف تر شیشۂ دل سے ہے ہر اک اس کا حباب
مے بھی کرتی ہے عجب شیشہ گری شیشے میں
مے کشی غیر کی محفل میں جو کرتے ہو تو یار
با خبر رہیو کہ ہے بے خبری شیشے میں
گرمیٔ مے سے پڑے آبلے یوں دل میں بقا
جس طرح ہوویں حبابِ جگری شیشے میں

تھے ہم استادہ ترے در پہ ، ولے بیٹھ گئے
تو نے چاھا تھا کہ ٹالے ، نہ ٹلے ، بیٹھ گئے

گھر سے نکلا نہ تو اور منتظروں نے تیرے
در پہ نالے کیے یاں تک کہ گلے بیٹھ گئے
اشک اور آہ کی شدت ہے وہی گرچہ بقا
(۱۲۷ الف) گھر کے گھر اس میں ہزاروں کے جلے بیٹھ گئے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابے میں
ٹکری[1] جو مرے دل کی بستی ہے دو آبے میں

یہ رخِ یار نہیں زلفِ پریشاں کے تلے
ہے نہاں صبحِ وطن شامِ غریباں کے تلے
آہ کی برق جو سینے میں چمکتی دیکھی
طفلِ اشک آئے چھپے دامنِ مژگاں کے تلے
نہیں ملنے کی بقا ہم کو بجز کنجِ مزار
جائے آسودگی ، اس گنبدِ گرداں کے تلے

سیلابِ اشک اپنا گر سر بہ اوج مارے
طوفانِ نوح بیٹھا گوشے میں موج مارے

وہ گل اندام اگر صرفے[2] سے ٹک ناز کرے
کام لے زلف سے ، کاکل کو پس انداز کرے

مری چشم سے کیوں نہ خونناب اترے
کہ البتہ دریا میں سرخاب اترے

---

۱ ۔ دریا کے کنارے کی بستی کو ٹکری کہا جاتا ہے ۔
۲ ۔ صرفہ بمعنی کفایت شعاری ۔

غم سے کیوں کر دل کے جیب چاک کا پیوند ہو
اب نہ دیوانہ ، الٰہی ! خاک کا پیوند ہو

کیوں نہ شکوے میں وہ زخم یار منہ کھولے رہے
جس کا خوں پیکاں پیے، سوفار منہ کھولے رہے
دیدۂ تر چھٹ چواوے کون اس کے منہ میں آب
نزع کے دم گو ترا بیمار منہ کھولے رہے

جب دل صد چاک تیرے عشق سے ہم خانہ تھا
کوچہ ہائے زلف میں شبگیر مثل شانہ تھا (۱۲۷ب)
نوبت اب اس بت سے پہنچی نامہ و پیغام تک
جس سے نت خلطہ تھا مجھ کو اور بہم یارانہ تھا
آہ کانوں سے سنا اس کو جو تھا منظور چشم
چشم سے دیکھا جو کانوں کے لیے افسانہ تھا
ہم نفس کوئی نہ دیکھا بے کسی کے دن بقا
آشنا صورت مگر اک معنیٔ بیگانہ تھا

شب گذری اب اے سحر کے نالو
پھر چرخ پہ برچھیاں سنبھالو
گر قتل کیا بقا کو خوباں
تو منہ سے یہ بات مت نکالو
پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق
جانے دو ، اب اس پہ خاک ڈالو

وہ انگارا ہے پہلو میں دلِ بے تاب آتش کا
کہ دیکھے سے جسے ہوجائے زہرہ آب آتش کا
دلِ بیتاب چھٹ اپنے کہ سوزِ غم سے خوگر ہے
نہ دیکھا ہم‌نشیں ہوتے کہیں سیماب آذش کا

قصیدۂ در تتبع قصیدہ مرزا رفیع السودا گفتہ، چند ابیات او نوشتہ می شود :

جب مری چشم گئی نیند سے کل رات جھپک
جاگ اٹھے طالع خوابیدہ، لگاتے ہی پلک
خواب میں آئی نظر مجھ کو وہ اک غیرتِ حور
(۲۸، الف) حور بھی دیکھ کے شاید جسے رہ جائے بھچک
زیب تن تھا نہ فقط اس کو لباس تن زیب
سر سے تھی وہ زر و زیور میں چھپی پاؤں تلک
عضو عضو اس کا ہر اک خوبی و رعنائی میں
ایک سے ایک زیادہ تھا، جو کی غور تنک
مانگ وہ جادۂ ظلمت کہ سکندر جس میں
جا کے یک چند رہا نور کی صورت کو بھٹک
من تو کالے کا وہیں دم میں دیا سا بجھ جائے
دیکھے عارض پہ جو اس طرۂ مشکیں کی لٹک
جا چھپا زیرِ زمیں، عہد میں اس کاکل کے
چھوڑ کالے کا برن خوف سے راجا باسک
گوش یوں زلف میں لگتے تھے صدف کو جس طرح
لبِ دریا سے لگا دیتی ہو لہروں کی چھلک
رنگِ پاں اس کے گلے بیچ یہ رکھتا تھا نمود
مے کی معلوم ہو جوں گردنِ مینا سے جھلک

کیا کروں اس کی میں اب نازکیٔ دل کا بیاں
بات کھڑکے تھا تو وہ خوف سے جاتی تھی جھجھک
جب نظر اس کے دو پستاں سے کمر تک پہنچی
اس کی انگیا کو وہ سمجھا میں بلا شبہ و شک
ٹوپیاں آنکھ پہ دے دی ہیں وگرنہ یہ کمر (۱۲۸ ب)
کرتی صید دل عشاق پہ چیتے کی لپک
ناف ایسی تھی کہ جوں چھپ کے کوئی غیرتِ حور
کھول پردے کو ذرا سا رہے اک آنکھ سے تک
فندق پا تھی کہ سجدے میں وہاں عاشق کی
چشمِ پر خوں سے گرے دانۂ یاقوت ڈھلک
سرخی ان میں یہ قیامت کہ تنِ سرو کے بیچ
جس طرح بیربہوٹی رہے آتش سی دھک

قطعہ در ھجو میر تقی و سودا گفتہ

عیب ہے گرچہ کثرت یک لفظ
سخنِ فارسی سے تا ھندی
پر جدا ھے تمام عالم سے
وضعِ سودا و طرزِ میر تقی
یعنی واں لفظ 'تو' ہے پر کن شعر
'ھی' سے یاں پر کلام کی بھرتی
کھول دیوان دونوں صاحب کے
ہم نے جس دم بقا زیارت کی

شعر سودا و میر کے دیکھے
وے تو تو تو کریں ہیں یہ ہی ہی

---

(۱۱۰) جرأت[1]

شیخ قلندر بخش جرأت متوطن شاہ جہان آباد ، خطاب امانی از قدیم الایام دارند ، چنانچہ محلہ رھٹی امان[2] (کذا) بہ اسم اجداد ایشان مشہور است ، از شاگردان رشید حسرت موصوف است ۔ جوانے است خوش خلق (۱۲۹ الف) و قابل و نہایت اہل درد ۔ الداز سخنش پہلو بہ پہلو با استاد دم می زند ۔ این چند ابیات او کہ بہم رسیدہ ، دال بر خوش گفتگوئی اوست ، ازوست :

دردِ دل سے تو میں کس رات پکارا نہ کیا
نہ کیا میری طرف تو نے گذارا نہ کیا
اب جو آیا ہوں تو محفل سے اٹھاتے ہو بھلا
دور ہی سے مجھے کیوں تم نے اشارا نہ کیا
آ لگے گور کے اس غم سے کنارے ہم تو
تو بھی غیروں سے میاں تم نے کنارا نہ کیا
کوئی شب ایسی نہ گذری کہ ترے بن جرأت
در و دیوار سے سر اپنے کو مارا نہ کیا

رونا آتا ہے ہمیں رونے پر اپنے یارو
یاں تلک روئے کہ آنکھوں کو بھی رو بیٹھے ہم

---

۱ ۔ جرأت کا نام قلندر بخش تھا اور اُن کے والد کا نام یحیی امان تھا ۔
قدرت اللہ شوق نے باپ کے نام میں بیٹے کا تخلص جوڑ دیا ہے ۔
۲ ۔ محلہ رائے مان ہونا چاہیے جو اب دھلی میں کوچہ رحمان کہلاتا ہے ۔

نہ ملا عشق کے دریا کا کہیں تھل بیڑا
پہلی ہی موج میں گھر بار ڈبو بیٹھے ہم

کھینچ کر مانی و بہزاد بہم اک تصویر
یہ کہیں دل میں کہ ہم خوب بنایا یوسف
جب ترے سامنے آویں تو کبھی آپس میں
ہم غلط سمجھے تھے، اس شکل کا ہوگا یوسف

دل ہم نے دیا ہے تجھے دلدار سمجھ کر
ٹک تو بھی اسے دیجیو آزار سمجھ کر
اس بزم میں تو شمع کا رونے پہ کٹا سر (۱۲۹ ب)
تو روئیو اے دیدۂ خوں‌بار! سمجھ کر
آزار کا جرأت میں بہانہ کروں، شاید
یاں آوے عیادت کو وہ بیمار سمجھ کر

اس دلِ بےتاب کو، آہ نہیں کل کہیں
مجھ کو بھرے ہے لیے، آج کہیں کل کہیں

یک بار عقل و ہوش کا اب ڈھنگ اڑ گیا
اڑ جائے عشق جس سے سبھی ننگ اڑ گیا
محظوظ سیر باغ سے تو ہووے کس طرح
گلشن میں گل کا دیکھ تجھے رنگ اڑ گیا

بارے کل ہنس کے کہا یار نے ہم کو جرأت
اپنا بتلا تو ٹک اک نام ہمیں بھول گیا

مری نعش پر اس کو مت لائیو
عزیزو ! وہ ہے طفل ڈر جائے گا
یہی درد و غم ہے تو جرأت کو خیر
اگر شام نہیں تو سحر جائے گا

یوں ترے کوچے میں ہم اور دل زار ملے
جوں دل افگار سے اک تازہ دل افگار ملے
جان و دل پرسشِ احوال کو یوں کرتے تھے
آہ بیمار سے جیسے کوئی بیمار ملے
دوستو ! اس لیے نت اٹھ کے سفر کرتا ہوں
کہ پھر آؤں تو گلے سے مرے دلدار ملے
(۳۰ الف) ٹک تو کر رحم ترے کوچے میں جو بیٹھے ہیں
ان بچاروں کے میاں خاک میں گھر بار ملے
آج اس طرح سے جھڑکا کہ پھر اس سے جا کر
کچھ بھی غیرت ہو جو دل کو تو نہ زنہار ملے
ایک دم خواب کی صورت نہ کبھی دیکھی ہائے
ایسے جرأت یہ ہمیں دیدۂ بیدار ملے

دوستو ! سانس بھی لیتا ہوں میں دشواری سے
حال یہ کچھ ہے مرا ، عشق کی بیماری سے
ہر قدم پر ہیں ترے دشمنِ جاں سیکڑوں واں
جرأت اس کوچے میں جانا تو خبرداری سے

اے دوستو! سنو تو کچھ بھی وہ بولتا ہے
مذکور کچھ ہمارا حب اس کے ہاں چلے ہے

گلی میں اس کی لے چل ہمنشیں اب
نہیں لگتا ہے دل میرا کہیں اب
فسانوں میں سنا ہے حسنِ یوسف
ہمارے دور میں تو ہے حسیں اب
گذشتہ خواب، آئندہ خیال است
غنیمت کہہ ہے تو اے نازنیں اب

یاں فوجِ غم جو ٹوٹ پڑی آن کر تمام
تاراج کردیا مرے دل کا نگر تمام
اب جوں چراغِ صبح کوئی دم کے ہیں سو آہ
اودھر اٹھا وہ اور ہوئے ہم ادھر تمام

(۳۰ ب) کہیے اس کو تو کون مانے ہے
دل کی حالت خدا ہی جانے ہے

ق

دم نکلتا ہے شکوہ کر لیویں
کیا ہوا گر برا وہ مانے ہے
دل میں آوے جو کچھ سو کہتا ہے
اپنا مرنا جو دل میں ٹھانے ہے

فی الواقع ہر کہ دست از جان بشوید ہرچہ در دل آید بگوید :

جرأت اس کے نہ پوچھ جور و ستم
جی ہی جانے ہے ، جی ہی جانے ہے

ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہوگئے
سب چہچہے چمن کے فراموش ہوگئے
مثلِ ہلال عید ہم آغوشی کو تری
ہم تو تمام صورتِ آغوش ہوگئے
جرأت ہمیشہ کہتے تھے دیکھیں گے ہم اسے
آمد ہی اس کی دیکھ کے بے ہوش ہوگئے

ساقیا ! دیوے ہے کیا تو بادۂ گلگوں مجھے
خوں پلاوے گا یہ دل اور دیدۂ پر خوں مجھے
سر کو ٹکرا کر ترے در سے کسی دن مر رہوں
ان دنوں میں اب یہ سوجھا ہے نیا مضموں مجھے

ہے یہی بہتر اٹھاوے تو نہ چہرے سے نقاب
گو نہ دیکھوں میں تجھے، پر غیر کم دیکھا کریں

خدا نا کردہ گر اس بت سے اور مجھ سے لڑائی ہو
نہ ہووے صلح پھر ، گر درمیاں ساری خدائی ہو

(۱۳۱الف) دامن کو کیا تر ، ترے رونے کے لہو نے
جو رنگ دکھایا مجھے اے چشم ! سو تونے
تھا زلف میں دل ، آتے ہی خط جی بھی پھنسا آہ
جرأت یہ مثل وہ ہے کہ ہم رنگ کے دونے

آہ کرنے کی بھی طاقت ہمیں ہیہات نہیں
آہ کیا کیجیے دم مارنے کی بات نہیں
وصل کی رات مرا جی ہی نکل جاتا ہے
جب کہ آواز یہ آتی ہے کہ اب رات نہیں

جو اس گلی میں کسی آشنا کا گھر ہوتا
اسی بہانے سے تو اپنا واں گذر ہوتا

یار کا آستان پایا ہے
زور دل نے مکان پایا ہے
جی سے مارا ہے پیر چرخ نے آہ
مجھ سے جو نوجوان پایا ہے

کوئی شکل ایسی ہو ہم دم کہ جو اب پہلو میں آہ
درد ہی تھم تھم کے ہو وے ، گذرے ہم آرام سے

دیکھ کر کل لیلیٰ و مجنوں کی وہ تصویر کو
اپنے تئیں دیکھے تھا کہ اور گاہ مجھ دل گیر کو
ف
میں کہا ، دیکھے ہیں میں نے خواب میں اے روے یار
دوستو! مجھ سے کہو اس خواب کی تعبیر کو
آہ اس مذکور کو سنتا تھا وہ قاتل کہیں
آن پہنچا سر پہ میرے کھینچ کر شمشیر کو

ہم کو معلوم ہے دھج ہم پہ نہ اے یار بدل
اب ہوا ہے کسی بانکے سے تو دستار بدل[1]

(۱۳۱ب) شکوہ کیا کیجے ناتوانی کا
کھو دیا لطف زندگانی کا
دے گیا جلتے وقت دل پر داغ
میں تو بندہ ہوں اس نشانی کا

ق

کہتے کہتے فسانہ جب لایا
ذکر میں اپنی خستہ‌جانی کا
سنتے ہی بول اٹھا وہ عیار
پھر سرا کہیے اس کہانی کا
اب تو سب کی زباں پہ ہے جرأت
ذکر اس تیری خوش زبانی کا

یوں رکھے تو اپنا زانو ناکساں کے زیرِ سر
اور نہ ہووے سنگ بھی مجھ ناتواں کے زیرِ سر
ہائے جس بلبل کی کل گلشن میں دھومیں تھیں سو آج
ہے پروں کا اس کے تکیہ باغباں کے زیرِ سر
دیکھ کس عالم سے سوئے ہیں ترے کوچے میں لوگ
اپنا اپنا ہاتھ ہے ان خفتگاں کے زیرِ سر

ہو ابر خجل دیدۂ گریان کے آگے
دم مارے نہ رعد اس دلِ نالان کے آگے

---

۱ - دستار بدل ہونا ، رسم مواخات ہے ۔ عورتیں سہیلی بنانے کے لیے اوڑھنی بدلتی تھیں اور مرد دستار بدل لیا کرتے تھے۔

سن در پہ خبر ان نے جو گھر میں نہ بلایا
شرمندہ ہوا سخت میں دربان کے آگے
جاتا تھا کہیں جلد ، پر آیا جو نظر میں
ہرگز نہ بڑھا وہ مجھے پہچان کے آگے
سج اپنی بنا آئے ہیں خوبان جہاں ، پر
اوچھے نظر آتے ہیں تری شان کے آگے

دم آخر مری بالیں پر آؤ گے تو کیا ہوگا
میاں صاحب جو دو آنسو بہاؤ گے تو کیا ہوگا (۲۴۲ الف)
ابھی ہم جاؤں جاؤں کہتے ہو اور جی نکلتا ہے
مجھے یہ سوچ ہے یاں سے جو جاؤ گے تو کیا ہوگا
ابھی باتیں ہی ہیں اور دست و پا پھولے پڑے یارو
یہ دھڑکا ہے جب اس گلرو کو لاؤ گے تو کیا ہوگا
یہ حالت ہے کہ کچھ اٹھتا ہوں بھولے سے رقیبوں کو
کوئی دم اور اس اچپل کو بٹھاؤ گے تو کیا ہوگا

آنکھیں لڑا کے پہلے پھر منہ چھپا لیا ہے
کس کس ادا سے ان نے دل کو لبھا لیا ہے
رنگ حنا جو تیرے ہاتھوں سے اڑ چلا ہے
یہ رنگ رو کا میرے نقشہ اڑا لیا ہے
بولا وہ در پہ میرے آہوں کی دیکھ دھونی
یہ بھی عجب طرح کا کوئی جلا لیا[۱] ہے

---

۱ - جلالی کی اصغر باضافہ الف -

اب بتا دل میں ترے اے بتِ عیّار ہے کیا
بولتا کیوں نہیں ، دل لے کے تو بیزار ہے کیا
ہمدموں سے مرے پوچھے ہے وہ ہو کر انجان
کیوں کراہے ہے یہ اس طرح سے بیمار ہے کیا ؟
طرفہ تر بات یہ سنتا ہوں کہوں کس سے کہ یار
میرے ساتھ اس بتِ عیّار کی گفتار ہے کیا
دیکھ روتے مجھے پوچھے ہے وہ آپھی ہنس کر
(۱۳۲ب) تو نے دل جس کو دیا ہے وہ ستمگار ہے کیا

یوں رکھا بختِ سیہ نے ہم کو اس محفل سے دور
جیوں مسافر وقتِ شب رہ جائے ہے منزل سے دور

خبر ہے تجھ کو بھی کچھ کوئی اپنی جان کھوتا ہے
ذرا تو او انیندے چونک ، تو کس نیند سوتا ہے

کس سے کہوں بھلا میں برائی نصیب کی
دل لگتے ہی فلک نے جدائی نصیب کی

جگر پہ مجھ سے سیہ بخت کے ہے داغ ضرور
کہ چاہیے شبِ تاریک میں چراغ ضرور

ہم سے یوں چھپ چھپ کے جانا غیر کے گھر چھوڑ دو
سنتے ہو جاناں ! نہیں یہ حال بہتر ، چھوڑ دو
کیا کہوں بیمار کی تیرے کہ جتنے ہیں طبیب
سب یہ کہتے ہیں کہ اب اس کو خدا پر چھوڑ دو

ہاتھ اس کا ہاتھ آتا ہے کبھی تو کیا کہوں
کس ادا سے مجھ کو کہتا ہے وہ دلبر : چھوڑ دو !
ایسے بے رحموں کے مجھ کو دام میں لایا ہے چرخ
کوئی یوں کہتا ہے اس کو توڑ کر پر چھوڑ دو
اور کوئی بے درد کہتا ہے یہ بے دردی سے ہائے
کر تماشا دیکھنا ہے ، ذبح کر کر چھوڑ دو

صوت بلبل دل نالاں نے سنائی مجھ کو
سیرِ گل دیدۂ پر خوں نے دکھائی مجھ کو (۱۳۳ الف)
نار اٹھائے تو بتوں کے مجھے لگتے ہیں بھلے
اس میں کو سمجھے برا ساری خدائی مجھ کو
اس سے پوچھا جو مرا حال تو شرما کے وہ شوخ
بولا : معلوم ہے کیا بات پرائی مجھ کو
یوں تو سب پر ہے بہ ظاہر نگہِ خشم اس کی
لیک باطن میں یہ ہے چشم نمائی مجھ کو
خانۂ یار کے گرد آٹھ پہر پھرتا ہوں
بے قراری نے تو یہ چال سکھائی مجھ کو
وصل میں جس کے نہ تھا چین سو جرأت افسوس
وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی مجھ کو

نرگسِ چشمِ مستِ قاتل کے پر از جادو ہیں دو
کیوں نہ دل جاں بر ہو ان سے ایک کی دارو ہیں دو

جوں بوئے گل چمن میں ہوئے ہم تو کیا ہوئے
ٹک بھی ہوا نہ کھائی کہ وو ہیں ہوا ہوئے

چلا بغل سے مرا دل بھی جی گنوانے کو
رہا نہ کوئی ترے پاس دکھ بٹانے کو

ہر رنگ میں گر ہم کو وہ جلوہ نہ دکھاتا
تو گلشن ہستی کا کوئی رنگ نہ بھاتا
تا زیست رہے روتے ہی ہم مثل گل شمع
یک دم کے لیے کاس یہ گردوں نہ ہنساتا
سررشتۂ الفت سے سروکار ہے ہم کو
نے کوئی ہمارا، نہ کسی سے ہمیں ناتا

(۳۳ ب) رتبہ گل بازی کا دلا، کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
تنہائی پر اپنی ہوں نپٹ ششدر و حیراں
آنے کا جو ہے نام تو رونا نہیں آتا
بے صبری دل سے نہ ہوا اس کا ظہور آہ
میں اس لیے روٹھا تھا کہ وہ مجھ کو مناتا
دیتا تو مجھے کاش فلک رتبۂ قلیاں
تو مجھ کو وہ دمباز مرا منہ تو لگاتا

ضعف سے ہارے میں اس پیارے کا میں پیارا ہوا
دیکھ حیرت سے مجھے کیا محو نظارا ہوا

یوں قمار عشق سے ہم اٹھ چلے ہاتھ اپنے جھاڑ
کھیل کو جاتا ہے جواری جس طرح ہارا ہوا
گنبد گردوں اندھیری کوٹھری سی لگے ہے تک
ٹک مری آنکھوں سے جب اوجھل وہ مہ پارا ہوا
جب چلا رونے اس سے میں جرأت تو جھٹکے سے کہ ہم
کون جا سکتا ہے یاں سے ، یہ تو ہے مارا ہوا

میرے اور اس کے جو پوچھو ربط کیا تھا کچھ نہ تھا
پر دل اس کا پھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا
میں نہ سمجھا تھا کہ سمجھا ہے مری کچھ سمجھ وہ دلبر
لیک اب سمجھا تو سمجھا میں کہ سمجھا کچھ نہ تھا
کچھ بہت تم تو ہنسے مرنے کسی عاشق کو دیکھ
یہ تو تھی ....

.... سرہ سے
جرأت حجاب کیوں ہے یہ اس نام سے مجھے

مجھے واں جان کیوں کر ہے جہاں تیغ آزمائی ہو
وہی اس کی گلی میں جائے جس کی موت آئی ہو
ترے کہنے سے تو واں جاؤں میں لیکن غضب ہووے
اگر یہ بات اسے پیغام بر تو نے سنائی ہو
ابھی آئے ہو ، کیوں پیارے بہانہ کر کے اٹھتے ہو
نہیں میں چاہتا تھا مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو

- یہاں پھر صفحات غائب ہیں ۔ ..... ایک ورق غائب ہوگیا ہے ۔

جوں بوئے گل چمن میں ہوئے ہم تو کیا ہوئے
ٹک بھی ہوا نہ دہائی کہ ووہیں ہوا ہوئے

چلا بغل سے مرا دل بھی جی گنوانے کو
رہا نہ کوئی ترے پاس دکھ بتانے کو

ہر رنگ میں گر ہم کو وہ جلوہ نہ دکھاتا
تو گلشنِ ہستی کا کوئی رنگ نہ بھاتا
تا زیست رہے روتے ہی ہم مثلِ گلِ شمع
یک دم کے لیے کاش یہ گردوں نہ ہنساتا
سررشتۂ الفت سے سروکار ہے ہم کو
نے کوئی ہمارا، نہ کسی سے ہمیں ناتا

(۳۳ ب) رتبہ گلِ بازی کا دلا، کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
تنہائی پر اپنی ہوں نپٹ ششدر و حیراں
آنے کا جو ہے نام تو رونا نہیں آتا
بے صبریٔ دل سے نہ ہوا اس کا ظہور آہ
میں اس لیے روٹھا تھا کہ وہ مجھ کو مناتا
دیتا تو مجھے کاش فلک رتبۂ قلیان
تو مجھ کو وہ دمباز مرا منہ تو لگاتا

ضعف سے ہارے میں اس پیارے کا میں پیارا ہوا
دیکھ حیرت سے مجھے کیا محو نظارا ہوا

یوں قمار عشق سے ہم اٹھ چلے ہاتھ اپنے جھاڑ
پھر تو حال ہے جواری جس طرح ہارا ہوا
گنبدِ گردوں اندھیری کوٹھری سے کم
تک مری آنکھوں سے جب اوجھل وہ مہ پارا ہوا
جب چلا رونے اس سے میں جرأت تو جھکنے سے کہا
کوئی جا سکتا ہے یاں سے ، یہ تو ہے سارا ہوا

--

میرے اور اس کے جو پوچھو ربط کیا کب کچھ نہ تھا
پر دل اس کا پھر گیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا
میں یہ سمجھا تھا کہ سمجھا ہے مری کچھ کچھ وہ قدر
لیک اب سمجھا تو سمجھا میں کہ سمجھا کچھ نہ تھا
کچھ بہت تم تو ہنسے مرتے کسی عاشق کو دیکھ
یہ تو نہیں ....

.... شرم سے
جرأت حجاب کیوں ہے یہ اس ذم سے مجھے

مجھے واں جان کیوں کر نہ جہاں تیغ آزمائی ہو
وہی اس کی گلی میں جائے جس کی موت آئی ہو
ترے کہنے سے تو واں جاؤں میں لیکن غضب ہووے
اگر یہ بات اے پیغام بر تو نے بنائی ہو
ابھی آئے ہو ، کیوں پیارے بہانہ کر کے اٹھتے ہو
نہیں میں چاہتا تھا مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو

---

۱ - یہاں پھر انتخاب کلام جرأت کا غالبا ایک ورق غائب ہوگیا ہے ۔

عبث انگڑائیاں لے لے کے کیوں ملتے ہو آنکھوں کو
بھلا یہ بھی تو گھر ہے . . . و رہو گر نیند آئی ہو

ہے کس کے قتل کا تو قاتل خیال باندھے
نکلا جو گھر سے باہر تلوار و ڈھال باندھے
تیر و کماں لیے ہے صیاد کوئی کہہ دے
بلبل اب آشیانہ ٹک دیکھ بھال باندھے
ہو جس کا ناخن پا رشک ہلال یارو
ابرو کو اس کی جرأت کیوں کر ہلال باندھے

بلبل ستی نہ کیوں کی قفس میں چمن کی بات
آوارۂ وطن کو لگے خوش وطن کی بات
مت پوچھ حال اپنے تو بیمارِ عشق کا
ہونے لگی اب اس کے تو گور و کفن کی بات
سر دیجے راہِ عشق میں پر منہ نہ موڑیے
پتھر کی سی لکیر ہے یہ کوہ کن کی بات (۱۳۴ ب)

اگر بجائے لفظ لکیر 'پتھر کی لیک' می شد ، ایں لفظ حکم کوہ کنی می کرد و در دل نقش کالحجر می شد ۔

آنکھوں میں اپنی اشک جو گل رنگ آ گئے
اس میں بھی تیرے رنگ کا جلوہ دکھا گئے
ہم تو تمھارے تابع فرماں ہیں مہرباں
جس وقت آپ نے ہمیں منہ سے کہا گئے

جرأت غزل اک اور بھی کہہ اس زمیں میں
اسعار جاں گداز مجھے یاد آ گئے

رہنے کی جا جہاں میں ہم خوب پا گئے
حوں درد اہلِ درد کے دل میں سما گئے
ہم گلشنِ جہاں میں جوں آتشیں انار
اک دم کی زندگی کا تماشا دکھا گئے

کیوں اٹھ چلا جہاں سے دل زار کیا ہوا؟
بیٹھے بٹھائے مجھ کو یہ آزار کیا ہوا؟
اے شوخ تیرے کوچے میں دل نام اک جواں
ہر دم کراہتا تھا، وہ بیمار کیا ہوا؟
آوارہ کس قدر ہوئے اشک آہ دل بغیر
اے چشم اس سپہ کا سردار کیا ہوا؟
کوچے میں اس کے میں جو کراہا تو بول اٹھا
کیا جانے اس مریض کا گھر بار کیا ہوا

رخ جو پردے سے مرے رشکِ قمر کا نکلا (۱۳۵ الف)
نہیں معلوم کہ یہ چاند کدھر کا نکلا
اٹھ گیا بزم سے دامن کو وہیں جھاڑ کے وہ
ذکر باتوں میں جو مجھ خاک بسر کا نکلا
اشک کا طفل بھی ہے دل کی طرح خانہ خراب
یہ بھی آوارہ اسی کے کوئی گھر کا نکلا

نہ جی کو دل کی خبر ہے، نہ دل کو جی کی خبر
ترے بغیر کسی کو نہیں کسی کی خبر
وہ شکل دیکھتے ہی محو ہو گیا ایسا
نہ اس کو اپنی خبر ہے ، نہ آرسی کی خبر
وہی ہے رافضی و خارجی سن اے جرأت
نہ ہووے جس کے تئیں رتبۂ علی کی خبر

چمن میں کس کے آنے کی ہے شادی کون آیا ہے
کہ ہر یک نخل شبّو کا جو شہنائی بجاتا ہے

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا
دن گیا ، رات ہوئی ، رات گئی ، دن آیا

نفرقہ ایسا بھی کم دیکھا ہے اے ہمدم کہیں
جی کہیں ہے ، دل کہیں ہے ، وہ کہیں ہے، ہم کہیں

جو کوئی اس کا نام لیتا ہے
پھر وہی مجھ کو تھام لیتا ہے

آخر اس کی بزم سے ہم شمع ساں اٹھ جائیں گے
صبح تک جلتے ہیں پھر گریہ کناں اٹھ جائیں گے
(۱۳۵ب) اے دلِ نالاں ! ذرا چپ رہ خدا کے واسطے
پاس سے ہمسائے سن کر یہ فغاں اٹھ جائیں گے
ہم بھی اس باغِ جہاں میں شب کی شب مہماں ہیں
مثل شبنم صبح کو گریہ کناں اٹھ جائیں گے

مت حفا ہو بیٹھنے سے ایک دم کے اس قدر
ٹک تمھیں ہم دیکھ کر اے مہرباں اٹھ جائیں گے

رباعی

کیا کہیے کہ دل پر اپنے کیسی گزری
گزری اے یار اس پہ جیسی گزری
ہر دفن کہ ہے کل سے وہ کشتۂ زلف (کذا)
جب آج تو پوچھ رات کیسی گزری

آرام نہیں ہے زندگانی میں مجھے
ہر دم گزرے ہے زندگانی میں مجھے (کذا)
جوں لالہ بغل میں ہے دل پر خوں آہ
کیا داغ لگا ہے نوجوانی میں مجھے

---

(۱۰۱) طرز

گردھاری لعل طرز ، قوم کایتھ ، موطن شاہ جہاں آباد ، از شاگردان محمد قائم موصوف ۔ طرز علیحدہ دارد ۔ یک رباعی او بسمع رسیدہ ، ازوست :

کھلا زلف میں بل نہ گوشوارہ ٹوٹا
کیا جانیے کس کا دل بچارا ٹوٹا
دھڑکے ہے کا جی کہ اب خدا خیر کرے
اس رات میں بے طرح ستارا ٹوٹا

---

(۱۱۲) قوت

احمد علی قوت تخلص ، متوطن لکھنئو است ، دیگر بر حسب و نسب او (۱۳۶ الف) اطلاع ندارم ۔ این چند ابیات او بنظر رسیده ، از اسمارش قوت سخن معلوم می شود ، ازوست :

هم نہیں واقف کہ کیا الفت کی رسم وراہ ہے
رحم لازم ہے کہ ظالم اپنی پہلی چاہ ہے

جی لڑ گیا ہے اس بت پر فن شریر سے
ہے قتل عام جس کی کہ چتون شریر سے
کیا خاک روز وصل ہو پھر مدعا حصول
ہوتی ہے بات بات میں ان تن شریر سے
قوت چھڑاؤں کیوں کے کہ دل اٹک گیا مرا
اک شوخ بے نظیر سے ، پر فن شریر سے

---

(۱۱۳) تسکین

تسکین خان تسکین تخلص ، از خواجه سرایان سرکار وزیرالمالک آصف‌الدوله موصوف است ۔ ذهن ذکا و طبع رسا و فهم بجا دارد و تلاش معنی تازه و الفاظ رنگین چنان می کند که دل و جان را تسکین تام حاصل شود ، این چند ابیات اوست :

انداز فغاں کا مری ، بلبل نے اڑایا
نقشے کو نزاکت کے تری گل نے اڑایا
کیا کہیے سیه بختی کہ هم بیچ میں آ گئے
دل مفت همارا ترے کاکل نے اڑایا
بس شور نه کر اس قدر اب اے دل نالاں
(۱۳۶ ب) اک خلق کا تو مغز ترے غل نے اڑایا

سمجھو نہ گیا ہم سے کچھ اس کا غضب و لطف
اک عمر ہمیں اس کے تغافل نے اڑایا
دیا گذری جو اس طرح سے ہے سوچ میں زیب
ہوش اپنے تو قاصد کے تامل نے اڑایا
تھی اپنی دل او پر کب اشفتگی اس میں
یہ طور اسی زلف کا سنبل نے اڑایا
دیکھی ہو جو اشک نشانی مری تسکیں
شبنم کے تئیں چنکیوں میں گل نے اڑایا

کیا حد کہ ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
خط بھی لکھا جو اس نے تو خط غبار میں

یوں مجھ میں اس میں بگڑی سدا اور سدا بنی
کچھ اب کے ایسی بگڑی کہ مر ہی پر آ بنی

---

(۳۱۲) غضنفر

غضنفر علی خان غضنفر تخلص ، ابن غلام حسن خان کڑوری متوطن شاہ جہان آباد ، از شاگردان حرف موصوف است ، طبع مناسب دارد ، اشعار فارسی هم بوضع خود گفته می گوید ۔ ازوست :

پاک بازی تم مری تنہا بٹھا کر دیکھ لو
جھوٹ کہتا ہوں تو لب سے لب ملا کر دیکھ لو
اب مریض عشق کے سب دیکھتے ہیں دست و پا
دیکھنا ہے تو لو ، جلدی سے جا کر دیکھ لو
خندۂ گل کے لیے تکلیف سیر باغ کیا
آئنہ لو ہاتھ میں اور کھلکھلا کر دیکھ لو

بولتے مردے کو دیکھا ، کہنے کو ہوگی یہ بات
ناتواں بیمار کو اپنے سلا کر دیکھ لو
مہر و مہ نکلیں جو دونوں شب کو مشکل ہے ولے
یہ طلسمات اپنے تم کوٹھے پر آ کر دیکھ لو
کہہ کے کچھ مردے کو جو عیسیٰ جلاتا تھا ، وہ سیر
تم مری تربت پر آ ، ٹھوکر لگا کر دیکھ لو
وصل میں عاشق کو کچھ اپنی نہیں رہتی خبر
تم بھی ساتھ اپنے غضنفر کو سلا کر دیکھ لو

جب لگاوٹ وہ مری ہر بات میں پانے لگا
باتوں باتوں میں رکھائی یار بتلانے لگا
دفعۃً یہ کون گھر کو بزم سے جانے لگا
خود بہ خود جو غش مجھے اے ہم نشیں آنے لگا
دل کو بہلانے گیا وہ یا الٰہی کس جگہ
جس کی فرقت میں مجھے ہر کوئی بہلانے لگا
لگ گئی چپکی سی کیوں تجھ کو غضنفر یک بہ یک
اٹھ کے چپکے سے کوئی کیا اپنے گھر جانے لگا

یوں پھر گئی جو ہم سے اس بے وفا کی مرضی
(۱۳۷ب) کیا زور ہے ہمارا جو کچھ خدا کی مرضی

مجھے صیاد کہتے ہے ، تجھے کر چھوڑوں گا
تو مرے تو ہر باندھ کے پا ، توڑ کے پر چھوڑوں گا
داغ فرقت مجھے دے جاتے ہو اچھا جاؤ
میں کلیجے سے لگا کر اسے دھر چھوڑوں گا

در بہ وحشت مری دیکھ اس نے کہا ہو کے سبک
اس کے ہاتھوں سے میں اک روز یہ گھر چھوڑوں گا

تصور میں ہو اس سے دو بہ دو ہم
کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم

ق

کہا میں نے جو اس پردہ نشیں سے
کرو پردے میں کب تک گفتگو ہم
تو بولی آنکھ کا پردہ ہے لازم
نہیں ہوتے تمہارے رو بہ رو ہم
نہ آیا مرتے دم بھی وہ غضنفر
چلے دنیا سے کیسہ بھر آرزو ہم

سوتا فراق یار میں خواب و خیال ہے
جب دل لگا تو آنکھ کا لگنا محال ہے

زرگر پسر کی کوئی عیاریاں تو دیکھو
دیتا ہے گالیاں بھی عاشق کو زرگری میں

گھر سے اک دم کے لیے لگتے نہ باہر وہ شوخ
در نہ جب تک کہ نکل جائے نہ دو چار کا دم
جب تلک دم میں مرے دم رہے یا رب باقی
یہ تمنا ہے کہ بھرتا رہوں دو چار کا دم[1]

---

۱ - [illegible] کے بعد پھر کچھ ورق غائب ہیں، جن میں فہرست کے
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۱۱۵) ممنون

باقر علی ممنون (۱۳۸ الف)... قساما فکر رسا و فہم بجا دارد ، و ایں چند ابیات دال بر نازکیٔ فکر اوست ۔ ازوست :

دیکھ اس پائے نگاریں کے پھبن کی خوبی
مل گئی خاک میں یک دست چمن کی خوبی

پشت لب پر ہے نرے یہ خط ریحاں ایسا
منہ تو دیکھو لکھے یاقوت رقم خاں ایسا

خوف زلف یار چھٹ مانا ہے کن کا رات نے
کہکشاں سے لے لیا دانتوں میں تنکا[1] رات نے

اشک کی فوج نے جب چلنے کی تیاری کی
مژہ نے از سر نو پھر کے نلم جاری کی

(۱۱۶) مشتاق

مشتاق تخلص ، متوطن شاہ جہان آباد ، ازچندے در بلدۂ میرٹھ سکونت دارد مردے قابل ، حافظ قرآن و نابینا است ، ایں چند ابیات او بنظر رسیدہ ، اگرچہ نو مشق است واما فکر رسا دارد ، ازوست :

کوہ کن اور پرویز کو قصے اپنے اپنے سنانے دو
ہے یہ وہی افسانۂ شیریں ایک پری دیوانے دو
سیکڑوں جانیں آتی ہیں مرے تن میں تمھارے آنے سے
جتنی جانیں چاہیے لیجیے پر نہ کہیے جانے دو

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے ک)
مطابق میر علی افسوس اور بہادر علی ممنون کا ترجمہ و انتخاب کلام ہونا چاہیے ورق ۱۳۸ ۔ الف پر ممنون کا ادھورا ترجمہ اور انتخاب ملتا ہے ۔

۱ ۔ دانتوں میں تنکا لینا ۔ اظہار عجز کرنا ۔

میں جو کہا : اے جان جاں مشتاق بھی تم پہ مرتا ہے
کہنے لگا وہ : یاں تو ہزاروں مرنے ہیں مر جانے دو(۱۳۸ب)

کنگھی میں کھنچاوٹ جور ستم جوبٹ کی اٹک پھر ایسی ہے
وہ سیدھی مانگ قیامت ہے ، زلفوں کی کجک پھر ایسی ہے
وہ بندش جوڑے کی شے غضب اور جھوڑنے ڈھیلے پیچ بلا
وہ نیل چنبیلی ہے اے صنم ، بالوں کی مہک پھر ایسی ہے
وہ ٹیڑھی ، بانکی ، ترچھی نظر ، اور سحر مجسم وہ انکھیں
چتون میں صفا ، سسدن میں جفا ، مژگاں کی جھمک پھر ایسی ہے
شے تیور وہ سرمہ تلا تلا ، کچھ زہر وہ کاجل تیلا گھلا
اس چشم کی چشمک اف رے غضب اور منہ کی مٹک پھر ایسی ہے
وہ کان له حسن پرکان ہوغش اور ناک سے لاکھوں ناک میں دم
بینی میں سراسر خود بینی ، نتھنے کی پھڑک پھر ایسی ہے
ٹھوڑی ہے وہ مسی کی دھڑی ، آفت وہ لکھوٹا پانوں کا
اللہ رے رنگ اور واہ رے لب ، دانتوں کی چمک پھر ایسی ہے
وہ ساعد سیمیں فخر ذہب ، اور دست حنا بستہ وہ غضب ،
انگشت شے ہر یک پنجہ بہ دل اور اس کی لٹک پھر ایسی ہے
وہ کہنی اس کی لئے سر سےسو مردہ کہنہ جلا دیوے (۱۳۹الف)
اور ہاتھوں ہی کے اشاروں سے وہ آنٹی جھٹک پھر ایسی ہے
ان مونڈھوں پر سر آنکھوں سے لاکھوں ہی کریں جی جان فدا
وہ سخت پہنچیں ، نازک باتیں اور آن کی مرک پھر ایسی ہے

---

(۱۱۶) لطف

مرزا علی لطف تخلص ، احوالش معلوم نیست ، فاما شاعر

پرزور و خوش گفتگو است ، مثنوی لدھا خوب گفته[1] و درو داد معانی داده ، اکثر اوقات در بلدۂ لکھنئو اقامت دارد ، اشعارش از لطف خالی نیست ۔ این چند ابیات ازوست :

خاکساری کا جو مزا سمجھے
تخت جم نقشِ بوریا سمجھے
کیا بھلی کٹ گئی انھوں کی جو
مدعا ترکِ بوریا سمجھے
خار ہیں کیا زباں درازی پر
لطف تجھ کو برہنہ پا سمجھے

قیس کی جا اب ہماری خاطر ناشاد ہے
روح مجنوں شاد ، اقلیم جنوں آباد ہے

کشور دل تو سدا ہی کا نہ ویرانہ تھا
یہ خرابہ بھی اک عالم میں پری خانہ تھا

(۱۳۹ ب) چمن میں کل جو تری مے کشی کا دھیان رہا
ہر ایک پات کے کھڑکے پہ گل کا کان رہا
طواف گاہ بگولوں کا ہوگا بعد وفات
ہماری خاک سے کچھ بھی اگر نشان رہا

---

۱ - یہ وہی قصہ ہے جسے قائم نے بھی اردو میں لکھا ہے ، لطف نے اپنی مثنوی ، گلشن ہند، میں شامل انتخاب کی تھی، لیکن نسخہ مطبوعہ میں نہیں ہے ۔ اب اس کا متن حیدرآباد دکن سے چھپ گیا ہے ۔ یہ املا عہد اورنگ زیب کی ایک فارسی روایت سے ماخوذ ہے ۔

کہاں پھنسا دیا دل لطف تو نے، ہے ظالم
امان مانگتا حسن سے کہ اک جہاں وہا

حجل ہم کو ہوا صیاد کر بند
قفس میں پائے جب اک منت پر بند
پھنسا دام نگہ میں اس کے دل جا
جن آنکھوں کا ہے اک عالم نظر بند
لچکتی ہے کمر اس نازنیں کی
کرے گر رشتۂ جاں سے کمر بند
مبارک لطف اس آوارہ کے ہاتھوں
ہیں اب تک رہ گذر کے رہ گذر بند

---

(۱۱۸) رقت

رقت تخلص ۔ احوالش معلوم فقیر نیست ، اشعار پر درد دارد ، که از استماع آن سامعان را رقت می آید ۔ این چند ابیات ازوست :

بہ کس کا رقص دیکھ آیا دلا تو
کہ بیٹھا زندگی سے ہاتھ اٹھا تو
نشانی غیر کو دے ہے تو پہلے
نشانِ زندگی میرے مٹا تو

لباس سرخ تو نے جب سے یہ اے گل بدن پہنا
ہر اک عاشق نے قبل از مرگ ہی رنگیں کفن پہنا
لچکتی تھی کلائی بوجھ سے تعویذ کے پیارے
نزاکت کا یہ عالم، تس پہ تو نے نورتن پہنا (۲۰۰ الف)

اس طرف وہ ہاتھ سے دامن چھڑا جانے لگا
اس طرف چاک گریباں پاؤں پھیلانے لگا
ہوس کی اپنے خبر لے ، تجھ کو رقت کیا ہوا
اس کے جاتے ہی تجھے کیا غش پہ غش آنے لگا

ہاتھ اس سینے پہ میں از راہ نسیاں رکھ دیا
بد گماں لوگوں نے کچھ کچھ مجھ پہ بہتاں رکھ دیا
پڑ گیا تھا آنکھ میں کچھ میری ، میں رونا نہ تھا
مجھ پہ یہ ناحق پیارے تم نے طوفاں رکھ دیا
یار کے مژگاں نے منہ پھیرا جو میرے قتل سے
اس کے آگے تیر کا اک میں نے پیکاں رکھ دیا
کہتے ہیں جدول کلام اللہ کی خط کو ترے
نام اس کافر کا یہ کس نے مسلماں رکھ دیا
جس کا جی چاہا کہ رووے شعر پڑھ پڑھ خوب سا
ہم نے اس کے آگے لا رقت کر دیواں رکھ دیا

تو نہیں دیتا لگانے سیم بر چھاتی پہ ہاتھ
آخر اس غم سے چلا جاؤں گا دھر چھاتی پر ہاتھ
ہوگئی تقصیر اب تو ، پھر نہ ایسی ہووے گی
ہاتھ کٹوانا لگے پھر تیری گر چھاتی پر ہاتھ
اے خوشا خواب اس کا جو کوئی کہ اپنے یار کا (۱۳۰ب)
سو رہے ہے چین سے رکھ رات بھر چھاتی پر ہاتھ

---

(۱۱۹) میر ضیا

میر ضیا متوطن دهلی ، از شاگردان[1] میر محمد تقی موصوف واز ستادان میر حسن که مصنف مثنوی بدر منیر است ، بوده ، دیگر احوالش به تحقیق نه رسیده ، این چند ابیات او که بسمع رسیده بتحریر می آید - ازوست :

سب مراد اپنی کر حصول گئے
اک ترے در سے هم ملول گئے
بھول کر بھی کبھی نہ یاد کیا
هم ترے جی سے ایسے بھول گئے

---

(۱۲۰) رنگیں

رنگیں تخلص ، دیگر بر حسب و نسب او مطلع نیستم ، اشعار پر درد و مضامین رنگین دارد ، ازوست :

قسمیں کڑوڑ جن نے ملنے سے کھائیاں هوں
یہ سوچیے اب اس سے کیوں کر صفائیاں هوں
دیتا هے گو تو مردہ پر دل ڈرے هے اپنا
باتیں نہ تو نے قاصد جی سے بنائیاں هوں
اب ظلم کی هم ان کے ، جا کس سے داد چاهیں
اقلیم دل میں جن کی پھرتی دھائیاں هوں
شب هونے آئی لیکن اب تک نہیں وہ آیا
ایسا نہ هو کہ قسمیں جھوٹی هی کھائیاں هوں
سنتے هیں سب خوشی سے ، خاموش مت هو رنگیں (۱۳۱ الف)
پڑھ اور بھی جو بیتیں تو نے بنائیاں هوں

---

۱ - یہ بیان غلط هے یہ ضیا ، میر تقی کے شاگرد تھے -

کچھ جھوٹ سچ کسی نے باتیں لگائیاں ہیں
جو آج تم نے پیارے آنکھیں چرائیاں ہیں
دل اپنا ھاتھ میں ہے ان کے ھی اے عزیزو
یہ گول گول جن کی گوری کلائیاں ہیں
گو مجھ سے وہ خفا ہے ، پر دوستوں نے میرے
باتیں ملاپ کی اب ، کچھ کچھ چلائیاں ہیں
ولگیں سر شک چشم اب کیوں کر نہ سرخ لگے
ہم کو وہ فندق پا اب یاد آئیاں ہیں

---

(۱۲۱) خنداں

علی محمد خاں خنداں تخلص ، برادر خورد محمد میاں کہ از نبائر نواب عظمت اللہ خاں مرادآبادی است - جوانے ست صاحب وجاهت ، کان ملاحت و صباحت ، خوش خلق و با تمکین ، نہایت وجیهه و شکیل و در وجاهت و شباهت بے تمثیل ، نہایت خندہ رو و کشادہ پیشانی ، گویا غلمانے ست در قالب انسانی - مخزن قابلیت و اهلیت و علم و معدن مروت و شخصیت و حلم - در خورد سالگی از اکثر فنون آشنائی و مناسبتے پیدا کردہ - خط نسخ و تعلیق و شکسته وغیرہ خوب می نویسد - خصوصاً در خط (۱۴۱ ب) شفیعای یکتا است - گاہے بحسب جودت طبع فکر شعر ریختہ هم می کند ، از شاگردان ذوق رام حسرت است - طبع رسا و فکر بجا دارد ، این چند ابیات کہ بہ دستخط خاص مرقوم نمودہ بود بہ تحریر می آید - ازوست :

دلستاں هو ، یہ ترے دل کے ستانے والے
یار دل سوز ولے جی کے جلانے والے

عشق باک اپنا تو بے لاگ ہے پر ڈرتے ہیں
لوگ کم بخت برے ہوں ہیں لگانے والے
کون ہیں ہم جو کہیں تم سے بیا یہ بنشس
پھر کے ٹک دیکھ تو لو او میاں جانے والے
اس قدر مشق ستم ہوتی نہیں ہے تنفیں
میری نظروں میں ہیں سب تیرے سکھانے والے
جاں بلب ہوں غم ہجراں سے کہاں ہیں خنداں
مجھ کو اس شوخ کا پیغام سنانے والے

یار سنگیں دل ، بلا ہے بدگمانی آپ کی
سر دیا تو بھی ہے باقی سرگرانی آپ کی
کیا غضب ہے، سن کے میرا حال دل، بولا وہ شوخ
بس کرو ، میں سن چکا ہوں قصہ خوانی آپ کی
بول لو، ہنس لو، میاں کیا یہ رکاوٹ ہے بری
کیا کریں گے یاد ہم حسن و جوانی آپ کی (۲۴۱ الف)
میں کہا: مرتا ہوں دوری میں تری، تو بول اٹھا
خوب میں جانوں ہوں یہ باتیں بنانی آپ کی

---

(۱۲۲) حسن

میر حسن ، حسن تخلص از شاگردان رشید میر ضیا متوطن دھلی است ، حالا در لکھنئو شہرت کمال یافتہ ، چند اشعار او بعضے احباب نقل کردہ آوردہ بودند ازان انتخاب نمودہ بہ تحریر آید ۔ ازوست :

تمھارا شکوہ کیا کیجیے ، جو پھرتے ہو خفا ہم سے
بتاں تم بھی کرو کیا کچھ پھرا ہے اب خدا ہم سے

ہمیں تنہا نہیں اس شوخ کے کوچے میں ، کسے ہی
بہ رنگ نقش پا بے خود پڑے ہیں جا بہ جا ہم سے

کیوں کر نہ ہم جہاں میں پھریں اب اداس سے
لائے نصیب ہم کو اٹھا کس کے پاس سے
اب داغ سے پڑا ہے اسے کام تجھ بغیر
ہوتا تھا بے دماغ جو گل گل کی باس سے
کس کس سے ہوں میں عہدہ بر آ ، ناتواں ہوں عشق
حیرت سے ، غم سے ، درد سے ، یا داغ یاس سے
جانے کی آج کس کے سنی ہے حسن خبر
کچھ اڑ گئے ہیں اس کے تو ہوش و حواس سے

جب تب جیے مصیبت غم کی یہ سر سے سر کی
(۳۳ ب) سر سے گذر کے آخر ہم نے مہم یہ سر کی
میں حال دل کہوں ہوں، تم شکوہ سمجھو ہو، واہ
کہتا ہوں میں کہاں کی سنتے ہو تم کدھر کی
جوں آئینہ سراپا کس کا ہوں محو دیدار
نے پاؤں کی خبر ہے مجھ کو نہ اپنے سر کی

ق

پھر روئیو حسن تو ، نامہ تو لکھ لے ظالم
تو نے تو یہ کتابت رو رو کے ساری تر کی
جیسا تھا آہ کاغذ ، ویسا ہی ہو گیا پھر
بے فائدہ یہ تو نے کیا شام سے سحر کی

مجھ کو بھی کوئی صورت آئینہ گر بتا دے
جس سے کہ یار اتنا مکھڑا ہمیں دکھا دے

عبارت بن سکے اس کی نہ پھر ، معمار ایسی کی
خرابی دل کی میرے تو نے آخر یار ایسی کی
بلا سے گھر میں اپنے کڈیاں دیتا تو بہتر تھا
خرابی تو نے میری کیوں سر بازار ایسی کی
فلک سب جل گیا جوں کاغذ آتش زدہ ہو کر
جگر سے رات میں اک آہ آتشبار ایسی کی
سماجت ہم نے کی کیا کیا نہ کچھ، پر اب نہیں کرتے
اگر سو بار ویسی کی تو پھر اک بار ایسی کی

کئی دن تیرے چپ رہنے میں اشک آنکھوں سے برسا ہے
نکل خورشید رو گھر سے کہ عالم خوب ترسا ہے
نہیں معلوم ، ہے کس عالم بالا پہ گھر تیرا ہے(۳۴۲ الف)
وگرنہ اے اثر نالہ تو میرا عرش فرسا ہے

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا روسکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہوسکے
کون اب داغ جگر کو اے حسن
بن مرے اشک ندامت دھوسکے

زلف سے مل کے جو پٹوں نے نموداری کی
اور اس حلقے سے زنجیر مری بھاری کی

مطلع نہایت خوب و مرغوب است فامّا به سبب تفرقه زلف و پٹا دل در کشا کش است ، خدا داند که شاعر چه فرق درمیان هر دو پیدا کرده ، در قید شدید افتاد ۔

نوجوانی کا دید کر لیجے
اپنے موسم کی عید کر لیجے
اب کے بچھڑے ملوگے پھر کہ نہیں
کچھ تو وعدہ وعید کر لیجے
اپنے گیسو دراز کے مجھ کو
سلسلے میں مرید کر لیجے

نے فقہ ، نہ منطق ، نہ حکمت کا رسالہ ہے
اس فن محبت کا نسخہ ہی نرالا
ہے دل ہی میں وہ لیکن دکھلائی نہیں دیتا
باہر تو اندھیرا ہے اور گھر میں اجالا ہے
تعجیل نہ کر اے دل ، آنے تو لگا ہے وہ
مل جائے گا بوسہ بھی ، کیا منہ کا نوالا ہے
تو ہوتا کیا ہوتا ، کل نام ترا لیے (۴۳ ب)
گلشن میں حسن کو میں گرنے سے سبھالا ہے

زلف میں اس کی بہت رہ کے نہ اترائیو دل
تجھ سے کتنے ہی مری جان یہاں جھول گئے

ھجر کا رونا آسے آنکھوں سے دکھلاتا رہا
بوند سا دن وصل کا ، پل مارتے جاتا رہا

غیر سے وہ گرم سرگوشی رہا کل دیر تک
میں پڑا زانو بدلتا اور گھبراتا رہا

ق

ایک تن میں ہوں اگر دو دل تو نکلے کام کچھ
یاں تو اپنے داؤ میں ہر ایک پل کھاتا رہا
جی اگر اس سے لگایا ، رشک سے دل جل گیا
دل اگر اس کو دیا ، جی هاتھ سے جاتا رہا
مارے ضد کے شیخیوں میں اپنی آ کر اے حسن
جو نہ مجھ سے ہو سکا وہ کام فرماتا رہا

---

(۴۲۳) مشتاق

عنایت اللہ مشتاق سرهندی ، مشق سخن از فدوی مستوفی کرد طبع شور انگیزے و موزوں دارد ـ چند اشعار از مسودہاش به قلم آوردہ شد ، ازوست ؛

اے باغباں نہ جائیو بلبل کے متصل
بیٹھی ہے کس خوشی سے وہ اب گل کے متصل
الجھے ہوئے هیں سیکڑوں دل اس کے پیچ میں
اے شانہ تو نہ جائیو کاکل کے متصل

باغباں کچھ کہہ تو ہم سے ماجرائے عندلیب (۴۴ الف)
آج گلشن مین نہیں آتی صدائے عندلیب
زخم دل کو تازہ کرتا ہے گلوں کا چاک جیب
شورش افزائے جنوں هین نالہائے عندلیب

جب سے اس کو سلسلہ الفت ہوا گلزار سے
تب سے ہے ہوش جنوں زنجیر ہائے عندلیب

رو کے بلبل نے کہا جا کے چمن کے نزدیک
جیتے جی آن تو پہنچے ہیں وطن کے نزدیک

جو کہیے سو ہرگز نہ کرے ، بل بے تری ضد
اس بات کے ہیں اس بت خود کام کے مشتاق

گھر سے شتاب اپنے ، بت صندلی نکل
اب درد سر سے جان ہماری چلی نکل
سرپٹکا ساری رات میں دیوار سے تری
ظالم خبر بھی گھر سے ہو باہر نہ لی نکل

مرا تو جی ہی گیا پاس دل ربائی میں
ملا نہ کوئی ہمیں بابت آشنائی میں
مزا نہ دیر میں پایا نہ دل نے کعبے میں
جو حظ اٹھایا ہے تجھ در کی جبہ سائی میں
وفا نباہیے جب تک کہ نبھ سکے مشتاق
جفا تو اس کی ہے مشہور سب خدائی میں

(۴۴۱ ب) اے واہ وا جی اوروں پہ کچھ بس نہ چل سکا
نا حق کو مجھ غریب کے اوپر برس پڑے

---

(۴۴۲) سلامت

سلامت علی سلامت تخلص ، شخصے است متوطن عظیم آباد ،

ایں چند اشعار او بزبانی بعضے اعزا بسمع رسیدہ دیگر از احوال او خبر نہ دارم ، ازوست :

کٹیں ہیں رونے میں اب روز زندگانی کے
مرے یہ دیدۂ تر بلبلے ہیں پانی کے

آہ اتنی ناتواں ہے پہلو کو تھام کرکے
آتی ہے دل سے باہر لا کھوں مقام کرکے

یاں تک تو ان دنوں کچھ اب جوش پر فغاں ہے
نے کی طرح سے نالاں تن میں ہر استخواں ہے
کہتے ہو : کیوں سلامت ہے عاشقی میں پورا ؟
کیجے نہ قتل آکر ، گر قصد امتحاں ہے

عاشق تو مر چکے سب ، اب ایک ہم رہے ہیں
تلوار کھینچ کر کر کیوں آپ تھم رہے ہیں

کس طرح کوئی عشق کے عہدے سے بر آوے
صحرا میں موا قیس یو ہیں ٹھوکریں کھا کے
دیکھا جو کچھ انجام نہیں اس کا ہے سر پر (کذا)
مارا ہی نہ فرہاد نے تیشے کو اٹھا کے

---

(۱۲۵) پاس

حسن علی خاں متخلص بہ پاس ، از شاگردان رشید حسرت موصوف است ۔ ایں چند اشعار از حسن فکر (۱۲۵ الف) صائب اوست :

مکیں بغیر کبھو تو مکاں سے کیا حاصل
جو وصل یار نہیں تو جہاں سے کیا حاصل

جب سے کہ پیدا ہوا، اس گل خنداں سے ربط
ہاتھ ہمارے کو ہے، چاک گریباں سے ربط
ربط چھٹا تجھ سے آہ، کس سے کروں ربط میں
ہاں مگر افسوس میں، ہے لب و دنداں سے ربط

---

(۱۲۶) رقّت

مرزا قاسم‌علی رقّت تخلص ، از شاگردان جرأت مسطور است ، چند اشعار او بنظر رسیده ، ازوست :

ہے دل بےتاب میرا خصم جاں، زیر بغل
وہ سل مجھ پر ہوئی: دشمن کہاں، زیر بغل

رکھے پر بند یا صیاد ، پروا
پھنسے جب دام میں تب کیا ہے پروا

دیکھ تنہا جو رکھا میں نے آ سے گھیر کبھو
یوں دھرایا ، نہ ملے گا تو مجھے پھیر کبھو ؟

آنکھوں میں اپنی اس نے سرمہ نہیں دیا ہے
کہتے ہو تم جو یارو ناحق کا ، توتیا ہے

دیگر برحسب ونسب او اطلاع ندارم ، خدا داند که از کجاست ، اما خوش مقالی او از طرزش ظاهر و پیداست :

(۱۲۷) بہاڑی مل

بہاڑی مل قوم کایتھ ، متوطن شاہ جہان آباد ، از مدتے در بلدہ امروہہ وطن اقامت گرفتہ (۱۳۵ ب) طبع رسا و فکر بجا دارد از شاگردان محمد قائم موصوف است ۔ یک رباعی مستزاد او بہم رسیدہ ازوست :

آیا نظر اک طفل فرنگی گورا سنگین نگاہ
پلٹن سے مرہ کی قلب دل کو توڑا بے جرم و گناہ
میں نے کہا ظالم کہیں صاحب سے تو ڈر اس پھرے میں
شرما کے لگا کہنے ہو تھوڑا تھوڑا ویل کیا پرواہ

(۱۲۸) بیتاب

سنتو کھرائے بیتاب جوانے ست خلوت دوست ، کہ بسبب عزلت نشینی جز گوشت و پوست در اعضایش باقی نماندہ ، قوم کھتری ، از یاران محمد قائم موصوف ، متوطن شاہ جہان آباد ، از چندے در قصبہ چاندپور گوشہ نشین است ۔ اگرچہ کم گوست فاما بسیار خوش گفتگو ، دیوان مختصر ریختہ ترتیب دادہ ، این چند اشعار از مسودات او بقلم آوردہ شد ازوست :

غافل نہیں اعتبار پل کا
کیوں فکر عبث کرے ہے کل کا
بل بے تری زلف کا اکڑنا
کیا زعم ہے اس کو اپنے بل کا
بیتاب بھی کیا جوان تھا ہائے
ہو خانہ خراب اس اجل کا

(۱۰۹ الف) یہ تو نہیں کہتا میں ساتھ اس شوخ کے کیوں دل گیا
پر یہ حسرت ہے کہ نہ کچھ کہہ گیا نہ مل گیا
ہو گیا نالہ ہمارا فوج غم کے سامنے
یہ سپاہی ہاتھ میں لیے ہی نیزہ پل گیا
شب جو مانگا اس سے میں بوسہ لگا کہنے مجھے
چل بہت جھک مار مت ہر روز، اب تو ہل گیا

شب من کے یار بولا بیتاب کا فسانہ
یارب غریق رحمت تحفہ تھا یہ دوانہ

میں جب بیتاب سے پوچھا مل اس ظالم سے کیا پایا
وہ ہو کر چشم تر کہنے لگا : اپنا کیا پایا

پھرا تو کیا فلک کج خرام یا نہ پھرا
اگر یہ سفلہ مرے حسب مدعا نہ پھرا
مجھی پہ جرم نہ رکھ کن نے یاں تجھے دیکھا
کہ مثل سایہ ترے پیچھے وہ لگا نہ پھرا
کدھر ہیں دوست کہ بیتاب سے تنک مل لیں
چلا ہے واں یہ جہاں کا کوئی گیا نہ پھرا

خواہش روزی ہے گر تجھ کو تو ہو خانہ نشیں
آسیا کو دیکھ گھر بیٹھے اسے ملتا ہے قوت
چشم و دل کا خاندان آخر ڈبویا اشک نے
یا الٰہی مت کسی کا ہوجیو لڑکا کپوت

ابلاغ خبر شرط ہے ، اے سحر گسل آج
ملنا ہے تو مل لے ، نہیں ہم ہیں نہ یہ دل آج
اے دیدہ ہے کیسا صرفہ نم چشم کا تم کو (۴۳۶ الف)
جب اشک سے گوہر ہی گئے خاک میں مل آج

نہ رہے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ہم
پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
او میاں دیکھ نہ رسوائے خلائق ہو تو یاں
مت مل اب ہم سے کہ اک شخص ہیں بدنام سے ہم
ہائے رے تیرے یہ جھنجھلانے کے انداز میاں
بس گویا ڈر گئے اس جھڑ کی و دشنام سے ہم

آہ اس دل سے ، جس میں داغ نہیں
وائے وہ گھر جہاں چراغ نہیں

دل، نہ جانے ہی بھلا ہے واں، جہاں عزت نہیں
پر میں سمجھاؤں سو کیا تجھ کو تو کچھ غیرت نہیں
یاں تلک ہے ضعف مستولی کہ مثل نقش پا
جس جگہ اوپر، گرے، اٹھنے کی پھر طاقت نہیں
ہے سزا ، جتنا کرے دل کو تری کاکل نزار
کچھ وہ زور آور سے کیوں الجھے جسے قوت نہیں
کیوں گراتی ہے بھلا آغوش سے آنسو کو چشم
کیا بلا ہے، تجھ کو اس لڑکے سے کچھ الفت نہیں
تجھ کف پا کی جدائی سے حنا کا ہے یہ رنگ
گھس لگانے کو بھی اب دیکھا تو اس میں ست نہیں

(۷۴ الف) بے تحاشا چشم کے باھر نکل جاتا ھے اشک
کیوں نہ ھو آوارہ وہ لڑکا جسے دھشت نہیں
آہ جس بیتاب کی سارا جہاں کرتا تھا قدر
اب جدھر جاتا ھے وہ حاصل بجز ذلت نہیں

بسر کرے ھے جو کوئی زندگی کو تنہا ھو
میں اس کو بوم سمجھتا ھوں گو کہ عنقا ھو
رغیب بر سر اغوا و یار سوے مزاج
غرض کہ بات تو بگڑی ھے دیکھیے کیا ھو
ابھی سے شعلہ صفت قد ترا ھے عالم سوز
بڑا غضب ھے یہ آتش اگر دوبالا ھو
پھر اب لگے ھیں ترے پاس بیٹھنے اغیار
عجب نہیں ھے اگر کچھ فساد برپا ھو

دل کو الفت ھے سدا ابروے خم دار کے ساتھ
اس سپاھی کو عجب عشق ھے تلوار کے ساتھ
دیکھیو دل نہ کہیں کیجیو یاں مجھ کو خفیف
لگ تو چلتا ھے تو ھر ایک خریدار کے ساتھ

سچ کہو کیا بات ھے دل میں یہ کچھ خالی نہیں
آج ھر دم دیکھتے ھو تم جو بن بن آئنہ
خبث باطن جان تو ظاھر میں دیکھے جس کو صاف
عیب جوئی کا رکھے ھے بر سر فن آئنہ

دل دیا بیتاب کیوں اس سنگ دل کو تیں کہ آہ
کوئی پتھر سے بھڑاتا بھی ہے دشمن آئینہ (۲۴۷ ب)

ستم گر ، بے وفا ، بے رحم اور عیار سنتے تھے
سو ہم نے سب تجھے دیکھا جو کچھ اے یار سنتے تھے
خبر مرنے کی سن میرے ، لگا کہنے موا ہوگا
اسے تو چند مدت سے بہت بیمار سنتے تھے
کہے گا ایک تو ، ہم دس سناویں گے ، نئے دن وے
جو تیری گالیاں ہم دن میں سو سو بار سنتے تھے
دلا کہہ ، ابرو و مژگاں سے تونے کیوں کہ سازش کی
سدا آن تو تو ہم تجھ سے ، چھڑی تلوار سنتے تھے

سبزے پر اس کے خط کے ، نہ مارا گیا میں ایک
اس گل زمیں میں کھیت ہزاروں جواں رہے
جی میں ہے ، اس کی بات میں اب پھر نہ بولیے
لیکن کسی طرح جو یہ کافر زباں رہے

نہ بک ناصح وہی ہوگا جو کچھ قسمت میں ہونا ہے
تو کچھ اپنی ہی گاوے ہے ، مجھے اپنا ہی رونا ہے
محلے کے محلے ڈوبے ، تس پر بھی ہیں نہمتیں
تمھیں اے چشم تر کیا شہر اب سارا ڈبونا ہے
کوئی شیریں لبان ہند میں دیکھا نہ میں اب تک
یہ ایں نمکینی اے پیارے ، کہ جیسا تو سلونا ہے

(۱۳۸ الف) مبارک ہو یہ کنج صومعہ تجھ کو ہی اے زاہد
غرض اپنے بھی پڑ رہنے کو مےخانے کا کونا ہے

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تصویر مجنوں کی
کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

میں کیا جدا نہ اٹھائیں فلک کے کینے سے
کسی کو کام نہ ڈالے خدا کمینے سے
جو جذب حضرت قائم نہ کھینچتا بیتاب
تو کام کیا تھا ہمیں چاند پور[1] ندینے سے

صحبت تمام شب رہی اس ماہتاب سے
مطلب کی بات ہو نہ سکی پر حجاب سے
اللہ رے تجھ لبوں کا تبسم تہ نقاب
بجلی کب اس طرح ستی چمکے سحاب سے
رنگیں بیاض گل پہ، ہے جی میں کہ اب لکھوں
تجھ لعل لب کے وصف کو موج شراب سے

جو تیری رفع خلش پر یہ طبع آئی ہے
تو خیر جان مری، یاں کسے لڑائی ہے
ترے ہی دل میں کدورت کچھ ہو تو ہو ورنہ
خدا گواہ ہے یاں سب طرح صفائی ہے

---

۱ ۔ چاندپور ندینہ (یا نگینہ) ضلع بجنور کا ایک قصبہ اور قائم کا وطن ۔

عبث سو مجھ ستی کرتا ہے اس قدر اخفا
ترے تو جی کی میں بیتاب بات پائی ہے
جو تجھ پہ پرسوں تھی حالت، کل اس سے دیکھی میں زیادہ
اور آج کل سے بھی کچھ بے کلی سوائی ہے (۱۴۸ ب)
یہ اضطراب و کوجینی[1] نہ بے سبب ہے دہ آہ
نیں آلکھ جان مری، پھر کہیں لگائی ہے

رباعی

یاں آکے ہم اپنے مدعا کو بھولے
مل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر
اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

---

(۱۲۹) نثار

محمد پناہ خاں نثار ولد سید محمد شریف خاں، از خاندان عالی و منصب داران بادشاهی است۔ شاگرد خواجه میر درد موصوف، این چند ابیات دال بر جودت طبع اوست، ازوست:

کیا ہی اس کے بانکے ہاتھوں، زخم دل بانکا لگا
سوئی کج ہوئی تار نے بل کھایا تب ٹانکا لگا

یہ دل کیا ہے جو تیرے قربان جاوے
سعادت ہے اپنی اگر جان جاوے

۱۔ چین میں هندی سابقه کذف مضموم (بمعنی بد) اردو میں ۸۰ استعمال ساذ ہے۔

لثار اس کے کوچے میں پوشیدہ جانا
مبادا کوئی تجھ کو پہچان جاوے

رباعی

زاھد تو کہے ہے زھد کوشی کیجے
مے خوار کہے ہے بادہ نوشی کیجے
پر ھم سے جو پوچھے تو دونوں سے لثار
بہتر ہے یہی کہ عیب پوشی کیجے

رباعی

اس شوخ سے اظہار نہ کر غم اے دل
بے زار جو وہ تجھ سے ہے مل کم اے دل (۱۴۹ الف)
اپنی خواھش اٹھا دے یک سر جی سے
خاطر کو اسی کی رکھ مقدم اے دل

---

(۱۳۰) فیض

فیض علی فیض ولد میر محمد تقی موصوف ، جوان قابل ، خوش اخلاق و خوش خو و خوش گفتگوست ۔ ایں چند ابیات از فیض سخن اوست ۔ ازوست :

لگاؤ تیغ ھی جو ڈھب پڑے لگانے کا
کسے دماغ ہے ہر دم ستم اٹھانے کا
اٹھا ہے برقع رخسار جاں بلب ہوں میں
کوئی یہ وقت ہے اے یار منہ چھپانے کا
نہ گفتگوے پریشاں کو میری بھولو کوئی
یہ حرف یاد رہے باؤلے دوانے کا

بہار حسن کو پیارے بہت غنیمت جان
کہ خط کے آئے کوئی منہ نہیں لگانے کا
بگڑ ہی جاتی ہے صحبت ہر ایک سے پیارے
کسو سے تم کو سلیقہ نہیں بنانے کا
مرا ہی آنا ہے منظور اس میں تو کچھ ہے
خیال تم کو کب آتا ہے جی کے جانے کا
مگر خراب کیا چاہتے ہو گور دو چار
پہن رہے ہو جو نیمہ نہ چارجانے کا

آزردگان عشق سے اے ابر ڈر کہ یہ
دریا کو وقت رونے کے ماریں ہیں دھار پر (۱۴۹ ب)
مرغ چمن سے مجھ کو نہیں آگہی ولے
باد صبا کے ساتھ ہیں دو تین چار پر
کیا کیا طیور آکے سر تیر پھر گئے
کچھ ان دنوں ہیں ہے ترا دل شکار پر

دل داغ ہے تمام ، جگر سب فگار ہے
گلشن تو ہے ہی ، یاں بھی عجب اک بہار ہے
کس ساتھ شب کو بیٹھ کے پی ہے شراب عیش
جس کا یہ تیری آنکھ سے ظاہر خمار ہے
ہم خاک ہو کے اڑ گئے اس کی گلی سے لیک
خاطر میں اس کے اب تئیں ہم سے غبار ہے
اوقات خوش انھوں کی جو رکھتے ہیں اس سے ربط
ہم ناکسوں کو بزم میں کب اس کی بار ہے

پر صید لند قصد مرا کرسکے ہے کب
سب جانے ہیں لیض کسی کا شکار ہے

---

(۱۳۱) تجلی

تجلی تخلص ، پسر محمد حسین کلیم موصوف ، دیگر از احوال او خبر ندارم ، ازوست :

حال ہووے گا بھلا یا کہ برا ہووے گا
دل تو ہم دے چکے، اب دیکھیے کیا ہووے گا
بدگانی نے رقیبوں کی بہت مارا ہے
کہیں جاؤ تو کہیں اس کے کیا ہووے گا
(۱۵۰ الف) کر گلے شکوے کو موقوف میاں بس چپ رہ
میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہووے گا
عشق میں تیرے تجلی نے کیا ترک لباس
بے نوا وار ، سر راہ کھڑا ہووے گا

ق

اور عاشق نے صدا زور نکالی ہے ، سنا
کسی کا جب گذر اودھر کو پڑا ہووے گا
طالب یک نگہ مہر ہے ملت سے فقیر
ٹک ادھر دیکھ میاں دوست بھلا ہووے گا

کہاں تک گریہ ، بس روئی سحر تک
کلی کو خوں میں ہاتے ہیں کمر تک

---

(۱۳۲) نوا

شیخ ظہور اللہ نوا تخلص ، پسر مولوی دلیل اللہ بدایونی ،

از شاگردان شیخ بقاء الله موصوف ، متوطن بلدہ بداؤں ، جوان اعجوبہ عنوان ، خوش تلاش و خوش فکر ، قصائد بر زور[1] می گوید ، این چند ابیات ظہور طبع رسائے و فکر بجائے اوست ۔ ازوست :

اس اوج تک تو سیل سر شک اپنا جا بھرا
جس میں کہ ابر جوں کف دریا بہا پھرا

اب تو رخسار ترا غیرت گلزار ہوا
خط کا آنا ترے مکھڑے پہ سراوار ہوا
جب تکلف نہ رہا یار سے پھر دیا ہے حجاب
بوسہ اب مانگ لیا ، جب کبھی درکار ہوا (۱۵۰ ب)
پھر نظر آہ نہ دیکھا تھا میں اس خودبیں کو
کہ وہیں آئنہ آ بیچ میں دیوار ہوا
شربت بوسۂ لب ہیں ترے اے رشک مسیح
نہ جیا وہ جو تری چشم کا بیمار ہوا
بھولی باتوں سے میاں تو نے دغا کی آخر
دل کو لیتے ہی مرے جی کا طلب گار ہوا

دل پر خوں تو شیشۂ مل ہے
نالہ و آہ ، شور قلقل ہے

جو خوب ہو ، چلتی ہے یہ مل اس سے زیادہ
چشم اپنی تو بدخو ہے ، پہ دل اس سے زیادہ

---

۱ ۔ اصل : ہر روز

وہ بھی پھیرا دل جو کچھ آیا تھا اس کا واہ پر
آفریں اس نالے کو ، اے رحمت ایسی آہ پر
ہم پڑے ہیں بس میں طرفہ طفل خو صیاد کے
گاہ پا باندھے ہے رسی سے ہمارے گاہ پر

آپ پی مے اور سب غیروں کو پلواتے رہے
ہم کو ساغر کے عوض آنکھیں ہی دکھلاتے رہے

---

(۱۳۳) محزوں

مولوی غلام حسین دکھنی محزوں تخلص ، عالم متبحر و نحریر بودہ ، از چندے در الہ‌آباد استقامت داشت - یک مطلع و یک رباعی مستزاد او بسمع رسیدہ دیگر احوالش (۱۵۱ الف) معلوم ایں ہیچمداں نیست - ازوست :

زاہد کہتا ہے طوف کعبہ کیجے با صوم و نماز
ہندو کہتا ہے بت کو پوجا کیجے با عجز و نیاز
یہ شیشۂ دل بہت ہی نازک ہے گا پس تو ہی بتا
کس کس پتھر سے اس کو پٹکا کیجے اے آئنہ ساز

نظر سے مت پٹک اس کو کہ یہ نے سنگ و نے گل ہے
ارے او بے مروت یہ کسی کم بخت کا دل ہے

---

(۱۳۴) عبرت

ضیا الدین عبرت ابن علاءالدین تمکین متوطن بلدہ لکھنئو ،

---

۱ - یہ ترکیب شوق نے پہلے بھی استعمال کی ہے ، خدا جانے اس سے کیا مراد لیا ہے -

.. نے ست قابل و خوش خلق ، یار باش ، و در علم حکمت دست رس
کا ل دارد ، ذهن سلیم و فکرش بسیار عالی ، بسبب موانع علائق
دنیا و تفکر حاطر ، گاه گاہے متوجه بایں فن می شود و دم شاگردی
نواب محبت خاں موصوف می زند ۔ بسیار پرگو و خوش‌گواست ۔
اشعار فارسی و هندی هر دو موزوں می کند ۔ چند اشعار متفرقه که
ازبانی او بسمع رسیده ، بتحریر می آید ۔ ازوست :

کہاں پہنچے تصور واں ، خیال یاد پیا کا
نه جس وادی میں پیغمبر ہے قائل ماعرفنا کا

فزوں ہے آنکھوں میں اس ستم‌گر کی ، آج کل کچھ وقار میرا
جو وہ نگہ بولی ، میرا بسمل ، پکارا غمزہ شکار میرا (۱۵۱ ب)
وہ بخت برگشتہ ہوں کہ سایہ بھی چھوڑ کر مجھ سے بھاگتا ہے
بسان خورشید کوہ و صحرا میں ہو جدھر کو گذار میرا
میں گرد کی طرح سر پٹکتا پھروں ہوں آوارہ ہر شجر سے
ڈپٹ کے گھوڑے کو آہ جانے کدھر رہا شہسوار میرا
نظر میں اس گل کی گو سبک ہوں میں ہم‌نشیں، پر جنوں کی دولت
تو میرے رتبے کو دیکھ صحرا میں پانوں چومے ہے خار میرا
میں دل جلا اٹھ چلا ہوں عبرت تو قبر پر میری لالہ بودے
کہ ہووے معلوم اہل دل کو بغیر پوچھے مزار میرا

جلا ہوں بے ڈھب نہ چھیڑ ہم دم کہ جل اٹھے گا یہ داغ میرا
خموش مشعل کی طرح پھونکے سے ہو ہے روشن چراغ میرا
کروں میں جوں صبح خاک شادی فلک تو مجھ سے یہ ضد کرے ہے
اگر کروں شیر سے لبالب بھرے ہے خوں سے ایاغ میرا

کہیں ہیں جلتے، کہیں سلگتے ہیں اور کہیں جل کے بجھ گئے ہیں
گلوں کے سینے کی کیا کہوں ، رنگ کشت لالہ ہے باغ میرا
سبک روان طریق وحدت قدم لگاتے نہیں زمیں پر
حباب آسا میں سر سے گذرا ہوں کون پاوے سراغ میرا (۵۲، الف)
سمجھ نہ کم قدر مجھ کو اتنا کہ عشق خورشید رو سے عبرت
میں ذرہ ساں گو کہ کچھ نہیں ہوں پہ ہے فلک پر دماغ میرا

طفلی ہی میں اس کو فتنہ تک کر
دایہ بھی سلاتی تھی تھپک کر
ہے قند سے میٹھا تیرا بوسہ
تو اس میں نہ شبہ کر نہ شک کر

عجب صورت سے چشموں سے مری سیلاب نکلے ہے
کہ ہر یک آستیں سے حلقۂ گرداب نکلے ہے
ہماری آہ سرکش سے حذر کرنا ہی بہتر ہے
کہ برق اس شعلۂ سوزاں سے دامن داب نکلے ہے

کرے ہے تیغ جو ہر دم علم تو کینے سے
تو جڑدے سر میں، کہ میں بھی خفا ہوں جینے سے
ہمیں شراب بھلا کس طرح کہ غنچہ صفت
گرہ گلو میں ہے خون جگر کے پینے سے
ہمیشہ چرخ سے ہے اہل دل کو رنج حصول
ضرر سوا بھلا حاصل ہو کیا کمینے سے

شرار دل سے رگ و عضو تن میں آگ لگی
خبر دوانے کی لیجو کہ بن میں آگ لگی
بسان آتش پژمردہ زیر خاکستر
ترے شہید کے قاتل کفن میں آگ لگی
زباں نکالنا ہم شمع کا سمجھنے میں
اشارہ کرتے ہی دیکھو دھن میں آگ لگی (۱۵۲ ب)
کچھ آبلے کی طرح ہیں نمود یہ انجم
کسی کے نالے سے شاید گگن میں آگ لگی

نہ کر شور اس قدر دل ٹک تو دم لینے دے بس ہم کو
کہاں کا قافلہ، تکلیف مت دے اے جرس ہم کو
مثال مہر و مہ چلتے ہی روز و شب تجھے گذرا
دیا آرام یک ساعت نہ تو نے اے نفس ہم کو
نصیبوں میں ہے اپنے کاستن مثل مہ گردوں
تن آسانی نہیں ہوتی کبھی دن چار دس ہم کو

دل سوزی سے ہم پر نہ ہوئے تم کبھی تر چشم
پر آب بہت ہنسنے سے کر لیتے ہو پر چشم
ہے در پئے آزار خلائق سر دوراں
بدلے ہے مہ و مہر سے ہر شام و سحر چشم
مسکینوں کے آرام سے واقف نہیں منعم
ہوتی ہیں کہاں خواب سے پالوں کی خبر چشم
کہنے لگا اک دن وہ سیہ مست ضیا سے
بیٹھوں میں ترے برمیں کہا میں نے کہ بر چشم

ابرو نے تیری بسمل کیا ہے
کیا ہی ہے خنجر ، اللہ اکبر

جدا کر کر صدف سے آسماں کے مثل گوہر کی
لیے پھرتا ہے آب و دانہ ہر جانب کشاں مجھکو

این چند بند مخمس که ریخته (۱۵۳ الف) جرأت را تضمین نموده نوشته می شود :

ساکت ہے کیوں ترا لب گفتار کیا ہوا
کیوں زیست سے تو ہوگیا بیزار کیا ہوا
یکبار میرے مونس غم خوار کیا ہوا
کیوں اٹھ چلا جہاں سے دل زار کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے تجھ کو یہ آزار کیا ہوا

بیمار تیری چشم کے تھے سیکڑوں یہاں
کس کس کے حال کا کروں تفتیش اور بیاں
پران سبھوں میں تھا جو نہایت ہی نیم جاں
اے شوخ تیرے کوچے میں دل نام اک جواں
ہر دم کراھتا تھا وہ بیمار کیا ہوا

خنجر سے یا تو چاک کسی نے کیا جگر
یا کر گیا جہاں سے کوئی نیم جاں سفر
روتے ہیں بے سبب بھی کہیں اتنے نوحہ گر
ٹک جا کے اپنے در تک اسیروں کی لے خبر
یہ شور سا ترے پس دیوار کیا ہوا

انے سے میرے کس ا ے ہوتا ہے تہ خفا
دیا ذرے از دحام مہر ہوں میں ہی اک را
ننا بھی بے سبب کا ہہ غصہ نہیں بھلا
دیکھے سبھی ہیں پھر خدا مجھ کو مت اٹھا
آیا جو میں نیں! ے بت خوں خوار کیا ہوا
رہے نہیں ھں آپ سو ا زام بن دیے
پر دیوں کے روے خوب سے آنکھیں ہونی سیر (۱۵۳ ب)
ا د دید کے بغیر میں جانا ہوں کیا لیے
دیہ ری بدل کے دست بہ بصہ نہ ہو جیے
دیکھا جو یک نظر تمھیں اے یار کیا ہوا

---

(۱۳۰) کامل

شیخ غلام کبریا کامل تخلص ، متوطن بردوان ، شاگرد فغاں جوان قابل و خوش عنوان ، طالب علم مستعد ۔ درفن ریختہ گوئی استعداد کامل دارد ، این چند اشعار بزبانی اوبسمع رسیدہ ، ازوست:

یہ تو وہ نہیں شیشہ ہے جس میں بھری رہتی ہے
شیشۂ دل ہے مدں اس میں دری رہتی ہے
اے میں قربان عجب تیر ہے یہ تیری نگاہ
جس میں سوفار ، نہ پیکاں ، نہ سری رہتی ہے
ان طبیبوں سے شفا کب مجھے ہوتی ہے
یاں مسیحا کی مسیحائی دھری رہتی ہے

جو کوئی ہے مردہ دل اس کو کہاں ذوق سخن
کور کے لب آشنا ہوتے ہیں کب گفتار سے

دیکھ احوال اپنا اے کامل
طرح ایسی نظر میں آتی ہے
گور میں بھی نہ چین پائیے گا
واں بھی قسمت میں سنگ وچھاتی ہے

دنیا وہ جگہ ہے، نہیں امکان یہ ہرگز
محفوظ جہاں گردش ایام سے رہیے (۱۵۴ الف)
کامل کوئی اب فکر کرو ایسی کہ جس سے
چندے تو بھلا گور میں آرام سے رہیے

پوچھا میں طفل اشکو، قاصد کے سنگ ہو گے
کہنے لگے کہ ہاں جی آنکھوں سے ہم چلیں گے

چھوڑ کر مجھ کو چلی ہائے تو اے عمر عزیز
خوب آتے ہیں ترے پاشنہ کو یاں ہم بھی
غنچے جب کھلتے ہیں یاد آتی ہے اپنی حالت
کوئی دن پھاڑتے تھے یوہیں گریباں ہم بھی

کس سے کہتے ہو با وفا ہوں میں
بندگی میں بہت رہا ہوں میں

لڑکے ملتے نہیں دوانے سے
درد کیا اٹھ گیا زمانے سے
گھر سے نکلا نہ وہ بہت پٹکا
سر کو میں سنگ آستانے سے

ق

مجھ سے کب ہو سکے ہے فکر سخن
کار عاقل ہو کب دوانے سے
اصل یوں ہے کہ حال دل اس کو
کہہ سنانا کسی بہانے سے
طالب زر کبھو نہ ہو کامل
قاروں بدنام ہے خزانے سے

اگرچہ تم نہیں ملتے ہو ہم غریبوں سے
پر آج ہاتھ لگے ہو مرے نصیبوں سے

جوں جوں مجھے وہ کھینچے ہے آغوش کی طرف (۱۵۴ ب)
ڈرتا ہوں پھینکے دور کہیں تیر کی طرح
اے شمع رو وہ دل ہی نہیں دوں میں کیا تجھے
سینے میں مشت خاک ہے گل گیر کی طرح
کامل بتوں سے چھوڑ دے یہ گرم جوشیاں
تونے تو کی ہے اپنی یہ تشہیر کی طرح

ہم غم زدوں کو سیر لب جو نہ چاہیے
آنکھیں مری دکھاتی ہیں آب رواں مجھے

لے گئی اب مار دل کو اس قد بالا کی زلف
آسماں سے جو بلا نازل ہو کیا سر سے ٹلے

بے جا ہے اسے کہیے کہ وہ یار ہے میرا
وہ مول مجھے اسے ہے ، خریدار ہے میرا
ہم خانہ بدوشوں کا مکاں پوچھتے کیا ہو
مسکن تو میاں سایۂ دیوار ہے میرا
نا حق مجھے بدنام کیا ، یاروں نے لے کر
دلدار کہاں ، وہ تو دل آزار ہے میرا

ق

قاتل مرا کل آن درشتی سے یکایک
پوچھے تھا مجھے تو ہی طلب گار ہے میرا
بس ہوش مرے جاتے رہے میں نے کہا ہاں
سچ ہے کہ فدا تجھ پہ دل زار ہے میرا
اس بات کی سنتے ہوئے بس کھینچ کے شمشیر
للکارا کہ ہاں لیجو گرفتار ہے میرا
پھر جتنے حسود اپنے تھے سب آن کے گھیرے
(۱۵۵ الف) دیکھوں تو اس انبوہ میں اک یار ہے میرا
روداد مری دیکھ ، کہا ان نے ادب سے
میاں چھوڑ دو اس کے تئیں غم‌خوار ہے میرا
کہنے لگا تو کون ہے ، چل دور ہو یاں سے
ماروں گا میں کامل کو گنہ گار ہے میرا

ہستی سے چھوٹ یارو عدم کو جو جائیے
پھر یاں خدا بھی بھیجے تو ہرگز نہ آئیے

طفل اشکو تم تو آنکھوں میں ہماری تھے پلے
تم مجھے کیوں چھوڑ کر ایسی مصیبت میں چلے
ہم تو نادانی سے آ گئے ان بتاں کے ہاتھ میں
اب کہیں جو کچھ یہ چاہیں ہاتھ ہے پتھر تلے
بادۂ گلگوں کی جاگہ پیتے ہیں خون جگر
دانۂ انگور اب ٹھہرے ہیں دل کے آبلے

رباعی

میاں تجھ میں جو دیکھی دل ربائی ہم نے
کم دیکھی کہیں یہ خوش ادائی ہم نے
پر بے ادبی معاف ، یہ تو سچ ہے
الفت کی جو تجھ میں بو نہ پائی ہم نے

---

(۱۳۹) شیدا

محمدی شیدا تخلص ، متوطن بلدۂ مراد آباد ، جوانے ست نوکری پیشہ ، خوش خلق ، طبع موزون و فکر رسا دارد . احوالش بوجہ احسن ، دریافت نشدہ ، ایں چند اشعار متفرقہ بزبانی بعضے اعزا بسمع رسیدہ :

هزار طرح کی منت کری تھی جب اک دن (۱۵۵ ب)
وہ سنگ دل مرے آیا تھا ایک شب اک دن
سنایا ہوگا کسی نے تو تجھ کو اے ظالم
پڑا تھا میں ترے کوچے میں جاں بلب اک دن
ہوا نہ ایک سو ہم سے بت دو رنگ ہنوز
جو مہربان ہے اک دن تو ہے غضب اک دن

سبب تو قتل کا شیدا کے اس سوا نہ سنا
ھلا تھا دور سے بوسے کو اس کے لب اک دن

پڑی ہے جی ھی کے پیچھے یہ بےکلی دل کی
کسی ھوا سیتی کھلتی نہیں کلی دل کی
ھزاروں دیکھی ھیں زلفیں پہ کچھ بلا ہے زلف
کہ جس کے پیچ کے آگے نہ کچھ چلی دل کی
بتاں کے عشق کے شعلے سے خاک بھی نہ رھی
جو کچھ متاع تھی گھر میں سو سب جلی دل کی ۹

جھلکتے ھیں ستارے جس طرح تاریک بادل میں
ترے بازو میں زیر آستیں یوں نورتن چمکی

---

(۱۳۷) میر طالب علی

میر طالب علی شاہ جہاں آبادی ، احوالش معلوم نیست ، چند فرد او بسمع رسیدہ ، ازوست :

یہاں تلک مری آنکھوں نے خوں فشانی کی
کہ روح قیس نئے سر سے پھر دوانی کی
نہ پہنچی جان مری آکے تا بہ لب افسوس
سسکتی رہ گئی ، ھت تیری ناتوانی کی

(۱۵٦ الف) پہلے ھی دختر رز بات مری مان گئی
پھر میں چھیڑا تو کہا : اوہ مری جان گئی

---

(۱۴۸) سائل

خلیل شاہ سائل پسر شاہ پیارے ، متوطن مکن پور ، جوانےست صالح ، خوش اخلاق ، صاحب درد ، از خادمان مزار بدیع الدین شاہ مدار قدس سرہ ، فکر رسا و طبع مناسب و ذہن صائب دارد و اکثر بہ طور خواجہ میر درد و میر سوز حرف می داند ۔ این چند غزلیات بعد ملاقات او از مسودہ اش بہ قلم آوردہ شد ۔ ازوست :

بہ رنگ آب تو ہر رنگ میں فنا ہو جا
اگرچہ غیر بھی ہووے تو آشنا ہو جا
نہ پاوے آپ کو اپنے ہی ڈھونڈھنے سے آپ
حباب وار یہاں جس کی آنکھ وا ہو جا
خدا کے واسطے ہاں درگذر نہ کر ظالم
مرے برے میں اگر تیرا کچھ بھلا ہو جا
گذر گنہ سے مرے اے ترا بھلا ہووے
جو میں برا ہوں تو ٹک تو ہی اب بھلا ہو جا
یہ ذکر خیر میں کرتا ہوں جس کا اے سائل
اگر وہ آپ ہی آجائے کیا مزا ہو جا

جب سے بیٹھا گوشۂ خاطر میں پھر نکلا نہ اُف
کس کماں ابرو کا ایسا چلّہ کش یہ تیر تھا

نالہ نہ کیا کہ سر نہ دیکھا
کیا تھا کہ جو ہم نے کر نہ دیکھا
ایدھر ہوئے جب خودی سے اپنی
پھر آپ سے کچھ ادھر نہ دیکھا

کس فکر کے جنگل میں پھرتا ہے تو آوارہ
جو دم ہے سو اے ناداں ہے کوچ کا نقارا
کیا پوچھے ہے تو مجھ سے جو چاہے سو کر ظالم
نا چاروں کی کیا قدرت ، بے چاروں کا کیا چارا
ہوتا ہوں نہ میں عاشق، قاسم کے بہ قول، از خود
لیکن چہ تواں کردن آں ماہک دلھارا!

دل سے یہ آہ تا بہ لب آوے اگر برھنہ پا
چرخ اثر کو ساتھ لے ، لاوے لذرا برھنہ پا

نہ کیا زلف نے اب تک بھی ترے گوش گذار
حال کیا خانہ بدوشوں کی پریشانی کا

چشم ساقی سے کبھی پھر کے اشارا نہ ہوا
دور اس جام کا افسوس دوبارا نہ ہوا
باغباں ہم ترے گلشن میں نہ آئے زنہار
چشم نرگس سے ہمیں تا کہ اشارا نہ ہوا
اشک آئے تھے تب دل سے نکل سائل کے
قائم النار مہوس سے یہ پارا نہ ہوا

بسان نقش قدم یہ قدم نہ چھوڑیں گے
چلے چلو مرا صاحب جدھر کو جی چاہے

کشتی کے نمط آمد و رفتن یہ کہاں تک
لازم ہے کہ ہو بیٹھیے اب ایک کنارے

---

۱ - فی الاصل : نطر -

نہ ہوگی جوانی نہ یہ سوز فردا (۱۵۷ الف)
کوئی دم میں ہووے گا امروز فردا
کہاں تک کروں صبر وعدوں پہ تیرے
وہ ہووے گا امروز کس روز فردا
نہ ہے بے قراروں کو بن دید ہرگز
نہ امروز شادی نہ نوروز فردا
غنیمت ہے سائل کوئی دم کی فرصت
خدا جانے کیا ہووے امروز فردا

تشریف جو تم نہ لائے صاحب
ہم آپ ہی آئے آئے صاحب
برسات ہمیں تو یوھیں گذری
اور آپ ادھر ہی چھائے صاحب
کہتے نہ تھے مت ملو بتاں سے
کیوں کیسے نتیجے پائے صاحب

ہوتا ہوں میں رخصت، ترا اللہ نگہبان
کیا جانیے کب پھیر یہ صورت نظر آوے
آئے تو کہے جا کہ ترے ملنے کو پھر بھی
سائل ادھر آوے، اُدھر آوے، کدھر آوے

سفر کیوں کر بسر ہو تنگ چشموں ساتھ عشرت سے
سوئی کے ساتھ رشتہ ہر قدم پر تنگ ہوتا ہے

رشتہ تری زلفوں سے مجھے یار بندھا ہے
مدت سے مرے دل میں یہی ھار بندھا ہے

یک عمر ہوئی صرف ھمیں سیر میں لیکن
جوں موج وطن سے کہیں آگے نہ گئے (۱۵۷ ب)

دل کو لے مفت میں ، اب جان کے درپے ھیں بتاں
ھاں سو ھم دیں گے انھیں ایسی ضرورت دیکھو
جذبۂ عشق زلیخا کی ہے کیا کیا تاثیر
ٹک ذرا قصۂ یوسف کی تو سورت[1] دیکھو

منظور نظر اس بت گلفام کے ہوتے
اے کاش اگر ہم بھی کسی کام کے ہوتے

گرم خوئی سے تری ہم نہ ٹلے بیٹھ گئے
شمع کی طرح سے جس جا پہ جلے بیٹھ گئے
کس کی الفت نے یہ اتنا ھمیں پابند کیا
یاں سے سو بار اٹھے، اٹھ کے چلے، بیٹھ گئے
کوئی دم اور نہ آتے تو نہ پاتے ہم کو
ہم تو گھبرا کے چلے تھے پہ بھلے بیٹھ گئے
جس گھڑی بام پہ دیکھا تجھے مثل خورشید
سایہ ساں ہم ووھیں دیوار تلے بیٹھ گئے
دھک سے ھو خوف سے تیرا نہ لیا دم اے سانس
مثل نے بے مدد نالہ گلے بیٹھ گئے

---

[1] فی الاصل : صورت -

پھرا خدائی سے جب وہ تو خیر کیا ہوں میں
قرار تھا کہ جو تجھ سے پھرے ، خدا سے پھرے
ملول آتے ہیں بے طرح حضرت سائل
کہاں گئے تھے خدا جانے ، کچھ خفا سے پھرے

رباعیات اوسن

کیا فرقت دلبراں بلا ہوتی ہے (۱۵۸ الف)
آرام و قرار و صبر سب کھوتی ہے
سائل نہیں جنبش مژہ یہ واللہ
ملتی ہے یہ آنکھ ہاتھ اور روتی ہے

اب تو جاتے ہیں پھر بھی آویں گے آہ
غمگیں نہ ہو ، لو ہماری اللہ اللہ
دنیا میں مسافروں کا ہے حال یہی
آئے ، بیٹھے ، اٹھے ، چلے اپنی راہ

سیری کہاں دیکھنے سے ہوتی ہے آہ
پر کیجیے کیا کہ بس نہیں ہے واللہ
باندھی کمر ہم نے اور چلے اپنی راہ
اللہ اللہ یارو اللہ اللہ

گو سہر بتاں ہے خوب ہر چند ولے
ہے ہجر میں کس کو تاب جو ہاتھ ملے

کیا دید بتاں کو جائے سائل کوئی
روزے کو گئے نماز پڑتی ہے گلے

قطعہ

اس کو غیروں ساتھ صحبت گرم دن اور رات ہے
ہم سے اب صاحب سلامت ، مل گئے کی بات ہے
تجھ سوا ہم بے کسوں کا کون ہے اے بے کسی
آشنا یا دوست جو کچھ ہے سو تیری ذات ہے

ہر دم سپاہی زادوں کو تدبیر جنگ ہے
آئے جو ایک دم کو تو آنکھیں لڑا گئے
(۱۵۸ ب) تنہا چمن میں کیا کریں ہم رہ کے اے صبا
مشفق گئے ، رفیق گئے ، آشنا گئے
معلوم حال حضرت سائل نہیں ہمیں
کیا جانے یاں ہی رکھتے ہیں تشریف یا گئے

میاں خوش رہو کیوں عبث ہو خفا سے
جو کچھ تم سے ہوگا سو ہوگا خدا سے
امید وفا محض بے دانشی ہے
کسی دوست سے ، یار سے ، آشنا سے
نہ پوچھا کبھی تو نے احوال سائل
مرو یا جیو کوئی تیری بلا سے

باطن کی تو حق ہی جانے ، ظاہر اسباب
اس دم تو ہماری روح تازی کردی

معلوم ہوا بہ قول شخصے لیکن
اے دوست یمن زمانہ سازی کر دی

اسے کرکے رخصت بہت روتے آئے
سرشکوں سے تخم وفا بوتے آئے
نہ تھا آج کوچے میں اس بت کے کوئی
ہمیں اور سائل ابھی ہوتے آئے

واقف نہ تھے ہم یاں کے غم و رنج و الم سے
ہستی ہمیں ہملا کے لے آئی ہے عدم سے
افسوس کہ یک چند بھی تونے نہ نبھائی
سائل کو آہ کیا کیا نہ کہاں تھا ترے دم سے

(۳۹) مصحفی

غلام ہمدانی مصحفی متوطن شاہدرہ؛ جوان حافظ قرآن، شوق (۱۵۹ الف) تلاوت قرآن مجید و فرقان حمید در دلش زیادہ از حد بود، ہمیں سبب مصحفی تخلص می‌کرد۔ جوان سعادت مند، مجنون و مسکین وضع۔ ذہنش بسیار مناسب و سلیقہ‌اش درست۔ رتبۂ سخن او الحال بہ مرتبہ رسیدہ کہ حالا در لکھنؤ در جرگۂ شعرا داخل است، ازوست:

ابتر ہوئے ہیں طفل سرشک اپنے اس قدر
باہر نکل کے گھر سے یہ کھیلیں ہیں گولیاں

ہم تو بیٹھے ہی رہے یار کے در کے آگے
کھائیں سو ٹھوکریں پر واں سے نہ سرکے آگے

ناگہاں جا جو پڑی اس گل نازک پہ نگاہ
پھر گئے سیکڑوں رنگ اپنی نظر کے آگے
مصحفی اس کو ہی کہتے ہیں ، سنا ہووے گا
وہ جو کل غش میں پڑا تھا ترے در کے آگے

ان آنکھوں سے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں
خدا جو دکھاتا ہے ہم دیکھتے ہیں
ہماری طرف آپ کم دیکھتے ہیں
وے نظریں نہیں اب جو ہم دیکھتے ہیں
تو آوے نہ آوے ولے ہم تو ہر شب
تری راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں
یہی خط اویسی ہے ہر دم کی اس کو
نو اس سر کو اک دن قلم دیکھتے ہیں

اول تو قفس کا مرے در باز کہاں ہے (۵۹ ب)
اور ہو بھی تو یاں طاقت پرواز کہاں ہے
انجام ہے بد اس کا ، نہ ہر یک سے ملا کر
چہرے پہ ترے خط ابھی آغاز کہاں ہے

بادل سے برستے ہیں مرے دیدۂ تر روز
ساون کا سا گذرے ہے میاں مجھ پہ تو ہر روز
اغیار کی مجلس میں جو تم جاتے ہو شب کو
آ رہتی ہے اس بت کی ہم تک بھی خبر روز
اے غیرت خورشید یہ رو پوشی کہاں تک
برقع کو اٹھا ، میری شب تار کو کر روز

میں اپنی ہی کچھ زیست سے جیتا ہوں وگرنہ
بندھ رہتی ہے قاتل کی مرے خوں پہ کمر روز
اے مصحفی اس کوچے میں دل بس کہ لگا ہے
جاتے نہیں اور کرتے ہیں ہم عزم سفر روز

تری کو سے مر کر یہ بے جان نکلا
بھلا تیرے جی کا تو ارمان نکلا
میں اس آن کے کیوں نہ ہوجاؤں قرباں
کہ ٹک یاد کرتے ہی تو آن نکلا
کہاں کی بجانی گئے بھول مطرب
وہ زاھد پسر جب بھویں تان نکلا
جسے رات پکڑا! تھا عاشق سمجھ کر (۱۶۰ الف)
بڑی خیر گذری وہ دربان نکلا
جہاں شیخ جیو روز سجدہ کریں تھے
وہاں شیخ سدو کا اک تھان نکلا
ہوئے مصحفی خون کتنوں کے دم میں
وہ جب اپنے گھر سے چبا پان نکلا

بند بھی آنکھوں کو ذری کیجیے
چند پریشاں نظری کیجیے
دل کے عوض دیجیے بوسہ ہی ایک
خوب نہیں ، مفت بری کیجیے

یاد ہیں وے دن تجھ کو جب ہم تجھ سے محبت رکھتے تھے
کیسی کیسی کریں تھے باتیں کیا کیا صحبت رکھتے تھے

سایۂ گل بھی سر پہ ہمارے کرے ہے یارو اب تو گرانی
ناز چمن کے اٹھاتے تھے جب عشق کی طاقت رکھتے تھے
اوج میں آیا ایسی گھڑی گھر یار ہمارے ہائے نصیب
جس دم لب بھی ہلانے کی زنہار نہ فرصت رکھتے تھے
جن دنوں اپنے عشق میں تھی اے مصحفی آک گرمی و کشش
ہم کیا نہ خورشید جبیناں ہم سے خود الفت رکھتے تھے

یا نہ ہوتی تھی کبھو یک مژہ تر پانی میں
یا پڑے بہتے ہیں اب لخت جگر پانی میں
کیوں نہ اس رشک سے میں ڈوب مروں یارو وہ شوخ
جاتا ہے پیرنے کو شام و سحر پانی میں
(۶۰ ب) گریہ یاں تک میں کیا ہے کہ کھڑے ہیں احباب
کوئی تا زانو کوئی تا بہ کمر پانی میں
جھاڑے بال آن نے نہا کر تو گریں یوں بولدیں
تو کہے ٹوٹ پڑی سلک گہر پانی میں
گریہ عاشق تو نہیں مانع نظارۂ یار
سچ ہے ماہی کو سب آتا ہے نظر پانی میں
طرح مچھلی کی پڑا پیرے ہے یہ طفل سرشک
ہائے مطلق نہیں لگتا اسے ڈر پانی میں
بیچ دریا کے بھی ہوتی نہیں کم شورش دل
گرچہ رہتے ہیں پڑے دو دو پہر پانی میں

اس سوا اور ہزاروں ہیں تو کیا کام مجھے
اس کے بن دیکھے نہیں ایک دم آرام مجھے

سادگی دیکھ کہ بوسے کی طمع رکھتا ہوں
جن لبوں سے کہ میسر نہیں دشنام مجھے
میں نے کیا ان کا لیا ہے ، جو گلی کوچوں میں
مدعی ڈھونڈھتے ہیں صبح مجھے شام مجھے
اک ترے کوچے سے باہر نہ نکالے تا زیست
یوں جو چاہے سو کرے گردش ایام مجھے
مصحفی ہاتھ اٹھا اب بھی تعشق سے کہ یار
نظر آتا ہے بد اس کام کا انجام مجھے

رباعی

وہ شوخ ابھی تو مجھ سے رم کرتا ہے
جیوں چاہیے اختلاط کم کرتا ہے (۱۶۱ الف)
اتنا تو ستم نہیں نہ ملنا اس کا
غیروں سے ملے ہے یہ ستم کرتا ہے

---

(۱۴۰) بلیغ

قدرت اللہ بلیغ متوطن قصبۂ آلدن ، سابق غم تخلص می کرد ، حالا بلیغ اختیار نمودہ ، جوان قابل خوش تقریر ، ہر چند گردش فلکی باو مساعد نیست فاما چناں صاحب غیرت است کہ تا حال پیش کسے سر التجا فرود نیاوردہ ۔ صاحب دیوان فارسی ، گاہے یک دو غزل ریختہ ہم بتقریبے موزوں می کند ۔ بایں راقم الحروف بہ سبب نسبت ہمنامی اتحاد تمام دارد ، چند سال شد کہ بطرف کعبۃ اللہ رفتہ بود ، شنیدہ می شود کہ الحال بطرف نواح دکن استقامت دارد ۔

این چند اشعار بدستخط خود نوشته داده بود ، به تحریر می آید ـ ازوست :

جب هاتھ میں قاتل کے وہ خنجر نظر آیا
دعوت کو لبوں پر مرا لخت جگر آیا
دل تڑپے ہے بسمل کی طرح خود بہ خود اندر
حیراں ہوں میں اے غم کہ وہ قاتل کدھر آیا

کانوں میں کسی کے جو پڑا نام کسی کا
سنتے ھی کسی کے گیا آرام کسی کا

(۶۱ ب) کس صفائی سے مقابل ھو یہاں آئینہ
کہاں معنی تری صورت کے ، کہاں آئینہ
نہ وہ پیغام کو سنتے ہیں ، نہ خط پڑھتے ہیں
ہم سے لے جائیو اے نامہ بران آئینہ

بے دماغی سے تری دل کے تئیں ہے خطرہ
ورنہ کچھ کام نہیں چاک گریباں کرنا

دل کی کلفت چھپی نہیں رہتی
یعنی الفت چھپی نہیں رہتی
رنگ اڑتا ہے ، وضع کہتی ہے
غم کی حالت چھپی نہیں رہتی

کیا کہوں میں اے بلیغ اس دل کی نادانی کے تئیں
یار جانی جانتا ہے ، دشمن جانی کے تئیں

جب ذھن آیا ترا تصویر میں
مانی اور بہزاد نقطہ کر گئے

---

(۱۴۰) نیاز[1]

محمد صبیح عالم خان نیاز(۱۶۲ الف) تخلص، ازمفتیان بلدۂ سنبھل - جوان قابل ، نازک دماغ و نہایت خوش فکر . از بسکہ ذھن رسا و فکر بجا دارد سرتفاخر او برائے اصلاح سخن سوئے کسے فرو نمی آید ، و، چند ابیات او کہ بنظر رسیدہ بتحریر می آید - ازوست :

سے ھے زلف کا کس کی خیال آنکھوں میں
تمام شب یہ کھٹکتا ھے بال آنکھوں میں

نقاشوں میں اس ابرو کی تصویر کھنچی ھے
اب دیکھیو کوئی دم میں کہ شمشیر کھنچی ھے

گنجفے میں عشق کے مجھ سا نہیں کوئی جلد باز
اُن نے واں شمشیر کھینچی ، میں کہا سر لیجیے

روز کوچے میں ترے گالیاں کھا جاتا ہوں
ناز کا بھوکا ہوں اس واسطے آ جاتا ہوں (۱۶۲ب)

---

۱ . اصل متن ورق ۱۶۱ ب پر امان اللہ معمار متخلص بہ نثار کا مختصر ترجمہ اور انتخاب درج ھوا ھے لیکن اسی کا ترجمہ ورق ۱۶۹ - الف پر بھی موجود ھے ، یہاں غلطی سے درج ھوگیا ھے ھم نے اس موقع پر اسے حذف کر دیا ھے ، البتہ جو اشعار دونوں انتخابوں میں الگ الگ تھے انھیں ھم نے یک جا کر دیا ھے - (ملاحظہ ھو نمبر ۱۵۰)

یہ تو کچھ پیار ہی سے گالیاں دیتے ہو میاں
ورنہ غصے کی تو نظروں کو میں پا جاتا ہوں
ٹھہرتا کون ہے صاحب کی گلی میں یک دم
خیر دل دیجیے میرا میں اٹھا جاتا ہوں
واں تو پاؤں کے تئیں مہندی لگا بیٹھا ہے
خاک میں یاں ترے ہاتھوں سے مٹا جاتا ہوں
جی نیاز آپ کی ہے ، لیجیے لینا ہے اگر
زود رنجی سے تمھاری میں موا جاتا ہوں

شہید عشق یہ قاتل سے کہہ تمام ہوا
تمھارا نام ہوا اور ہمارا کام ہوا
سنا ہے میں کہ دم نزع کہہ موا محمود
جو بادشاہ ہوا ، عشق کا غلام ہوا
کہے تھا میں کہ شب غم تمام ہوگی کب
سو ہوتے صبح کے یاں کام ہی تمام ہوا
کبھی کبھی نظر آتا تھا خواب میں وہ نیاز
سو دل کے درد سے سونا ہی اب حرام ہوا

اک دن بھی بات چیت میں تم نے نہ شام کی
آوے جو دل میں آپ کے ، ہے بات کام کی
کعبے میں گر وہ بت ملے اللہ کی قسم
(۱۶۳ الف) تعظیم خوب سے کروں بیت الحرام کی
روزہ نماز کر دیا سب عشق کی نیاز
تسبیح رہ گئی ہے ، سو ہے تیرے نام کی

یہ اشک دل کے تلف ہونے کی خبر لایا
مثل ہے ، روتا گیا مرنے کی خبر لایا

ہر جا ہے گالیاں دو جو اب سنا سنا کر
ہم نے تمھیں پکارا چاھیں جتا جتا کر
تم نے رقیب کو کل اک پان جو دیا تھا
کرتا تھا کیا ہی باتیں کافر چبا چبا کر

جب بے کسی پر اپنی سینہ اٹھا سلگ کر
قاتل کی تیغ لو ہو روئی گلے سے لگ کر
کہتے تھے ختم ہم پر دانائی جہاں ہے
دل لے گئے نہ آخر لڑکے ہی ہم سے ٹھگ کر

جدھر مرے بانکے نے جس آن اٹھایا
گویا کہ مرے قتل پر آن پان اٹھایا[1]
تھی دور میں مجنوں کے کہاں اس کی یہ تعظیم
نالے نے مرے سر پہ بیابان اٹھایا

دیگر مثنویات وقصائد او بسیار است ، یک مطلع مثنوی او یاد است :

الٰہی دل دے اک آتش کا پارا
کہ ہو دوزخ کا وہ سلگانے ہارا

---

(۱۴۲) میر ضیف

احوالش مفصل معلوم من نیست ، یک فرد او بسمع رسیده ، (۹۳ ب)

---

۱ - پان اٹھانا : بیڑا اٹھانا

ہم مسلماں ہوئے مدت سے بتوں کو چھوڑا
تو بھی گردن سے مٹا نہیں خط زنار ہنوز

---

(۱۴۳) کبیر

حکیم محمد کبیر سنبھلی ، انصاری ، از اقربائے نواب امین الدولہ ، جوان قابل ، خوش اخلاق و در مروت و قبیلہ پروری و آشنا پرستی طاق ۔ یار صادق ، حکیم حاذق ، از مدتے در رفاقت نواب محمد یار خاں امیر کہ احوالش عنقریب خواھد آمد ، بودہ ذھن مستقیم و طبع سلیم دارد ۔ دیوان مختصر ریختہ ترتیب دادہ ، ایں چند ابیات او کہ بہم رسیدہ ، بہ تحریر می آرد ، ازوست :

واعظ کی باتوں سے میں ہوں گا گمراہ
استغفر اللہ ، استغفر اللہ
آتا ہے وہ بت کیا سج بنائے
اللہ اللہ ، اللہ اللہ
کہتا ہے قاصد خط اس کے آیا
الحمد للہ ، الحمد للہ

کر دیا بے پر و بالی نے پشیماں مجھ کو
اس رھائی سے وھی خوب تھا زنداں مجھ کو
وہ روھیلے کا پسر جب سے گیا آنکھ لڑا
تب سے نہیں سوجھتا جز نالہ و افغاں مجھ کو

بن پان چبائے ہوئے بن لال رہے ہیں
ہیں ہونٹھ ترے یا کوئی مرجان کے ٹکڑے

جب جامہ پہن بر میں تو انداز سے آوے
پھر میں نہ کروں کیوں کہ گریبان کے ٹکڑے

ترے دوانوں کے پیارے عجب ہیں زشت نصیب
ہوا نہ جن کو کبھی غیر سنگ و خشت نصیب
ڈراتا ہے مجھے دوزخ سے ہر گھڑی واعظ
خدا کرے کہیں جلدی اسے بہشت نصیب
تباہ کرتی ہے دنیا یہ تحبہ کس کے ساتھ
بھلا ہوا نہ ہوئی میرے یہ پلشت نصیب
مناقشہ ہے عبث شیخ و برہمن میں کبیر
کسی کے کعبہ، کسی کے ہوا کنشت نصیب

در ایامے کہ افواج افاغنہ درکوہ سری نگر محصور بود، گرانیٔ غلہ از بسکہ زیادہ شد مردماں اکثر روزہ ہم نداشتہ شاعر مسطور ایں رباعی موزوں گفتہ:

زاہد سے بہت عید کو ہم شرمائے
اس قحط میں رمضان مبارک آئے
ناچار جب اور کچھ میسر نہ ہوا
بھر پیٹ بہت سے ہم نے روزے کھائے

---

(۱۴۴) سجاد

متوطن قصبہ جھنجھانہ، جوانے ست قابل و لائق محفل، یارباش، خوس خلق، در علم تواریخ و فن موسیقی (۱۶۴ب) دست رس تمام دارد، برادر کلاں او حکیم ساجد، از مغتنمات روزگار است۔ ذہنش بسیار مناسب و طبعش درست۔ اکثر مرثیہ موزوں می کند،

گاهے یک دو فرد ریختہ بہ تقریبے بہم می رساند ، این چند ابیات دال بر موزونیت و جوش طبع اوست :

سووتا کیا ہے زلف منہ پہ رکھے
الہ میاں دونوں وقت ملتے ہیں

جو ہمارے سر پہ گذری منہ سے کہنا ہے عبث
تیغ سے قاتل کی جا پوچھو ہماری سرگذشت

در شدت سرما گفتہ :

اب تو کرتا ہے ہم کو دق جاڑا
باد سے ہو کے متفق جاڑا
یخ کی کوٹھی بندھی زمیں اوپر
مینھ کی باندھتا ہے چق جاڑا

مثنوی در ہجو کسے ہندو و تاریخ تولد پسر او بطریق تعمیہ خوب گفتہ و مضامین نادر تلاش نمودہ ، چند ابیات او بہ تحریر می آید :

ایک بیٹی . . . کے بیٹا نہ تھا[۱]
لیٹ آن نے . . کو جورو کی متھا
ناگہاں آمد بہ فرمان حمید
نطفۂ ناپاک در رحم پلید
نو مہینے بعد جب وہ گل کھلا
نیم شب کو جاگ اٹھی زن چلچلا

---

۱ ۔ فحش الفاظ کی جگہ جو نقطے لگا دیے گئے ہیں وہ تعداد میں اتنے ہی ہیں جتنے اس فحش لفظ کے حروف ۔

یہ خبر سن کر اٹھے دیوان جی (۱۶۵ الف)
یوں کہا دو بھمنوں کو دان جی
پوت کے ہوے سے وہ کم ذات نیچ
پھولتا تھا . . . جوں شہوت کے بیچ
پور کے دیدار کو چاھتا تھا دل
جا لگائی آلکھ . . کے متصل
پوت نے دیکھا جو بابا کا جال
ھاتھ دونوں باپ کی گردن میں ڈال
لے گیا وہ کھینچ اندر زور سے
گھر کے لوگوں کے گئے اڑ مور سے
. . . میں جب گھس گئے دیوان جی
رہ گئی چکرت بہن اور بھانجی
. . . میں یوں لے گیا بابا کو پوت
جس طرح مکھی کو لے جا عنکبوت
جا پھنسے دیوان در قید گراں
ہم چو کیکاؤس در مازندراں
یوں کہا تب جی سے ہو کرنا امید
پوت نہیں یارو یہ ہے دیو سفید
پھر تو آخر دب گیا وہ پوت سے
بھاگنے کو سر نکالا . . . سے
یہ ذرا چوڑے تھے . . . . . . تھا تنگ
اڑ گئے سوڑھے ھوئی اس میں درنگ
اس طرف بیٹا کرے تھا مار مار
یہ ادھر تھے بھاگنے پر بے قرار

استری پیچھے تھی اور آگے تھے ناتھ
(۱۶۵ ب) کھوپڑی گھستی ھے جوں کچھوے کے ھاتھ
یوں لگیں دیوان در .... ھال
جوں چلے گینڈے کا بچہ سر نکال

در تاریخ تولد اوسی گوید :

پوچھی تاریخ اس کی جب سنسار سے
سب کہیں : نکلا ھے پلا غار سے

دیگر تاریخ تولد کسے پسر اغنیاے حال گفته :

منہ نہ میٹھا کیا گندوڑے سے
ایک بیٹا ھوا تو ...... سے

در هجو کسے دایه که لقب او دیدی بود گفته :

دیدی سے میں کہا کہ ذرا سی تو مجھ کو دے
لیکن حرامزادی ھے دی دی ....

دیگر اشعار بسیار دارد از نوادرات روزگار خود است :

(۱۴۵) پروانه

پروانه علی مراد آبادی متخلص به پروانه ، مردے ست دیوانه جوانے ست مردانه ، مزاج آزادانه ، مشرب رندانه ، ذهنش مناسب و موزون شاعرانه ، شعررا بآواز بلند می خوالد ـ شاگرد مراد علی حیرت، حالا از محمد قائم مرقوم اصلاح می گرفت ، دریں ایام جوش جنون بر خاطرش طاری ست ، ازوست :

کیوں میاں پروانہ ھوئے جل کے ڈھیر
پھر بھی کسی شعلے کو اب چاھیے

کیوں کے پیغام مجھے اس کا زبانی آوے
نام سنتے ھی مرا حس کو گرانی آوے (۱۶۶ الف)
جھوٹ کہتا ہے تو واعد یہ زبانی پیغام
مجھ کو باور نہیں جب تک کہ نشانی آوے

---

(۱۴۹) شہید

شہید بلگرامی طبع موزون و درست داشت . دیگر بر حسب و نسب و حالش اطلاعم نیست . دو فرد او بسمع رسیدہ ازوست :

پھر بن نہ سکے گا کبھی ، زنہار نہ ٹوٹے
ساقی یہ مرا دل ہے ، خبردار نہ ٹوٹے
قاتل تو شہید اپنے کے پھر زخم لگادیا
دم لے کہ ترا خنجر خوں خوار نہ ٹوٹے

---

(۱۴۷) حسن

سید حسن علی حسن ساکن شاہ جہان آباد ، مرد قابل و شجاع تیر انداز ، خوش نویس ، دستکار ، صاحب غیرت . و درفن بانک و پٹہ نیزہ‌مہارت داشت ، اگرچہ بہ سبب عدم مساعدت روزگار درکوے پریشانی سر گراں بود فاما تا بمرگ پیش کسے سر التجا فرو نیاوردہ ، چند سال شد کہ در گذشت ، حق تعالیٰ مغفرتش کند ، طبع موزون داشت ، چند اشعار او یاد است ۔ ازوست :

ناز آئینے پر اتنا تو سکندر مت کر
کیا تماشا ھو جو سینے سے دل آوے باھر
غرق ھو موج تبسم سے بہ گرداب ذقن
کشتی دل کو اگر زلف نہ ھووے لنگر (۱۶۶ ب)

یہ تو تم جانو بجلی کو سکھائیں کن نے اچپلیاں
ہمارے دل سیتی تعلیم لے سیکھی ہیں بے کلیاں

---

(۳۸) مجذوب

غلام حیدر مجذوب تخلص ، جوانے ست وجیہہ و خوبصورت ، متوطن دھلی، منظورالنظر و تربیت کردۂ مرزا رفیع السودا، ازعقلی بطریق فرزندی خود او را پرورش دادہ ، اکنون ازفیض صحبت اوسخنش بمرتبہ رسیدہ ۔ چند ابیات متفرقہ او بہم رسیدہ ۔ ازوست :

چمن میں حسن کی سے جب وہ گل الدام لے آیا
ادھر غنچہ صراحی اور ادھر گل جام لیے آیا
طپش سے مہر کی جب جل گئی اک خلق کوچے میں
مہ نو وقت شام اس کو بہ پشت بام لے آیا
عجب قیمت ہے اپنے دل کی بازار محبت میں
جو کوئی صبح اس کو لے گیا تو شام لے آیا
گئے تھے ہم تری کو سے ارادہ کر نہ آنے کا
گریباں کھینچ کر لیکن وفا کا نام لیے آیا
میں کافر ہوؤں گا مجذوب اب کی شیخ کی ضد سے
بتوں کے پاس سے قاصد اگر پیغام لیے آیا

کب کسی دل سوختہ سے ساز کرتی ہے حنا
ان دنوں ہاتھوں پہ تیرے ناز کرتی ہے حنا
قتل کر مجذوب کو تونے چھپایا گو صنم
برملا عالم میں اب یہ راز کرتی ہے حنا

جور و جفا یہ یار کی دل مت پکار کر (کذا)
اپنی طرف سے ہووے جہاں تک نباہ کر
نام و نشاں رہا نہ جہاں میں تو کیا ہوا
مثل نگیں تو منہ کو نہ اپنے سیاہ کر

اعجاز جو تجھ لب کے کرے گوش فلک پر
عیسیٰ کے رہیں سن کے نہ پھر ہوش فلک پر
پھرتا تجھے خورشید جو دیکھے بہ لب نام
گردش کو کرے اپنی فراموش فلک پر

قاصد جو بتاتا ہے تو محبوب کی باتیں
باور نہیں آتی ہیں اس اسلوب کی باتیں
تجھ عشق میں رسوا میں ہوا یار جہاں میں
کیا کیا نہ سنیں ہم نے بد و خوب کی باتیں
تجھ کو سے کوئی جائے کہاں اٹھ کے پیارے
باور تو بھلی کرتا ہے مجذوب کی باتیں

نتاں ، قربانیِ عشاق کی تمہید کرتے ہیں
اگا مہندی کو ہاتوں میں یہ ظالم عید کرتے ہیں
طبیعت اس قدر بادی انھوں کی ہے کہ جب دیکھو
وضو کی شیخ جی بیٹھے ہوئے تجدید کرتے ہیں

بد کہنے کو کسی کے معیوب جانتے ہیں
اپنے تئیں کو یارو ہم خوب جانتے ہیں (۱۶۷ ب)

قاصد هزار ڈھب سے باتیں بناوے یارو
هم تو زباں کا اس کی اسلوب جانتے هیں
خاطرمیں کون لاوے میرا سخن کہ مجھ کو
سودا کا سن کے بیٹا مجذوب جانتے هیں

عداوت سے تمھاری کچھ اگر هووے تو میں جانوں
بھلا تم زهر دے دیکھو، اثر هووے تو میں جانوں
تمھارا هم سے جو وعدہ وفا هے اس کو تم جانو
مرے پیماں میں کچھ نوع دگر هووے تو میں جانوں
نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شب هے وصل کی تھوڑی
تم اپنی زلف کو کھولو، سحر هووے تو میں جانوں

آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا هو
بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا هو
مجذوب ترے عجز و تکبر سے هوں نالاں
بندہ هو کبھی بیٹھے هے تو گاہ خدا هو

لوگے خبر جو دل کو گرفتار کر چلے
یا دام هی میں صید کو مردار کر چلے
جیونے کے مارنے کا نہ گذرا کبھی خیال
اتنا هی هم جہان سے من مار کر چلے (کذا)

همارے قتل کے مکرنے سے حاصل، خلق جانے هے
کہ تیری تیغ کس کے خون میں ظالم نہیں ڈوبی (۶۵ الف)

کیا ہے قتل تیغ یاس نے شاید تمنا کو
نہ آتے ہی لہو میں آج تہ آتشیں ڈوبی

کچھ سنا مجذوب تو نے بھی کہ وقت کوچ حسن
ہونٹھ مل کر فوج خط نے یار سے تن خواہ لی

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لیے
میں بھی تو یار تم ہیں دو چار کے لیے
باغ جہاں میں آنے سے ہے گل کو کیا غرض
جز یہ کہ تیرے گوشۂ دستار کے لیے
طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لیے

اناالحق کہنے کی منصور کو تقریر پیش آئی
جب ان نے آپ میں دیکھا تری تصویر پیش آئی
نہ تنہا کوہ کن تجھ عشق میں مارے ہے سر اپنا
گیا ہے قیس صحرا کو ، ہمیں زنجیر پیش آئی

پونچھے نہ کبھی اشک وہ مغرور کسی کے
پڑ جائیں اگر چشم میں ناسور کسی کے
آنکھوں سے جو نزدیک ہو کتنا ہی تو پھر کیا
جس روز پڑا دل سے کوئی دور کسی کے

ہیں پر خاکستری قمری کے اور سیلی ہے گردن میں
لہو چھوڑا ہے کیا ان گھر گئی نے فرق جوگن میں

رباعی

(۱۶۸ ب) افسوس کہوں کس سے میں اپنی کھٹکی
قالب سے پھرے ہے روح بھٹکی بھٹکی
ان آنکھوں نے چن جی سا کھویا مجذوب
یہ خانہ خراب جس سے اٹکی اٹکی

---

(۱۴۹) اویسی

غلام محی الدین اویسی متوطن سرھند ، از مریدان خاندان سبد حسن رسول نما ، مردے ست فاضل درویش سیرت ، مہذب صورت صاحب نسبت کامل ، خوش نویس، انشا پرداز قابل ، صاحب طبع رسا و فکر اشعار فارسی و عربی و ھندی او از نظر ابن احقر گذشتہ ، فہم سلیم و ذھن مستقیم دارد ۔ حالا در تصنیف تفسیر قرآن شریف در نظم اشتغال دارد وبسیار نکات عجیب و غریب درو بکارمی برد این چند ابیات او کہ بسمع رسیدہ بہ تحریر می آید ۔ ازوست :

لائق نہ رہے ہم تو کہیں سیر و سفر کے
جوں نقش قدم چلہ نشیں ہیں ترے در کے
ہم اپنے تخیل میں نہیں آپ کو پاتے
جس دن سے ہوئے محو میاں تیری کمر کے
شنگرف سے لکھا ہے میں احوال بہ مکتوب
یعنی کہ معانی ھیں مرے خون جگر کے
لے جائیو نو خط کی طرف اس کو شتابی
(۱۶۹ ب) قرباں ہوں کبوتر میں ترے بال اور پر کے
ٹک جلد خبر لیجیو بچتا ہے یہ بیمار
پھر فائدہ کیا جب کہ ملا خاک میں مر کے

اس قدر جی ترے حوروں سے صنم رکتا ہے
کہ مرے نام سے شمشیر کا دم رکتا ہے
کس طرح چھوڑ سکوں تیری گلی کو جاناں
سر اگر جاوے تو جاوے یہ قدم رکتا ہے

کیا کہوں کیسے کٹی ہجر کے حالات میں رات
روز محشر ہے مجھے تیرے خیالات میں رات
ساقیا موت ہے تجھ بن مجھے پینا بادہ
سکر دیا معنی گذر جاتی ہے سکرات میں رات
ذکر و شغل اب تو اویسی کا یہی ٹھہرا
کچھ کٹے رونے میں کچھ تیری حکایات میں رات

دل کی چوری پہ ترا خال ہے کالا کالا
لے گیا وہ درا لیکن اسے بالا بالا
یک طرف تھی نگہ خشم چبھی دل میں مرے
دوسرے ہر مژہ کرتی اٹھی بھالا بھالا

اس آفتاب سے چہرے پہ زلف ہے کالی
پناہ سوختگاں مد ظلہ العالی
میں روز عید بھی قرباں کیا نہ میرا دل
ہزار حیف یہ ذی حجہ بھی یوں گیا خالی[1]

---

[1] عوام اورخصوصاً عورتوں کی زبان میں ذی قعدہ کے مہینے کو 'خالی' کہا جاتا ہے ، کیوں کہ یہ دو عیدوں کے درمیان کا خالی مہینا ہے ، یہاں شاعر نے اسی رعایت سے ایہام رکھا ہے ۔

(۱۵۰) نثار

امان‌الله معمار[1] متخلص به نثار، متوطن دهلی، ازشاگردان(۹۶۱ ب) حاتم مسطور ، طبع رسا و فہم بجا دارد ، دیوان ضخیم ترتیب داده ، این چند ابیات ازاں انتخاب[2] نموده شد ، به تحریر می آید ـ ازوست :

کیا جامۂ پھلکاری اس گل کی پھبن کا تھا
جو تختۂ داماں تھا تختہ وہ چمن کا تھا
[2]ہم آگے ہی جانے تھے تم گھرکو سدھارو گے
جس وقت گجر باجا ماتھا ووھیں ٹھنکا تھا

نکلے ہے ڈرتے ڈرتے منہ سے کلام آدھا
پیغام بر کہے ہے اس سے پیام آدھا
صاحب سلامت ان کی ہے منہ‌پہ ھاتھ رکھنا
ایجاد ہے بتاں کا سب سے سلام آدھا
دریا میں یوں کمر تک دیکھا نثار اس کو
خورشید چھپ گیا ہو جوں وقت شام آدھا

یہ آنکھیں اس کی‌آنکھوں‌پر، دل اس کےگال‌پر ریجھا
جو اٹکی جان زلفوں سے تو پھر جی خال پر ریجھا
ھمارا نقد دل زلفوں میں لے کر اینٹھ رکھتا ہے
بھلا کیا طرح ہے یہ کیوں پرائے مال پر ریجھا

---

۱ ـ ملاحظہ ہو نمبر ۱۳۱ کا حاشیہ ،
۲ ـ جن اشعار پر نشان × دیا ہوا ہے وہ اس انتخاب میں شامل نہیں جو پہلے ہوا ہے اور جسے ہم نے اس متن میں ضم کر دیا ہے ـ

مصرعہ جاگتا تھا تو پلنگ پر رات کو لیٹا
ووھیں پھر موند لیں آنکھیں تری اس لال پر ریجھا

بتاں کا خال مشکیں ، دل اڑائے بن نہیں رھتا
یہ کالا چور ھے اس کو چرائے بن نہیں رھتا (۱۷۰ الف)
ھمارا کھوج کھونے کے نثار ایسا وہ درپے ھے
اگر نقش قدم دیکھے ، مٹائے بن نہیں رھتا

دل پر خیال زلف ستمگار کی نشست
یوں ھے کہ جیسے گنج پہ ھو مار کی نشست
رستا تمام بند کھڑا ھے نظر تو کر
لائی ھے کیا غضب تری بازار کی نشست

تم رات کو بھی آئے نہ اپنے قرار پر
یہ ظلم تم نے کیا کیا اس بے قرار پر
جاتا ھے ساتھ آہ سے یوں جی چلا مرا
جوں عنکبوت جائے چلی اپنے تار پر
ھے چرخ پر ھلال اس ابرو کے آگے یوں
بے نور جیسے چاند ملمع کا ڈھال پر
مو باف سرخ جعد میں اس کی نہ جانیو
ثابت ھے آج خون مرا بال بال پر

یار میرے نے مجھے زھر دیا کھانے میں
آہ پتھر پڑیں اس وقت کے یارانے میں

شانہ کس روز چھڑاوے گا دل اس کاکل سے
شانے میں دیکھیو احوال مرا شانے میں
آ کے اس بزم میں یہ خانہ خرابی کیا کی
(۷۰ ب) گھر کے گھر بیٹھ گئے اک ترے اٹھ جانے میں

دل تجھے دے کے جو ظالم گالیاں کھاتا ہوں میں
کیا کروں شکوہ ترا اپنا کیا پاتا ہوں میں
اب تو یوں ٹھانی ہے دل میں یہ بھی اک جو کھوں سی ہے
ہو سو ہوجا ، اس کے در کی چول آ کساتا ہوں میں

سو کوس ترے سامنے سے بھی دور رہوں ہوں
جوں دزد حنا کب میں ترے ہاتھ لگوں ہوں
لیتے ہوئے بوسے کے ، ادا لگتی ہے پیاری
منہ پھیر کے وہ شوخ جو کہتا ہے کہ ہوں ہوں
مت جا تو نثار ، اس سے ملاقات نہ ہوگی
ہوتی ہے تبھی چھینک جبھی گھر سے چلوں ہوں

کیا خط لکھوں میں اس کو جو کوئی خط لکھے ہے
آخر کو ہاتھ اس کے دیکھا قلم ہوئے ہیں

اس سنگ دل سے ہوتی نہیں راہ کیا کروں
پتھر میں لیس دھنستی نہیں آہ کیا کروں

مژگاں پر اشک ہو ، تو ہو زیبا مکان چشم
جھالر گھر کی چاہیے اس سایہ بان کو

ہر سر کاوش جو دیکھی اس کی چنون رات کو
اٹھ گیا آگے ھی میں، کر اس سے ان بن رات نو
اس کی مژگاں کی جھپک نے دل سے کاوش کیا رکھی (۱۷۱ الف)
واہ کیا اڑتی رھی یہ کالی پلٹن رات کو
کل لیے کل گبر میں یوں شمع کے فراش نے
چٹکیوں میں اڑ گیا گوری کا جوبن رات کو

چل کے اپنے گھر سے تم کیوں آے آنے رہ گئے
ہم تمھارے منتظر فالیں دکھاتے رہ گئے
اٹھ گیا دامن جھٹک کر بزم مشتاقاں سے وہ
شمع ساں ہم دل جلے آنسو بہاتے رہ گئے
ہو گیا اخلاص مجھ سے اس کو اب تو اے نثار
سورۂ اخلاص سب پڑھتے پڑھاتے رہ گئے

کینہ جو ترے دل میں بھرا ھے سو کدھر جاے
ممکن ھے کہیں سنگ کے پہلو سے شرر جاے
قاصد مرے مرنے کی خبر اس سے نہ کہنا
کیا جانیے کیا سن کے دل اس کے پہ گذر جاے
تڑپوں ہوں، تماشے کو مرے ھٹ کے کھڑا ھو
چھینٹوں سے لہو کے تری پوشاک نہ بھر جاے
اس ریش خضابی کو نہ کر تیل سے چکنا
اے شیخ کہیں رات کو چوھا نہ کتر جاے

بن دیکھے آسے کل نہ پڑے چاہ سو ایسی
تاثیر کے نزدیک نہیں، آہ سو ایسی

(۱۷۱ ب) اس گل کی خبر ٹھیک ہمیں لا نہیں دیتی
اک باد صبا ہے جو ہوا خواہ سو ایسی

جوں اُن نے پکارا مجھے اور میں نے کہا : جی
بولا وہ کہ اب تک نہیں نکلا ہے ترا جی
کیا پوچھتے ہو تم مرے احوال کو یارو
جو مجھ پہ گذرتی ہے سو میں جانوں مرا جی

عشق میں ترے ظالم ، ضعف و ناتوانی ہے
شب سے بھی سیہ میرا روز زندگانی ہے
تیغ ہاتھ میں کھینچے ، بند پیرہن کھولے
مست ناز پھرنا ہے ، عالم جوانی ہے

مگر ہنسی تری گلشن میں یاد آتی ہے
کلی کلی جو اب ہونٹوں میں مسکراتی ہے

خواب میں جب تری صورت نظر آجاتی ہے
آفت تازہ مری جان پر آجاتی ہے
دیکھیے خط کے بھی آئے یہ رہے ہے صورت
صبح و شام آپ کی شیخی نظر آجاتی ہے

طاقت مقابلے کی ترے کس بشر میں ہے
تلوار تیری اب تو لٹکتی ادھر میں ہے
دیکھا جو مجھ کو آنکھ لڑاتے کہیں نثار
کہنے لگا وہ شوخ : بھلا بے ، نظر میں ہے!

گتی ہے بگڑ اس بت بے وفا سے
مجھے اس گھڑی بن رہی ہے خدا سے (۱۷۲ الف)

تیغ نگہ نے کشتوں کے پشتے لگا دیے
ایسی چلی کہ خون کے نالے بہا دیے
کیوں دشمنوں کے گھر میں نہ گھی کے دیے جلیں
دل ایسے دوستوں کے جو تو نے جلا دیے

دل میں خیال زلف ستمگار بند ہے
کس نے فسوں کیا ہے جو یہ مار بند ہے
فریاد کو گئے ہیں سبھی تیرے ہاتھ سے
گھر سے نکل کے دیکھ کہ بازار بند ہے
ہر پیچ میں لپیٹے ہے عاشق کے دل کو تو
تجھ سا بھی کوئی جہان میں دستار بند ہے

بلا سے تیری اے کافر جو میری جان نکلے ہے
مبارک ہو تجھے ، دل کا ترے ارمان نکلے ہے
دھن کو دیکھ کر غنچے چمن میں سر جھکاتے ہیں
ترے عارض کے آگے گل پکڑتے کان نکلے ہے
تری مجلس میں ظالم شمع اس جلوے سے آتی ہے
ستی ہونے کے تئیں جیسے کوئی باشان نکلے ہے

تیغ ابرو کو جو آنکھوں کا اشارا ہوجائے
آپ کا نام ہو اور کام ہمارا ہوجائے

ریش زاھد سے بناوے جو کبھو بل مکڑی
شوخ تکل" آری اس باؤ میں تارا ھوجاے

+ (۲ے ا ب) بیٹھا تھا خفا مجھ سے کب آکے لپٹتا تھا
احسان کیا مجھ پر بجلی کے کڑکنے نے

+ جلوہ وہ دکھایا ہے، جوں ابر سے مہ نکلے
اودی ترے جامے کی چولی کے مسکنے نے

+ دو یارمل کےھوں جونہ آپس میں ھم کلام
گویا کہ ایک سل ھے دھری سل کے متصل

+ صف مژگاں سے اشک بڑھ نکلا
مقتدی تھا ، سو اب امام ھوا

مقالۂ دوم

در ذکر بعضی سلاطین روزگار و وزرای نامدار و آمرای والا تبار و بعضی منصبداران سرکار فیض آثار ، و مصاحبان شاھزادۂ عالی مقدار ۔

(۱۵۱) آفتاب

ظل سبحانی ، خلیفۂ الرحمانی ، خلائق پناہ ، شاہ عالم بادشاہ عرف عالی گہر ، مرجع خلائق مآب (کذا) متخلص بہ آفتاب فضائل او اظہر من الشمس است ، گاہ گاہے در سال و ماہے ، بہ حسب قابلیت و

صفائی ذهن متوجه این فن بوده ، یک دو غزل فارسی و هندی موزون می فرماید، بادشاه کریم و حلیم و خوش نفس است۔ این چند ابیات او بسمع رسیده ، اروست :

تصور ترا جس کو اسے بار ہوگا
اسے شیر سے کیا سروکار ہوگا
مرا لخت دل اشک میں ڈھونڈھنا چشم
اسی قافلے میں وہ سالار ہوگا
دیا دل تو ہے آفتاب اس کو لیکن
خدا جانے کیا عاقبت کار ہوگا

صبح تو جام سے گذرتی ہے (۱۷۳ الف)
شب دلآرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گذرتی ہے

اشعار فارسی خوب می‌گوید چنان‌چه این مطلع دال برخوش‌تلاشی اوست :

بخت گر یاور شود امداد کس درکار نیست
می کند تسخیر هفت اقلیم تنها آفتاب

(۱۵۲) جهاندار

مرزا جوان بخت جهاندار شاه ، صاحبزادهٔ عالمیان ، خلف الصدق خلائق پناه شاه عالم بادشاه موصوف است ، جوانے بود مجمع قابلیت و اهلیت منبع سخاوت و شجاعت ، مخزن مروت ، معدن فتوت جامع جمیع اوصاف سلطانی ، قدردان کمالات انسانی ، خصوصاً دریاے حلم و شجاعت ، کوهے بود مستحکم ، چنان‌چه بعضے اعزا که

از مصاحبان آن والا جاه بودند نقل می کردند که وقتے که از قلعه شاه جہان آباد بسبب خفگی از پدر بزرگوار ، دمند انداخته بیرون آمده و بکوچ متواتر در لکھنئو رسید ، روزے با جمعیت بسیار برائے شکار رفته بود ، که ناگاه در صحرا ، فیل صحرائی برآن شہزاده جوان بخت حمله کرده خواست که در خرطوم گرفته (۳۷۱ ب) از جا برد که ناگاه آن رستم دستان حمله دلاورانه نموده شمشیرے بر مسکـ فیل زد و از زخم تفنگ آن را ہلاکـ ساخت که باعث تعجب وزیر وغیره نظارگیان شد ۔ بسیار عالی حوصله و اولوالعزم بود در اندکـ مدت قریب پنجاه هزار جمعیت سوار و پیاده بهم رسانیده بود و داعیۂ سلطنت هندوستان در سر داشت ، فاما اجلش مہلت نداد ، تقدیر بنوع دگر مقدر بود ، دفعتهً در بلدۂ بنارس از مرگـ مفاجات درگذشت ۔ اللہم اغفره ۔ جدت ذهن و جودت طبع و فہم رسا و فکر بجا داشت و اشعار فارسی و هندی هر دو را موزون می ساخت ۔ این چند ابیات دال برخوش گفتگوئی اوست ۔ ازوست :

کب وہ کرتا ہے مری اور ، جفا کیش نگاہ
میں تو ہر چند پکارا ہی کیا پیش نگاہ

زلف آشفته[1] جو یہ رخ پہ صنم رکھتے ہیں
روز اور شب کو بہ اغاز بہم رکھتے ہیں

کیا کیا بلائیں لائیں گی کس کس کی جان پر
زلفیں یہ اس طرح سے پڑی تیرے کان پر

---

۱ ـ اصل : آغشته

چھوڑا ملاپ یار کا اغیار کے لیے (۴۷۱ الف)
ترک شمیم گل ، میں کیا خار کے لیے
میرا دل فگار ہی کچھ گل سے کم نہیں
منظور ہو جو گوشۂ دستار کے لیے
جز جیب و آستیں نہیں مونس جہاں میں کوئی
دیکھا تو اپنے دیدۂ خوں بار کے لیے
اس زلف عقدہ گیر کا یک تار اے صنم
بس ہے جہاں کے سبحہ و زنار کے لیے
اس بت کا وصل غیروں کی قسمت میں تھا نصیب
تھا ہجر آہ ایک جہاں دار کے لیے

نرگس کے انتظار میں یہ بے اجل گیا
آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور جی نکل گیا
گویند کہ ایں غزل در دم واپسیں گفتہ ۔ واللہ اعلم ۔

(۱۵۳) احسن

مرزا احسن بخت خلف رشید مالک تاج و تخت ، جوانے ست اولوالعزم ، صاحب حوصلہ و خوش سلیقہ ، مجمع شجاعت و مردے منبع سخاوت و فتوت ، از چندے بہ سبب افراط تفریط روزگار و درہمی و عدم مساعدت زمانہ ناہنجار بسبب غیرت ذاتی کہ لازمۂ سلاطین کامگار و شہزادہ ہاے والا اقتدار است از قلعہ شاہ جہاں آباد برآمدہ عازم ملک‌گیری و شمشیرزنی گشتہ ۔ چندے در ضلع جے‌نگر و چتوڑ (۴۷۱ ب) اقامت نمودہ ، حالا عازم کابل گشتہ ، تا باعانت افواج شاہ تیمور باز ملک موروثی آمدہ مسلط شود آں ناصر مطلق و معین برحق مظفر و منصور باز گردانیدہ بہ مقاصد دلی بوجوہ

احسن رسالاد ، تا خلق اللہ در سایۂ عدل و داد او آرام یابد ۔ چوں از راہ قابلیت ذاتی برائے تفنن طبع گاھے متوجہ فن شعر می شود و بعد سالے و ماھے غزل فارسی و هندی بهم می رسالد ، این چند ابیات آن احسن بخت کہ بزبانئ بعضے مقربان و منصب داران او بسمع رسید، ، بہ تحریر می آید، اگرچہ نو مشق است فاما ذهن صائب و فکر مناسب دارد ، اروست :

مجھ سے وحشی کی اگر تصویر کھینچا چاھیے
اے مصوّر صورت دل‌گیر کھینچا چاھیے
اس کماں ابرو سے بیٹھا مل کے گوشے میں رقیب
آہ یہ پہلو سے میرے تیر کھینچا چاھیے
سب یہ کہتے ھیں کہ اس سودا زدہ کے پاؤں میں
مست ھاتھی کی طرح زنجیر کھینچا چاھیے

بوسہ میں اب کی لوں گا ، کہا کر نہیں نہیں
مانوں گا میں نہیں ، تو پڑا کر نہیں نہیں
ساقی قسم ھے تجھ کو کہ دینے میں جام کے
(۱۷۵ الف) سب پر نہیں ھوا کرے ھم پر نہیں نہیں
پرواہ کچھ نہیں ھے ھمیں گھر کی دوستو
کوچہ سلامت اس کا رھے گھر نہیں نہیں
احسن کو دیکھ اب کی چھٹتا ھے کس طرح
کیسی نہیں نہیں کیوں کر نہیں نہیں

فرقت میں اس کی یارب کھینچیں ھم آہ کب تک
آنکھیں تو تھک گئی ھیں دیکھیں گے راہ کب تک

دو چار دن تو ہم نے لیت و لعل میں کاٹے
آخر کو اس طرح سے ہوگا نباہ کب تک
گھر سے نکل کے باہر اپنے ذرا تو آؤ
در پر کھڑا رہے گا یہ بے گناہ کب تک
دن رات میں ہزاروں کرتے ہو برخلاف
احسن تمہارا پیارے بخشے گناہ کب تک

یاد ہے گل عذار کی صورت
گل ہے نظروں میں خار کی صورت
کیا قیامت ہے اس کی نوک مژہ
خنجر آب‌دار کی صورت

جب گذر جی میں یار جاتا ہے
دل سے صبر و قرار جاتا ہے
تیغ ابرو سے وہ مرا قاتل
ایک عالم کو مار جاتا ہے
یاد میں تیرے زلف و رخ کی سدا
مجھ کو لیل و نہار جاتا ہے

دوستو گرچہ غم نہ کھانے دو
لیکن آنسو تو ٹک بہانے دو
زندگانی نہ ہوگی بن دیکھے
مجھ کو کوچے میں اس کے جانے دو
اے رقیبو، خدا سے ڈر کے ذرا
یار کو میرے پاس آنے دو

ہاتھ مت پکڑو کوئی قاتل کا
اس کو تلوار تم لگانے دو
منع مت کیجو میرے اشکوں کو
گھر رقیبوں کے سب ڈوبانے دو
اپنے معشوق سے ملو احسن
پڑے لوگوں کو غل مچانے دو

اپنا وہ رقیبوں سے چھڑا ہاتھ یکایک
آ نکلا مرا یار مری رات یکایک
ہاتھ اس کی، خبردار، نہ زلفوں سے لگانا
ناگن ہے پلٹ کاٹے گی بد ذات یکایک

---

(۱۵۴) سلیمان

مرزا سلیمان شکوہ خلف رشید عالم پناہ، شاہ‌عالم بادشاہ، جوانیست صاحب حوصلہ و خوش سلیقہ، کوہ تمکنت و سخاوت و بردباری، معدن حلم و مروت و شجاعت و دین داری، مخزن قابلیت و حلم، معدن السانیت و علم - از مدتے بہ سبب افراط و تفریط روزگار ناهنجار (۱۷۶ الف) کہ باکس مساعد نیست از قلعۂ دهلی برآمده در لکھنئو اقامت ورزیده اوقات در گوشه گیری می گذارد و منتظر بوقلمونیٔ روزگار و انتظار مساعدت وقت می نماید کہ تاچہ از پردۂ خفا بہ ظهور آید - از بسکہ جودت طبع و جدت ذهن بسیار دارد از راه قابلیت ذاتی گاہے متوجہ فن شعر می شود و غزل فارسی و هندی بهم می رساند و اکثر در خدمت او مشاعرۂ شعرا می شود - این چند ابیات کہ بہ تحریر می آید از فیض سخن اوست :

یار کے غم میں کچھ نہیں فکر ہمیں معاش سے
آمد خوں ہے دم بہ دم سینے کی ہر خراش سے
جیسی ہے خوش تراش چھب، نام خدا ، تری صنم
ایسی نہ شکل بن سکے آزر بت تراش سے
کس کی نگہ کی تیغ کا کشتہ ہوں میں کہ بعد مرگ
تا لب گور جوے خوں جاری ہے میری لاش سے
کس سے سلیماں پوچھیے اس کے مکاں کا پتا
واقف حال کب کوئی اس کی ہے بود و باش سے

وفور اشک سے کیوں کر ہو اپنی چشم تر خالی (۷۶ ب)
جو دریا جوش سے بہتا ہے سو ہوتا ہے کم خالی
بہ رنگ نے دل پر داغ میں سوراخ ہونے دو
صداے درد سے بھر یک جہاں چھوڑیں نہ ہم خالی
بھرا آتا ہے دل ، جب دیکھتے ہیں شکل سائل کی
نہیں ہوتا ہے ظرف ہمت اہل کرم خالی
سلیماں اس پری کی ہم ہیں تیغ ناز سے گھائل
کہ جس کا لطف پنہاں سے نہیں جور و ستم خالی

ہجر میں کہتے ہیں سن نالہ مرے ہمسائے
کوئی روتا ہے دل آزردہ عجب درد کے ساتھ
سیر گل تم کرو ، آئینے میں ہم دیکھتے ہیں
زعفراں زار کی سیر اپنے رخ زرد کے ساتھ
نہ اٹھا لولیٔ دنیا کی طرف پردۂ چشم
دوستی بنتی نہیں فاحشہ بے پرد کے ساتھ

تیرے لبوں کا ساقی جو ہے مریض پیاسا
ہے لفع جام سے سے اس کو گلاب کا سا
ڈوبے اور اچھلے کیا کیا اس بحر عشق میں ہم
پایا نہ حیف اپنا اک صورت آشنا سا
اقلیم دل کا اپنے افسوس اے عزیزاں
یغمائے عشق میں سب جاتا رہا اساسا¹
(۱۷۷الف)تاج شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیماں
تیمور کا تو پوتا ، عباس کا نواسا

جوں ہی وہ غیرت پری اٹھ گیا میرے پاس سے
ہمدم من وہیں میرے اڑ گئے کچھ حواس سے
کپڑے کیے ہیں گیروے بہتوں نے ہو فقیر آج
کتنے ہوئے لہو میں لال ، سرخ ترے لباس سے
میرے سخن کی قدر کو ، جانے سلیماں وہ کوئی
جو اسے دیکھے غور کر ، چشم گہر شناس سے

---

(۱۵۵) قمر

مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ متخلص بہ قمر ، خلف ظل اللہ شاہ عالم بادشاہ ، برادر خورد مرزا جوان بخت موصوف بودہ ، جوانے بود وجیہہ ، مجمع قابلیت و ہنر ، عالی حوصلہ و خوش سلیقہ ، قدردان انسان کامل ، بسیار قابل و خوش تلاش و خوش فکر بودہ فامّا اجلش مہلت نداد ، ایں چند ابیات او کہ بسمع فقیر رسیدہ

---

۱ - کذا فی الاصل ، (مراد : اثاثہ)

ازو ...اے یادگاری به تحریر می آید :

نه هوتا آفتاب عشق کا جلوه اگر پیدا
تو کب هوتا شب تاریک سے نور سحر پیدا
جلامت استخواں میرے، تجھے اے عشق کہتا هوں
هوا هے اس نیستاں بیچ دل سا شیر نر پیدا
قمر اس بت نے جب سے صندلی پوشاک پہنی هے (۱۷۷ ب)
هوا هے ایک عالم کو تبھی سے درد سر پیدا

بکوایا موتیوں کے تئیں کوڑیوں کے مول
رحمت هے میرے دیدۂ گوهر فشاں پر

---

(۱۵۹) آصف

نواب وزیر امیر ان امیر آصف الدوله خلف رشید نواب شجاع الدوله، نبیرۂ نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ، جوانے ست قابل، قدردان اهل هنر، بسیار خوش تلاش و خوش فکر، کان سعادت و شجاعت، معدن حلم و سخاوت، اوصاف حمیده و فضائل پسندیده او مشهور و خارج از دائرۂ توصیف الد، حق تعالیٰ از ملک و مال محظوظ و بر اعداء مظفر و منصور دارد و توفیق ملک گیری و عدالت گستری و رعیت پروری دهد و توفیق حسنات بخشد۔ از چندے به حسب جودت طبع و رسائی فهم متوجه فن شعر نیز می شود، اکثر استادان ایں فن در سایۂ پرورش او جا یافته، در بلدۂ لکهنئو کوس سخنوری و نکته سنجی می زلد، حق تعالیٰ آں بلده را از بلیات دوراں محفوظ دارد۔ ایں چند ابیات (۱۷۸ الف) از فکر صائب آں عالی جناب وزارت مآب است :

باد بھی لگنے نہ پائی دل تو مرجھانے لگا
ہائے یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا

جو شمشیر اس کی علم دیکھتے ہیں
ووهیں سر کو اپنے قلم دیکھتے ہیں
تجھے غیر سے جب بہم دیکھتے ہیں
نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
تو جلدی سے آ ، ورنہ میرے مسیحا
کوئی دم میں راہ عدم دیکھتے ہیں
بتوں کی گلی میں شب و روز آصف
تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

---

(۱۵۷) نواب غازی الدین خاں

وزیر صائب تدبیر ، شناسائے رموز ماق الضمیر ، امیر ابن الامیر ابن الامیر نواب غازی الدین خاں، خلف رشید فیروز جنگ نبیرۂ نظام الملک آصف جاہ ، جوانے ست خوب صورت ، صاحب وجاہت ، عالی فطرت ، مجمع قابلیت ، مخزن جوهر انسانیت ، معدن شخصیت و اهلیت ، صاحب شجاعت و مروت کان فتوت و سخاوت ، بہمہ علوم استعداد کامل دارد و در خورد سالگی کار ہائے بزرگ ازو بوقوع آمدہ ، اما تقدیر موافق تدبیر او نشدہ (۱۷۸ ب) و نمی شود ، ذهن نقاد و رسا و فکر صائب و بجا دارد و در زبان فارسی و ہندی و ترکی و عربی شعر موزوں می نماید ۔ بسیار خوش تلاش است ، چند اشعار آں وزارت پناہ امارت دست گاہ کہ بگوش ایں فقیر بے دست گاہ رسیدہ بہ تحریر می آید ، ازوست :

زلف کا کھولنا بہانہ تھا
مدعا ہم سے منہ چھپانا تھا

ہمارے جامۂ کہنہ سے مے کی بو نہ گئی
سیاہی مو کی گئی ، دل کی آرزو نہ گئی

چہرے میں زلف کا چھپانا کیا
ہم سے یہ پیچ ، ہت تمھاری کی

نہیں عاشق کسی کا ، تو گرفتاری کو کیا جانے
ابھی تو آپ ہی لڑکا ہے ، سچ یاری کو نہ جانے

یار گھر جاتا ہے یارو کیا کروں
اہ گھر جاتا ہے یارو کیا کروں

---

(۱۵۸) فہم
مرزا فتح علی برادر خورد نواب وزیر آصف‌الدولہ موصوف است متخلص بہ فہم ، از شاگردان جرأت موصوف است ۔ احوالش معلوم من نیست ، طبع رسا و فہم بجا دارد و تلاش معنی تازہ و الفاظ رنگیں می نماید چند ابیات او (۱۷۹ الف) بسمع رسیدہ ، ازوست :

کیا کہوں کیوں کہ ستم گر نے ستایا مجھ کو
اپنے ہنسنے کے لیے خوب رلایا مجھ کو
بہہ گئے جان و جگر دیکھتے ہی دیکھتے اب
کیا کہوں جو مری آنکھوں نے دکھایا مجھ کو

تو، تو کہتا ہے کہ گذری رات ساری جاؤں میں
دل یہ کہتا ہے نہ جانا تیرے واری جاؤں میں
او میاں بانکے، اکڑ کر ، سج بدل کر، بزم میں
کیوں یہ مجھ پر کھینچتے ہو تم کٹاری، جاؤں میں

یار کے دل میں جو یہ اغیار گھر کر رہ گئے
ہم اسی غیرت کے مارے آہ ، مر کر رہ گئے

---

(۱۵۹) ممتاز

عمدة الملک ممتاز تخلص از فرزندان سراج‌الدوله محمد علی خان صوبه‌دار آرکاٹ دکھن ، که از عمدهٔ امرایان دکن است ، اصلش از گوپامئو است ـ جوان قابل و دوستدار انسان کامل ، از شاگردان فضل علی ممتاز مسطور است ، یک فرد او بهم رسیده ـ ازوست :

مت ہنر پر ہو تو نازاں مدد بخت ہے شرط
قابلیت تو اے ممتاز دھری رہتی ہے

---

(۱۶۰) قلندر

قلندر علی خان خسر پورهٔ شاه عالم بادشاه ، متوطن دهلی ، یک فرد او بسمع رسیده ، (۱۷۹ ب) ازوست :

راز مخفی نہ ہو افشا اے مری چشم سیاہ
داغ دل اپنا قلندر نے چھپایا ہے بہت

---

(۱۶۱) گنا بیگم

پروردهٔ ناز و نعم گنا بیگم ملقب به "اوسیری" ، دختر علی قلی خان شش انگشتی داغستانی ، والهٔ که شاعر غرا و مصنف

بہ نثرۂ فارسی بوده و از حرم محترم نواب غازی الدین خان موصوف بوده ، زنے ست شکیله ، جمیله ، ذهینه ، بسیار عاقله و نهایت قابله، محبوبۂ زمان و اعجوبۂ دوران خود است یعنی :

محبوبۂ شهر دلفریبان
اعجوبه ملک ناشکیبان

عندلیب خوش آواز گلبن سخن‌دانی ، طوطی نغمه ساز گلزار معانی ، معشوقۂ عاشق خو ، سخن سنج ، نازک بند خیال رنگین و خوش گو ، شاعرۂ نازک دماغ و خوش گفتگو ، اگرچه تم‌گو است نامہ خوش تلاش و سخن فهم و خوش گفتگو ۔ این چند اشعار دلآویز از سخنان شیریں گفتار آن طوطی خوش الحان و بلبل هزار داستان که بگوش ایں خسته جان ، عاشق کلام سخنوران رسیده ، به تحریر می آید ۔ ازوست :

چمن میں کھل رہی نازک سی بوٹی (۸۰ ، الف)
نگہ کے بوجھ سے جاتی ہے ٹوٹی

اجی مخمور ہوں مجھ کو نہ چھیڑو
نشے میں چور ہوں، مجھ کو نہ چھیڑو

آ کر ہماری خاک پہ کیا یار کرچلے
خواب عدم سے فتنے کو بیدار کرچلے
جاتے تو ہو بھرے ہوئے گرد وغبار میں
تعمیر کس کے دل کی یہ مسمار کرچلے
خواهی پیاله خواه سبو کیجیو کلال
هم تجھ کو اپنی خاک پہ مختار کرچلے

بلبلو تم کو وہ گلزار مبارک ہووے
مجھ کو وہ سایۂ دیوار مبارک ہووے
جس لیے روتی ہو دن رات تم ، اللہ کرے
انکھڑیو تم کو وہ دیدار مبارک ہووے

اشک امڈا ہوا پھر ضبط سے کم رکتا ہے
ناصحا اٹھ مری بانیں سے کہ دم رکتا ہے

---

(۱۶۲) انشا

میر انشاء اللہ خاں ابن میر ماشاء اللہ کہ از مشاہیر عہد محمد شاہ بادشاہ بود ، متوطن دهلی از منصب داران بادشاهی ، و بسیار بہ کرّو فر بسر می برد ، جوان قابل ، خوش عنوان ، خوش فکر ، و خوش تلاش است ، شعر فارسی و هندی خوب می گوید ، چند اشعار او بزبانی بعضیے یاران بسمع رسیده ، ازوست :

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا
لگا کے برف میں ساقی صراحیِ مے لا
گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہیں تیشہ
درون کوہ سے نکلی صدائے وا ویلا

گالی سہی ، ادا سہی ، چین جبیں سہی
یہ سب سہی پہ ایک نہیں کی نہیں سہی
گر نازنیں کے کہنے کا مانا ہو کچھ برا
میری طرف تو دیکھیو ، میں نازنیں سہی

اوروں سے سب سے 'ھاں' ھے، مگر ھم سے ھی نہیں
کیوں کر ، نہیں نہیں نہیں ، کیوں ایسے جی نہیں

یہ آنکھیں جادوے جمشید ، سحر سامری چتون
خط نورستہ شہر سبز ، غبغب چاہ بابل ھے

اکڑ کے پنجوں کے بل پہ چلنا نہ کشتہ ھوں کیوں کہ اس ادا کا
کسا کسایا ، سجا سجایا ، یہ دھج تو دیکھو غضب خدا کا
برون ھے وھم و قیاس سے بھی بتاؤں سج دھج میں اس کی کیا اب
جوان رعنا ، بہ حسن و خوبی ، پری کا عالم عرض گدا کا
(کذا)

---

(۱۹۳) رنگین

سعادت یار خاں رنگین تخلص، پسر طہماس علی خاں، از رسالہ‌داران ذوالفقار الدولہ ، جوان قابل ، خوش خلق و آدم بامزہ است ، دیگر بر احوالش اطلاعم نیست (۱۸۱ الف) چند اشعار متفرقات او بزبانی بعضے دوستداراں بسمع رسیدہ ، مذاق سخنش از اشعارش پیدا ، و طریق گفتگوے تازہ از سخنش ھویدا ، ازوست :

کیوں میں گھر کھوج مٹی تیرا دہا مان گئی
ذرا سستا تو سہی ، اے ترے قربان گئی
بس جی بس اب کی دھمک جا کے کلیجے کو لگی
تلی سب ٹل گئی اور ھل بھی بچہ دان گئی

---

(۱۹۴) ھوش

ھوش تخلص ، متوطن شاہ جہاں آباد ، دیگر بر حسب و نسب

او اطلاع ندارم ، یک مطلع دل چسپ او برائے یادگاری به تحریر می آید :

بادل گرجے ، بجلی چمکی ، ساون کی اندھیاری رات
سر کو پٹک پنھر سے کاٹی ، ماہ جبیں بن ، کاری رات

---

(۱۶۵) طپش

مرزا جان طپش مردے خوش طبع ، حریف و ظریف ، هشاش بشاش ، از مدتے در شاہ جہان آباد سکونت داشت و از نوکران خاص مرزا جہاندار شاہ موصوف بودہ ، فکر رسا و فہم کامل داشت ، این فرد د ل بر خوش تلاشی و طپش جانی اوست ، ازوست :

جی سے کہہ دو کہ آہ سرد کے ساتھ
(۱۸۱ ب) ٹھنڈی ٹھنڈی چلے تو چل نکلے

---

(۱۶۶) افسوس

میر شیرعلی خاں افسوس سید صحیح النسب ازعمدہ زادہ ھائے هندوستان ، مردے شاعر خوش فکر است دو فرد او بنظر رسیدہ ، ازوست :

شب جو دم توڑنے میرا دل بیمار لگا
سر ھلانے وھیں عیسیٰ پس دیوار لگا

هنستے هیں شب وصل میں هم اب تو ، پر اک دن
اس شب کو بہت روویں گے اور یاد کریں گے

---

(۱۶۷) مشتاق

مشتاق علی خاں متخلص به مشتاق ، متوطن شاہجہان آباد ، از

خواصان بادشاهی است ، جوان قابل ، طبع رسا وفکر بجا دارد ، زیادہ چه نگارد ، این چند ابیات او بزبانی عزیز بسمع رسیده ازوست :

آہ لاحق عشق کی جب سے یہ بیماری ہوئی
بارہا نبضیں چھٹیں ، اکثر غشی طاری ہوئی
بے قراری ، بے کلی دونوں طپش رہنے لگی
آہ دل اپنے سے عائد یہ گنہگاری ہوئی
دل کھسک ، چل، دزدیٔ بوسہ‌شب دیگر پہ رکھ
یار چونکا ، پاسبانوں میں خبرداری ہوئی
کیوں نہ بھٹکی تو پھرے اے خواہش دل میرے بعد (۱۸۲ الف)
بے نیازوں سے تری کب ناز برداری ہوئی
وہ نہ دیکھا اے طلسم چشم جو منظور تھا
باعث خواب پریشاں اپنی بیداری ہوئی
گھر سے گھر جلتے نظر آتے ہیں اے خانہ خراب
جلوہ فرما کس کی الفت کی یہ چنگاری ہوئی
تو نہ آیا دیر تک چھاتی پہ دم اٹکا رہا
جان عاشق کی رہا تن سے بہ دشواری ہوئی
اب تو آ ظالم جنازے پر بہ تقریب نماز
جانب گور غریباں اس کی تیاری ہوئی

خرد کو روؤں یا اس دل رئیس ناز پرور کو
کیا اک ترک نے غارت مرے لشکر کے لشکر کو
پس مردن یہ سنتے ہیں کہ تھے دست طلب باہر
کفن میں آہ کس خواہش نے گھیرا تھا سکندر کو

خدا گر سینکڑوں دل دے، تو یہ کہیے کہ اے خوباں
لیا کیجے نیا یک دل، ولے پہلو سے مت سرکو

کہوں کیا ہے ابرو، مژہ آہ کیا ہے
کماں قدر ہے، خدنگ قضا ہے
ملاقات آخر ہے یاں بے کسی سے
تو اے صبر مرحوم جب سے گیا ہے
مجھے ہچکیاں کیوں نہ لگ جائیں غم سے
ترے منہ سے قلیان ہر دم لگا ہے
ترا سن کے قصہ، ٹپکتے ہیں آنسو
غزل کیا ہے مشتاق یہ مرثیا ہے

ناصحا فکر رفو کر، یا کہ کچھ سینے کی شکل
چاک ہو بدتر ہوئی ہے اب مرے سینے کی شکل
قتل سے میرے وہ درگذرے سو یہ ممکن نہیں
چین ابرو سے نمایاں اس کے ہے کینے کی شکل
جلوہ گر کس شکل سے ہے آہ تیرا خط سبز
اس طلائی رنگ عارض پر ترے مینے کی شکل
بیٹھ بزم غیر میں مے نوشیاں کرتا ہے تو
کیا یہی ہے اے مرے قاتل لہو پینے کی شکل
غم میں تیرے روتے روتے لگ گئی ہیں ہچکیاں
کچھ نظر آتی نہیں مشتاق کے جینے کی شکل

یارب الٰہی جگر سے یہ اب کیسی ہوک ہے
جاں کاہ جس کی تابہ دل[1] عرش کوک ہے
بوسے لوں سامنے نرے اس لب کے تو سہی
تو چپ رہے نہ بولے تواے غیر تھوک ہے

ساتھ ہر نالے کے اس کوچے میں غش آیا مجھے
آہ یاں تک ناتوانی تو نے پہنچایا مجھے
غیر کے خطرے سے مجلس میں نہ ملنا تھا اگر (۱۸۳ الف)
کیا سمجھ کر خفتیں دینے کو بلوایا مجھے

گلی میں تری جستجو تھی کسی کی
ملی خاک میں آرزو تھی کسی کی
ٹھہر جا ٹک اے ٹک جا ہے چلا جی
انوٹھی یہ چلنے کی خو تھی کسی کی
خفا محتسب مجھ سے اور شیخ بھی ہے
مگر دختر رز بہو تھی کسی کی
کبھو چشم بھر آئی تو پی گئے ہم
کہ مد نظر آبرو تھی کسی کی
پس مرگ مشتاق وا چشم رہ گئی
تصور میں چشم نکو تھی کسی کی

وا دیکھ کر چمن میں بند قبا کو تیرے
جامے سے آج اپنے ہر گل نکل پڑا ہے

---

۱ - فی الاصل : فلک العرش

لکھنے سے خط کے پیہم منظور تھا جو دل کو
سو یک قلم وہ اپنی خاطر سے دھو گیا ہے
ہر حرف آرزو پر انگشت شک ہے اس کو
ہر سطر شوق پڑھ کر تیوری چڑھا رہا ہے
پردے میں دے چکا ہے وہ سب جواب مطلب
بس چپکے بیٹھ رہیے قسمت کا یہ لکھا ہے

---

(۱۶۸) مسافر

سید پایندہ مسافر متوطن دهلی از خواصان بادشاهی بوده، ازمدتے در بلدۂ بریلی بوده فاما به سبب در همی ملک کٹیهر خانه بدوشی را خالۂ خود، مقرر کنان در سیر جهان مسافر می ماند، مردے ست حریف وظریف اعجوبه روزگار، نهایت سخن فهم و بر محاورت فارسی (۱۸۳ ب) واقف کار۔ شعر فارسی هندی هر دو موزون می کند، این چند اشعار ازوست :

دنیا سے کھینچ ہاتھ کو، کوتاہ دست ہو
کر بیٹھے ہیں گے دیر سے ہم آستیں گرہ
یک بار جھڑ پڑیں گے دل خستہ بے شمار
کیوں کھولتا ہے زلف سے اے نازنیں گرہ

جو اٹھاوے چشم دل سے پردۂ پندار کو
بے تامل ہر مکاں میں دیکھ لے وہ یار کو
کفر اور اسلام سے گر یار کو رغبت نہ ہو
تو جلا تسبیح کو اور پھونک دے زنار کو

دیر و کعبہ میں کہاں پائی محبت کی شراب
قبلۂ مستاں سنا ہے خانۂ خمار کو

بھول کر راہ اپنی منزل کی
کیا مسافر نڈھال بیٹھے ہیں

عمر غفلت میں مفت کھوتے ہیں
دن کو پھرتے ہیں رات سوتے ہیں
دیکھ کر بے ثباتی عالم
گاہ ھنستے ہیں ، گاہ روتے ہیں
کیوں نہ دیں آبرو کو رونے پر
دادا آدم کے ہم بھی پوتے ہیں

رہ حق ساری راھوں سے جدی ہے
وھی سالک ہے جس کو بےخودی ہے
نہ پہنچے گا بہ منزل اے مسافر
اگر تجھ میں ذرہ بوے خودی ہے (۱۸۴ الف)

مجھے پیر جنوں سے ، آج یوں ارشاد ھوتا ہے
پھنسے جو سلسلے میں زلف کے ، آزاد ھوتا ہے
گلوں کو شاخ سے مت توڑ ، اے گلچیں خدا سے ڈر
کہ اس میں بلبلوں کا خانماں برباد ھوتا ہے

ستم اس شوخ کا گر یہ کڑا ہے (؟)
قدم کو گاڑ دے تو بھی وفا میں

مار دنیا کو لات بیٹھے ہیں
دھو کے عقبیٰ سے ہاتھ بیٹھے ہیں
حرف معنی کا نقش کر دل میں
دھو کے سب مہملات بیٹھے ہیں
اس بساط وجود میں ہو بند
شاہ ہیں ، لے کے مات بیٹھے ہیں

---

(۱۶۹) انور

محمد انورالدین قانع متوطن مئو محمد آباد و مولدش شاہ جہان آباد ، از خاندان بزرگ است ، والدش ، از منصب داران پادشاهی بوده ۔ جوانے ست قابل ، حافظ قرآن ، خلیق ، ازشاگردان میر سوز موصوف ۔ طبع موزون و مناسب دارد ، این چند ابیات از مسوده‌اش بقلم آورده شد ۔ ازوست :

(۱۸۴ب) نہیں ہم جانتے گل کس طرح کا ہے ، سمن کیسا
نہ دیکھیں یار کا منہ جس جگہ باغ و چمن کیسا
شہید تیغ ناز دلبراں ہم ہوگئے انور
کہاں کا غسل ، کا ہے کی لحد ، گور و کفن کیسا

مرا دست وفا ، دامان قاتل ایک دن ہوگا
ستم کا اس کے بدلہ ، ہاں مرے دل، ایک دن ہوگا
مجھے کہنے لگا وہ ، دیکھ رکھ شمشیر کو میری
ارے ڈرتا رہا کر ورنہ بسمل ایک دن ہوگا

دل میں ہے محفل خوباں میں مکاں کیجیے گا
پھر سر نو سے دل پیر جواں کیجیے گا

ہاتھ چھوڑوں گا نہیں آج تمھارا صاحب
ہاں جی ھنسیے گا نہیں ، دل کے نشان کیجیے گا

چلو جاؤ ، مت جھوٹی باتیں بتاؤ
اگر ھم سے ملتے تو ڈر تھا کسی کا

پوچھتا کیا ھے کہ جاؤں یا نہ جاؤں یار پاس
مت ستا تو مجھ کو دل ، میری بلا سے جا نہ جا
کہ ھمیں بوسہ نہ دے پر سامنے آنکھیں تو کر
جان یہ کیا طور ھے ، اتنا بھی تو شرما نہ جا
مصرع استاد توارد شدہ :
حال دل انور کا سن بے رحم ٹک انصاف کر
راست کہتا ہوں تو میری بات پر ھنستا نہ جا

اب تو کرتا ھے مرے دل کو تو حیران بھلا (۱۸۵ الف)
میں بھی سمجھوں گا بھلا رہ تو مری جان بھلا
کچھ تجھے رحم نہ آیا مری تنہائی پر
یوں مجھے چھوڑ گیا او دل نادان بھلا
اور تو تجھ سے کسی چیز کی امید نہیں
پر مرے پیارے اب اتنا تو کہا مان بھلا
آن کر مجھ سے کبھی پوچھ کہ کیا ھے تجھ کو
جی سے نکلے تری باتوں ھی کا ارمان بھلا

جگر سے اشک ، دل سے نالہ ، سینے سے فغاں نکلا
کدھر کا قصد کر ، ان گھر بسوں کا کارواں نکلا

میاں سچ ہے ، تمھارا وعدۂ فردا قیامت ہے
گذر جاتی ہے جب شب اتنے کہنے میں کہ ہاں نکلا
سنی ہے خط لکنے کی خبر ، اچھا مبارک ہو
بھلا ٹک اس طرف پھیرو تو منہ دیکھوں کہاں نکلا
دیا تھا دل اسے بھولا سمجھ کر واہ وا قسمت
وہ ایسا فتنۂ جاں شوخ چشم و بدزباں نکلا
سفر کی سن کے انور کے خبر ، بولا شتابی سے
چلو اچھا ہوا میری گلی سے ناتواں نکلا

قطعہ

به بعد وفات میری یارو
نقش لوح مزار کرنا
خوبان جہاں کی دوستی کا
ہر گز مت اعتبار کرنا

(۱۸۵ ب) اگر ہے یہی جور حضرت سلامت
تو بس ہوچکے غور حضرت سلامت
رقیبوں سے خوش، ہم سے بیزار، سچ ہے
بھلے کا نہیں دور ، حضرت سلامت

یہ کیا قد و قامت ہے حضرت سلامت
کہ جی پر قیامت ہے حضرت سلامت
نہیں دیکھا تم نے ایسے شیخ صاحب
جو ہم پر ملامت ہے حضرت سلامت

کوئی دن نظر آ گیا تو کہیں گے
کہ صاحب سلامت ہے حضرت سلامت

کوئی گالی ہی او میاں بالکے
میں تمھاری زبان کے قرباں
جامہ زیبی میں کیا قیامت ہے
اس سمینے کی شان کے قرباں

کیا مجھ کو اچنبھا ہے ، مجھ سار کے فدوی ہیں
کیوں ڈر تمھیں بھاتی ہیں اوروں سے ملاقاتیں
انور نے کہا یک شب آؤ تو ہمارے گھر
ہنس ہنس کے لگا کہنے : آنے دو بڑی راتیں

میاں سونے نہ دوں گا کیوں یہ ناحق مکر کرتے ہو
کہ میں نے آتے ہی تیری جھپکتی ہوئی پلک دیکھی

---

(۱۷۰) وحشت

حکیم صدرالدین خان وحشت تخلص ، متوطن شاہ جہان آباد ، از خاندان بزرگ است ، آبا و اجداد او از قدیم‌الایام خدمت افتاے دارالخلافہ شاہ جہان‌آباد (۱۸۶ الف)دارلد ، و از ہمیشہ صاحب علم و فضل و کمال ، و حشمت ظاہری داشتہ الد ۔ جوانے ست مرزا منش خوش تقریر ، خوش اخلاق، ہشاش و بشاش ، خوش‌گپ ، طالب‌علم مستعد ، خصوصاً در فن حکمت استعداد کامل دارد ، از مصاحبان و مخصوصان شاہزادہ عالی تبار مرزاجواں بخت بود ، از چندے بسبب گردش روزگار ناہنجار، کہ با کس نمی سازد و نخواہد ساخت، دربلدۂ رامپور

استقامت دارد و اکثر باهم اتفاق صحبت مشاعره و طرح نمودن غزلیات تازه می افتد ، بسیار آدم بامزه و درد مند ، ذهن رسا و فکر بجا و طبع سلیم و فہم مستقیم دارد، شاعر مربوط و مضبوط فارسی گو و خوش گفتگو است ، گاہے شعر ریختہ ہم بہ تقریبے بہم می رساند ، اکثر اشعار فارسی و ہندی بزبانی آں خان عالی شان بگوش ایں فقیر خستہ جان رسیدہ ، ایں چند ابیات دال بر خوش تلاشی اوست ۔ ازوست :

آنکھ خوباں سے گر اڑا نہ کرے
کوئی طرح دار پھر جفا نہ کرے
میں وفادار ہوں خدا کی قسم (۱۸۶ ب)
نہ کرے مجھ سے وہ وفا نہ کرے
مجھ سوا کوئی میرے مرزا کا
کشتۂ ناز ہو ، خدا نہ کرے
اس قدر نونہال جور نہ کر
دل جلا کوئی بد دعا نہ کرے
بیم فرقت سے کس طرح وحشت
اسی مطلع کو پھر پڑھا نہ کرے

مطلع

مجھ سے تجھ کو خدا خفا نہ کرے
تجھ سے میں ہوں خفا، خدا نہ کرے
شہر خوباں میں کیا برا ہے رواج
جو طرح‌دار ہو وفا نہ کرے
دوستاں تم کو یہ وصیت ہے
بعد میرے کوئی بُکا نہ کرے

اور اس شوخ طفل سے میرا
کوئی دعوائے خوں بہا نہ کرے
گر مسیحا بھی چرخ سے اترے
تیرے بیمار کی دوا نہ کرے

قطعہ

ہمدمو اس نے آج فرمایا
سب یہ کہتے ہیں پھر خدا نہ کرے
وقت بے وقت میرے کوچہ میں
کوئی وحشت زدہ پھرا نہ کرے

شیخ سے بنت العنب کی کد خدائی کیا ہوئی
شب جو وہ رندوں کے حصے میں نہ آئی، کیا ہوئی
نیند سے اٹھتے تھے جس تصویر کا منہ دیکھ کر
خواب میں بھی سو نہیں دیتی دکھائی کیا ہوئی
اب تلک وہ تو نہ آیا پر تجھے میں کیا کہوں (۱۸۷ الف)
اے اجل تو بھی ذرا مجھ تک نہ آئی ، کیا ہوئی
دو گھڑی دل جا کے بہلاتے تھے جس سے گاہ گاہ
اس میں اور ہم میں الٰہی یہ جدائی کیا ہوئی
مرغ دل کا پالنا کیا جانے وہ اے ہمنشیں
وہ بھی لڑکا ہے اسی کی عمر بھائی کیا ہوئی
ہم میں اور تم میں بھلا پوچھو تو کیسا ربط تھا
کچھ ہوئی فرماؤ تو وہ آشنائی کیا ہوئی
کیوں جلاتا ہے ہمیں یا رب بتاں کے ہاتھ سے
غم کے دینے کو مرے ساری خدائی کیا ہوئی

ایک مطلع اور بھی ہم کو سنانا چاہیے
طبع کی وحشت تمھاری وہ رسائی کیا ہوئی

مطلع

آپ کی خدمت میں ہم سے نا رسائی کیا ہوئی
کیوں ہوئے نا آشنا ، وہ آشنائی کیا ہوئی
کیا کسی دلدار پر دل آپ کا شیدا ہوا
دل دہی ہونے لگی وہ دل ربائی کیا ہوئی
ہر گھڑی سج کا بدلنا کیا ہوا وہ آپ کا
اس پھبن کو کیا ہوا ، وہ خود نمائی کیا ہوئی
زعفرانی ہو گئے جو آتشیں رخسار تھے
وہ کدھر لالی گئی ، یہ کہر بائی کیا ہوئی
(۱۸۷ ب) تنگ آتا تھا تمھیں ہر ایک سے کہنا سخن
یا لگے سہنے جفا ، وہ کبریائی کیا ہوئی
لگ گئی شاید کسی وحشت زدہ کی بد دعا
او میاں ، او میرزا ، وہ میرزائی کیا ہوئی

اس کے کوچے سے کوئی گر نامہ بر آنے لگے
تو دل گم گشتہ کی شاید خبر آنے لگے
اس طرف صیاد کے آغاز خط ہونے لگا
اس طرف ہم کو قفس میں بال و پر آنے لگے
گوئی چوگاں کش فراست سے دل عالم کیا
تجھ کو اے لڑکے ابھی سے یہ ہنر آنے لگے
دیکھ کر وحشت ہماری ، اس پری رونے کہا
بعد مدت کے دوانے پھر نظر آنے لگے

عزیزو ہم سے تو ایسے نے دل ستانی کی
کہ ایک دن نہ محبت نہ مہربانی کی
چمن سے جاتی رہی ، کل آسے بلکتا چھوڑ
کسو نے داد نہ دی بلبل فغانی کی
لیا جو خانۂ زنجیر تم نے پھر آباد
عدم میں قیس نے سن سن کے شادمانی کی
جلا چکے مرے دل کو بہت ، مجھے دیجے
اجی دھرے رہو ، بس تم نے دلستانی کی
جو شیفتہ ہو کوئی جگ میں چشم سے گوں کا
وہ جانے قدر مرے اشک ارغوانی کی
ہزار حیف نہیں ہے جہاں میں اے وحشت
خبر کسو کو کسی کے غم نہانی کی (۸۸ الف)

جو کہ اے یار تری زلف چلیپا دیکھے
ہوئے سرگشتہ وہیں دامن صحرا دیکھے
لب پاں خوردہ ترے باغ میں اے رشک بہار
غرق خوں ہووے اگر لالۂ صحرا دیکھے
جیسے جی ہووے ہے دنیا میں ترا حلقہ بہ گوش
جو کوئی تیرے بنا گوش کا سبزہ دیکھے
سیم تن جتنے ہیں پھیکے لگیں اس کو یارو
اس طرحدار کا جو رنگ سنہرا دیکھے
لے کے زنجیر اگر دشت میں آوے ناصح
پھیر وحشت کا ہماری بھی تماشا دیکھے

مقالہ سوم

در ذکر بعضی آمرائے افغانان این دیار وغیرہ افاغنۂ قرب و جوار

(۱۱۷)امیر

نواب محمد یار خان امیر تخلص ، خلف رشید نواب علی محمد خان، جوانے بود میرزا منش ، نازک طبع ، صاحب فطرت ، اهل مروت ، عالی حوصله و خوش سلیقه ، حاتم زمانه ، در سخاوت و جرأت یگانه ، مجمع مکارم اخلاق و بفیض رسانی و قدردانی شهرۂ آفاق و در فن موسیقی که عریست ذخار و خیطے ست ناپیداکنار ، چندن دسترس تمام داشت که فیثاغورث باوجود استاذی (۱۸۸ ب) یکے از شاگردان ابجد خوان او ، و تان‌سین و نایکان دکهن از مدح سرایان او ۔ بسیار سخن فهم ، نکته سنج ، قدردان سخن استادان این فن ، در فرقۂ اهل دول شخصیے بود بے نظیر و بے بدل ۔ گاهے به حسب صفائے ذهن و جودت طبع برائے تفنن خاطر بفکر شعر ریخته می پرداخت و داد سخن‌وری و خوش‌تلاشی می داد ۔ در اندک ایام مشق او برتبۂ عالی استادان رسیده بود ، فاما اجلش مهلت نه داد ۔ مشق سخن از محمد قائم موصوف می کرد ۔ یک بار این فقیر بخدمت آن امیر رفته ملاق شده ، تا دیرے که نشستم شفقت و عنایت بسیار بر حال این خاکسار نموده ، اکثر اشعار خود از غزلیات و قصائد و مثنویات خوانده ، بسیار محظوظ گردانیده ۔ قریب یک ماه شد که ازیں جهان فانی رحلت نموده ، حق سبحانه مغفرتش کند ، و شفاعت

بھ یار او باد - حیف است کہ ھنرمنداں بمیرند و بے ھنراں جاے ایشاں گیرند - ایں چند ابیات از کلام ملوکانہ و سخنان امیرانہ اوست:

نہ جانے شور ہے دریا میں کس تابندہ اختر کا
کہ محراب صدف میں محو سجدہ سر ہے گوھر کا (۱۸۹الف)
حباب آسا نہ دیکھیں آنکھ اٹھا اسباب دنیا کو
لیا ہے کاسۂ سر سے جنھوں نے کام افسر کا

کوئی گذر ترے کو میں نہ کر گیا ھوگا
جو گذرا ھوگا تو جی سے گذر گیا ھوگا
بسان اشک ملا جا ہے خاک میں کچھ دل
کسی کی نظروں سے شاید اتر گیا ھوگا

دیکھی تھی میں سر نوشت اپنی
جز روز سیاہ کچھ نہ نکلا
کیا ھم کو دیا تھا تو نے ساقی
شیشے میں تو واہ کچھ نہ نکلا
جس سر میں ہے جوں حباب دعویٰ
واں زیب کلاہ کچھ نہ نکلا

ترے نہ حسن کی دھشت ہے جس کے سامنے منہ کے
نہ مو آئے ، نہ خط آیا ، نہ زلف آئی ، نہ خال آیا

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

یاد کرنا ھی مرا آپ کو منظور نہ تھا
گوکہ شب تھی پہ میں اتنا بھی تو کچھ دور نہ تھا
شوخیاں اپنے لڑکپن کی نہ کچھ پوچھ میاں
کون سا دل تھا کہ ھاتھوں سے ترے چور نہ تھا
آئینے کی ھے یہ سب خانہ خرابی ورنہ
(۱۸۰ ب) اس سے آگے تو وہ کچھ حسن پہ مغرور نہ تھا

زلف کے بندوں کی ھے اس بت کو کتنی احتیاط
سر کے نیچے داب سوتا ھے سر اس زنجیر کا
شعر ملا درکی قمی را زینت تازہ بخشیدہ است :
چون تواں جستن کہ زلفش گشتہ دامنگیر ما
پاسباں در زیر سر دار سر زنجیر ما

کچھ مرگ مین اور زیست مین اتنا تو نہین فرق
دونوں میں تفاوت ھے تنک زیر و زبر کا

جامہ تو کل بھی زور رلگا تھا کسوم کا
چیرا پر آج کا ھے بڑی ھی سی دھوم کا
اٹکی ھے آج صبح سے در پر مری نگاہ
کیا جانے منتظر ھوں میں کس کے قدوم کا
کیا بوسہ جس کی شام سے ھے اتنی ٹال بال
لیجے نہ نام صبح کو تجھ سے تو شوم کا
عارض کی تو جھلک ھے نپٹ خوب دیکھیو
پر کان کا بھی کم نہیں جھمکے مین جھومکا

سایہ ترا میں چھوڑ کے جاؤں کہاں امیر
ہوتے ہما کے کون ہے مشتاق بوم کا

اے رشک مہر گھر سے نکل ، بس ہوئی نو صبح
مانند شمع راہ میں تکتا ہوں شام کا

کہاں تک جوں لگیں خواری پئے نام
ہو منہ کالا کہیں ایسی ہوس کا (۹۰ الف)
بچی آنکھ اور ترے گھر کو چلے ہم
خدا دیوے نہ کچھ بندے کو چسکا
کہاں کی عمر ، کس کی زیست ، یہ سب
حباب آسا ہے ، جھگڑا یک نفس کا

آئینہ ساں میں رو کے ز بس گھر ڈبو دیا
دیکھا بہ‌غور جس نے مرا حال رو دیا

اپنی اور دل کی کہوں یا شمع و پروانے کی کچھ
بے طرح تجھ بزم میں کٹتی ہے ہم چاروں کی رات

ہر اک کے منہ کو جوں اہل گنہ حیران تکتا ہے
میں اس کی بزم میں دیکھی ہے آئینے کی یہ صورت
جو روٹھے فکر تو کرتا ہے مجھ کو قتل کی دل میں
صفائی میں اڑاوے صاف اور کینے کی یہ صورت

امیر اس شوخ سے کہیو یہی انصاف ہے پیارے
لیوں[1] پر وے کرم اور یار پارینے[2] کی یہ صورت

کیوں سرو کس کی چال میں دیکھی ہے یہ پھبن
چلتا ہے کس ادا سے مرا خوش‌خرام آج
وعدہ کرو ہو کس سے یہ بوسے کا تم میاں
آیا نہیں نیا بھی تو کچھ یہ غلام آج

کس زیست پہ مانند حباب اتنی ہوس آج
ہونا ہے ہوا کل کو ، جو ہے تن میں نفس آج
(۱۰۹ ب) کیا جانے تامل ہے مرے قتل پہ پیارے
ہم سار کے موجود ہیں بندے تمھیں دس آج

پیارے عجب طرح کی پڑی ہے کنولیں میں بھالک
جب سے آگا ہے خط ترے چاہ ذقن کے بیچ

کرتا تو ہے تو مجھ پہ ستم لیک یہ ڈر ہے
یہ آہ مری کرتی ہے کم‌بخت اثر جلد
جس دل میں ہے کچھ داغ اسے چین ہے دشوار
ٹک دیکھ نہ ہے شمس سے رفتار قمر جلد

پستی طلب کر آپ کو چاہے ہے گر[3] بلند
جب تخم زیر خاک ہو تب ہو شجر بلند

---

۱ - نئے کی جمع باضافۂ واؤ لون
۲ - یار پارینہ = یار دیرینہ
۳ - اصل : سربلند

بن ٹھن کے وقت شام چمن میں نہ کر گذر
سو کام ہیں خدا کے پیارے، نظر گذر

سر فرو لاے میں ہی راست کی جتی ہے. کجی
ہم پہ یہ حرف ہوا نقش نگیں سے ظاہر
ہم تو ظاہر جو کیا حق نے تو کیا احساں ہے
وہ بھی جو آج ہوا ہے تو ہمیں سے ظاہر

ڈبیو اے دل نہ جان کی خاطر
مرد ہوتے ہیں آن کی خاطر
جی ابھی دے ہے کرتی، پہ ہم نے دیا
کیا کریں اس جوان کی خاطر
داغ دل لے چلے گلی سے تری
چاہیے کچھ نشان کی خاطر
کیا ہوا آگیا جو یاں بھی امیر
رہتے تھمتے ٹک آن کی خاطر
خانماں کوئی چھوڑتا ہے میاں (۱۹۱ الف)
ایسے بے خانماں کی خاطر

بیداد ہیں ہر چند جلانے میں سب آتش
آتس ہے غضب کی پہ ترے، کچھ غضب آتش
داغا ہو نمودار سبہ روزی میں ظالم
آتی ہے نظر دور سے ہنگام شب آتش

میں درد دل لکھا تھا اسے ، پڑھ کے یوں کہا
املا ترا غلط ہے اور انشا ترا غلط
میں نے کہا : امید وفا ہے مری صحیح
بولا : بتاں سے شیوۂ مہر و وفا غلط

گیا ہے بزم سے اے شعلہ‌رو تو اٹھ کے کہاں
کھڑا میں آنکھوں[1] ہوں جوں شمع ہر چہارطرف

جو روٹھتے تھے تم آگے نہ تھا رقم موقوف
یہ اب کی کیا ہے کہ نامہ ہے یک قلم موقوف

پڑے مژہ سے مری اشک جھولتے ہیں مدام
یہ سچ ہے جائے نہ لڑکوں سے لڑکپن[2] کا خیال

جریدہ اٹھتے ہیں اس طرح یاں سے دیکھ امیر
نہ فکر گور ہے خطرے میں ، نے کفن کا خیال

شمع بھی دیکھ تجھے ہوگئی پانی پانی
آئینے کا ہی نہ آگے ترے اک آب ہے دل

دن کو ہی مثل مہر نہیں بے قرار ہم
(۱۹۱ ب) شب کو بھی کاٹتے ہیں کھڑے شمع وار ہم

---

۱ - آنکھوں ہوں ، (مصدر = آنکھنا) دیکھوں ہوں -
۲ - لڑکا پن کا مخفف ؛ بفتح کاف پڑھا جائے گا -

چھڑایا دام سے خط کے نہ ہم کو
پڑا تھا زلف کا تیری ہمیں بل
ہے فردا کا یہ وعدہ کیا قیامت
نہیں عاشق کو تیرے آج ہی کل
ترے بند قبا کیوں کر کروں وا
عجب عقدہ یہ پیش آیا ہے لا حل

اک رہ گئے ہیں مجلس روشن دلاں سے ہم
جوں شمع کیوں نہ کانپیں ہوائے جہاں سے ہم
کیوں سیل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ مثل موج
جائیں گے کس طرف کو ، ہیں آئے کہاں سے ہم

ماہیت خلق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے ہم
پایا تو عروج آسماں تک
پر صورت مہر ڈھل گئے ہم
مت کھول کے بال خلق کو مار
اے زلفوں پہ تیری بل[1] گئے ہم

سب خبر رکھ پر ایسی کر باتیں
جیسی کرتے ہیں بے خبر باتیں
جی میں آتا ہے زلف و رخ کی ترے
شام سے کیجے تا سحر باتیں

---

۱ - بل جانا = قربان ہونا ۔

یہ غنیمت ہے دید ، پھر تری امیر
کس طرف آپ اور کدھر باتیں
کل تھی مجنوں کی آج یاں تیرے
عشق کی ہوں ہیں گھر بہ گھر باتیں

نہ پہنچوں گو ، پہ تیری جستجو میں یار اڑتا ہوں
بہ رنگ طائر پر بستہ سو سو بار اڑتا ہوں

(۹۲ الف) آپ کچھ غیروں کو چھپ چھپ کے رقم کرتے ہیں
یہ اگر جھوٹ ہو ، ہم ہاتھ قلم کرتے ہیں
صفحۂ دھر میں نام اُن کا رہے ہے باقی
طرح سے خامے کی جو سر کو قدم کرتے ہیں
آج کیوں دیتے ہو ، ہونٹھوں میں چھپا کر گالی
آپ تو روز یہ بندے پہ کرم کرتے ہیں

یہ مت سمجھو کہ میں زیر فلک مختار پھرتا ہوں
بہ رنگ سایۂ مرغ ہوا ، ناچار پھرتا ہوں

ایں مضمون را بعینہ در دیوان مرزا رفیع یافتہ ام و آں ایں ست :
سودا :

تم کو معلوم ہے یارو ، چمن قدرت میں
عمر گذری کہ ہے گردش سے سر و کار مجھے
پر میں حیراں ہوں کہ جوں سایۂ مرغان ہوا
نہ کیا ایک قدم پھرنے پہ مختار مجھے

امیر :

گھر سے نکل کے پھرنے مبث کیوں زمانے میں
ھوں چشم دید اپنی ھے موجود خانے میں
کرتے نہیں کبھی جو قدم رنجہ اس طرف
آنا کچھ اتنا عیب ھے کیا بندہ خانے میں
جز عشق اور بھی ھے کوئی ذکر اے امیر
دیکھوں ھوں جب تجھے تو اسی ھی فسانے میں

تجھ سے تو کچھ اور اب کیا کہیں
روز ھی دل مانگے ھے لے کیا کہیں
کرنے کو اے شوخ مرے قتل کے (۹۲ ; ب)
پوچھ تو تو لوگ تجھے کیا کہیں
دور نہ جا پاس ھی بیٹھ اے امیر
دیکھ تو اس امر میں وے کیا کہیں

خوبوں سے اپنی تم کو نساں آگہی نہیں
ھم نے خدا کی بات بھی ھرگز سہی نہیں
عریانی کا بھی جامہ ھے کتنا بدن نما
اس حسن کی ، تو اور کوئی یک تہی[1] نہیں

کیا کہوں شوخیٔ نگہ بتاں
دل کو نظروں میں گدگداتے ھیں

[1] یک تہی — اکہری چادر

دیکھیو چولی جس نہ جائے کہیں
بے طرح آپ کسمساتے ہیں

مہر کی طرح سے اس ماہ کو آرام کہاں
جانیے صبح کہاں ہووے ہے اور شام کہاں
حسن چہرے کا ترے، زلف سے ہوتا ہے دو چند
سچ ہے گر کفر نہ ہو رونق اسلام کہاں
اپنی ہستی پہ ہیں موقوف جہاں کے جھگڑے
مٹ گئے آپ ہی جس وقت تو پھر نام کہاں

لخت دل گھومے ہے یوں اس دیدۂ پر آب میں
جا پڑے ہے برگ گل جوں حلقۂ گرداب میں

کلاہ فقر ہو یا سر پہ سلطانی کا افسر ہو
الٰہی ہووے حق میں میرے وہ جو کچھ کہ بہتر ہو
موئے پر خاک زاہد کو ہوئی عزت تو کیا حاصل
کبھو پارے کو کیا لذت اگر اکسیر مرکر ہو (۱۹۳ الف)
امیر، ان قافیوں میں اس سے بہتر اک غزل کہہ دو
بھلا دیکھیں تو یہ حضرت کہ تم کیسے سخن ور ہو

عریانی اُن کے سر کی مقرر ہے فخر تاج
جو صورت حباب ہیں مشغول دم کے ساتھ
کس کے کھلے ہیں زلف کی دریا میں آج بال
جاتی ہے موج اینڈتی سو پیچ و خم کے ساتھ

مثل حباب گو کہ سبک سیر ہوں امیر
ہے حل و عقد دہر مرے دم قدم کے ساتھ

بندگی یا سلام کیا کہیے
جا ہے قاصد ، پیام کیا کہیے
ایک دن ہو تو حال دل میں کہوں
تجھ سے [illegible] مدام کیا کہیے

آتش عشق سے اب دل تو [illegible] جاتا ہے
کیوں نہ [illegible] ہو مدد دیدۂ تر دیکھیں تو
تاب کیا آئنے کی ہووے مقابل تیرے
سامنے ہو کے تجھے شمس و قمر دیکھیں تو
مانگے رخصت جو امیر اب کی تو [illegible]
[illegible] ہی تو وہ کہاں جانے ہے [illegible] تو

[illegible] دل کی دل نہ کدورت ہے سو دل [illegible]
[illegible] ہے [illegible] سے دل سے مت [illegible]

[illegible]

موتیوں کے ڈھیر کم دبکوے ہیں یاروں نے پڑے
گود میں آنکھوں سے ہے سلک گہر آ جاؤ تو
روشنی کے جھاڑ کے مانند جلوہ سے تنک
ہاں صف مژگاں پہ اے لخت جگر آ جاؤ تو
جی سوا کیا ہے کرے ایثار جو تجھ پر امیر
ایسے اک مفلس کے ہاں گر بھول کر آ جاؤ تو

سرخ چشم اتنی کہیں ہوتی ہیں بیداری سے
لہو اترا ہے تری چشم میں خوں خواری سے
وقت رخصت سے تری ، اے مرے جی کے دشمن
تھام تھام آج رکھا اہل کو میں کس خواری سے
جی میں جو آوے سو کیجے پہ میں پوچھوں ہوں یہی
کچھ مجھے یاد بھی آتا ہے دل آزاری سے

کون کہتا ہے یہ تجھ سے کہ تو دے داد مجھے
ٹک تو دل کھول کے کرلینے دے فریاد مجھے
بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام
(۴۹ الف) آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے
آئے تو حد سبک تھے پہ کتنے گراں چلے
گر وقت قتل نالہ کیا میں تو کیا ہوا
پیارے کسی کا ہاتھ ، کسی کی زباں چلے

جب سے دیکھی ہے ترے حسن کی تاب
منہ پہ سورج کے آفتابی ہے
عاشقوں کو گنے ہے تو مجھ پاس
کتنی یہ بات بے حسابی ہے

زلف و رخ تیرا کیا میں انتخاب
روز سے ، شب سے ، سحر سے ، شام سے
دیجو مت ایذا ہمیں اے شور حشر
خوش پڑے ہیں اپنے اک ایام سے

سوفتہ[۱] سینہ زنی سے جو ہمیں تار ملے
پھر گریبان کا کیا معنی جو اک تار ملے
عید تھی ، صبح گیا اس کے میں جوا ، توں نزدیک
ہنس کے بولا کہ بے چل تجھ سے تو بیزار ملے

کیا ایمان گم در پر ترے ، کوچے میں جاں بھولے
پہ یہ معلوم نہیں ہم کو کہ دل تھا سو کہاں بھولے
وہ حق غیر میں ہوتا ہے دم میں کچھ ، گھڑی میں کچھ
یہ میرے قتل کی تدبیر ہے اس کو کہاں بھولے

ہائے رے اس نوجوان کو دیکھیو جوں شاخ گل (۹۴ ب)
کیا بچے گا باغ میں آتا ہے ظالم ناز سے

---

۱ — سوفتہ بہ معنی فرصت ، دلی میں آج بھی بولا جاتا ہے ۔

موتیوں کے ڈھیر کم دیکھے ہیں یاروں نے پڑے
گود میں آنکھوں سے ہے سلک گہر آ جاؤ تہ
روشنی کے جھاڑ کے مانند جلوہ سے تنک
ہاں صف مژگاں پہ اے لخت جگر آ جاؤ تو
جی سوا کیا ہے کرے ایثار جو تجھ پر امیر
ایسے اک مفلس کے ہاں گر بھول کر آ جاؤ تو

سرخ چشم اتنی کہیں ہوتی ہیں بیداری سے
لہو اترا ہے تری چشم میں خوں خواری سے
وقت رخصت سے تری، اے مرے جی کے دشمن
تھام تھام آج رکھا ہے کو میں کس خواری سے
جی میں جو آوے سو کیجے پہ میں پوچھوں ہوں یہی
کچھ تجھے یاد بھی آتا ہے دل آزاری سے

کون کہتا ہے یہ تجھ سے کہ تو دے داد مجھے
ٹک تو دل کھول کے کرلینے دے فریاد مجھے
بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام
(۱۹۳ الف) آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

کن حسرتوں سے چھوڑ کے ہم یہ جہاں چلے
آئے تو حد سبک تھے پہ کتنے گراں چلے
گر وقت قتل نالہ کیا میں تو کیا ہوا
پیارے کسی کا ہاتھ، کسی کی زباں چلے

جب سے دیکھی ہے ترے حسن کی تاب
منہ پہ سورج کے آفتابی ہے
عاشقوں کو گنے ہے تو مجھ پاس
کتنی یہ بات بے حسابی ہے

زلف و رخ تیرا کیا میں انتخاب
روز سے ، شب سے ؛ سحر سے ، شام سے
دیجو مت ایذا ہمیں اے شور حشر
خوش پڑے ہیں اپنے اک ایام سے

سوفتہ[۱] سینہ زنی سے جو ہمیں یار ملے
پھر گریبان کا کیا معنی جو اک تار ملے
عید تھی ، صبح گیا اس کے میں جوں توں نزدیک
ہنس کے بولا کہ بے چل تجھ سے تو بیزار ملے

کیا ایمان گم در پر ترے ، کوچے میں جاں بھولے
پہ یہ معلوم نہیں ہم کو کہ دل تھا سو کہاں بھولے
وہ حق غیر میں ہوتا ہے دم میں کچھ ، گھڑی میں کچھ
یہ میرے قتل کی تدبیر ہے اس کو کہاں بھولے

ہائے رے اس نوجوان کو دیکھیو جوں شاخ گل (۹۴ ب)
کیا بچے گا باغ میں آتا ہے ظالم ناز سے

۱ــ سوفتہ بہ معنی فرصت ، دلی میں آج بھی بولا جاتا ہے ۔

پوچھا میں : مرا دل تو نہیں زلف میں تیری
بل کھا کے لگا کہنے : میاں لیتے ہو، ہاں ہے
جوں نقش قدم تام کو ہستی ہے ہماری
اک باؤ کے جھونکے میں نہ ہم ہیں نہ نشاں ہے

چھلے[1] ہے مجھ سے اک پیر کہن کو
تنک دیکھو تو طور اس نوجواں کے
چلے ہے ہم سے کیوں[2] مکڑا کے اتنا
ابے سنتا ہے او اکڑلت[3] بانکے

رو پوش تو ہو جاؤں میں اب اس کی جفا سے
پر حشر میں ہوں رو بہ رو کس طرح وفا سے
پوچھا میں : کبھی ہم سے بھی ملیے گا ؟ کہا خیر
بولا میں : جو مر جاؤں ، لگا کہنے : بلا سے !
سلطانیٔ دنیا پہ سکندر ہی ہو راضی
کونین تلک ہم کو تو جھگڑا ہے خدا سے
سچ کہیو امیر آج ملا کیا نہیں وہ شوخ
کچھ تو نظر آتے ہو ہمیں یار خفا سے

---

۱ - چھلے ہے (چھلنا-مصدر ، بفتح اول)چکمہ دینا ، بے وقوف بنانا ۔
۲ - مکڑانا ۔ اکڑنا ، ناز سے چلنا ۔
۳ - اکڑنت، اکڑ سے اسم فاعل ۔ ہندی قاعدے سے ، جیسے دھن سے دھنونت ۔

کیوں نہ کاڑھے گا اب نئی چالیں
کہنے میں غیر کے وہ چلتا ہے
جاہ دنیا پہ اعتماد ہی کیا
مہر بعد از عروج ڈھلتا ہے

وہ با وفا نہیں گو، یار بے وفا تو ہے
بلا سے قتل کیا مجھ کو، پس چلا تو ہے
میں نامہ بر سے کہا، کچھ دیا ہے تجھ کو جواب (۵۹۱ الف)
کہا، میں بھولا ہوں، ہاں آن نے کچھ کہا تو ہے

آگے اس بت کے، شیخ تو کیا ہے
گر خدا آوے، رام رام کرے
لے وہ مجرا ترا گر آج امیر
تو یہ بندہ تجھے سلام کرے

به از شعر کسے است که می گوید :
اگر وہ صبح کو مجرا کسی کا لینے کو
نکل کے گھر ستی آوے تو ہم سلام کریں

امیر :

دیکھ اس شعلہ رو کو منہ اپنا
شمع فانوس میں چھپاتی ہے
اس مرے شعلہ رو کو مجلس میں
شمع انگشت سی بتاتی ہے

بسان شمع کہے کیوں کہ راز دل کوئی
بغیر بات کے یاں تو زباں لگتی ہے

نہ سجدے سے خوشی ہوں ، نے عبادت سے کبھی راضی
نئی اک طرح کی بہتر بتاں سے بھی خدائی ہے
کوئی میں تجھ سے ہرجائی سے کرتا ہوں گا یارانہ
کسی سے تجھ کو سائی ہے کسی سیتی بدھائی ہے

ٹھہریں نہ رو میں اشک کی سینے کے آبلے
کیا تاب ہے جو موج سے ٹکر حباب لے
میں عرض کی کہ قتل ہے میرا نپٹ ثواب
بولا کہ کون مار کے تجھ کو عذاب لے
(۹۵ ب) اہل فنا کو سانس بھی لینا محال ہے
رو بیٹھے زندگی سے جو ٹک دم حباب لے
دن کو جو مہر دیکھے تو صدقے ہو تجھ اُپر
شب کو بلائیں منہ کی ترے ماہ تاب لے

تو بند جامہ کو گل رخ ہنسی سے کھولے ہے
یہ جی کسی کا نہ جوں بوے گل نکل جاوے
کیا میں عرض کہ جا ہے امیر گھر سے ترے
کہا : شتابی ہے کیا اتنی ، کہہ کہ کل جاوے

اس منہ پہ کھلے زلف تو از بہر قدم بوس
شام آوے ادھر سے تو اُدھر سے سحر آوے

کرتا ہے تو کیوں قصد رلانے کا مرے کیا
طوفان کی خواہش ہے کہ بار دگر آوے

منہ ترا شب کو دوپٹے سے جو باہر ہووے
کس طرح چاند بھلا اس سے برابر ہووے
دل میں تصویر بتاں رہتی ہے میرے دن رات
طرح اس گھر کی ، سراپا جو مصوّر ہووے
سنبل آج اپنی لپٹ طیب پہ مکڑاتی ہے
کھول دے زلف کہ سب باغ معطّر ہووے

ہائے رے سرخی ترے چہرے کی ہنگام عتاب
جس قدر بگڑے ہے اتنا ہی سنور جاتا ہے
رہ کے اے نور بصر کیا تو کرے گا مجھ پاس
آج کہتے ہیں کہ وہ نور بصر جانا ہے (۹۶، الف)
کیا بری وضع ترے دل نے نکالی ہے امیر
وہیں پھنس جاتا ہے یہ کم بخت جدھر جاتا ہے

روز سیہ میں سایہ بھی اپنا نہیں رفیق
بس رکھیے اور کس سے توقع نباہ کی
این شعر بعینہ ترجمہ شعر ہمایون بادشاہ است :

ہمایون :

بہ روز بد کسے جز سایۂ من نیست یار من
ولے این ہم ندارد طاقت شبہاے تار من

از مسدسات اوست

شادی ہوئی نصیب ترے گر دلا تو کیا
باغِ جہاں میں مثلِ چمن تو کھلا تو کیا
جوں غنچہ ، لب ہنسی سے بھلا ٹک کھلا تو کیا
مانند گل کے ، خندہ تجھے گر ملا تو کیا
صبح شگفتگی ز شفق بے بقا تر است
خو کن بگریہ ، خندہ ز گل بے وفا تر است

چل باغباں تو دے ہے کسے مژدۂ بہار
جا عندلیب ، کرتی ہے کیوں نالہ بار بار
کس واسطے صبا تو کرے ہے وہاں گذار
بس الفت چمن نہ کھٹک دل میں مثل خار
مارا ہوائے گلشن و باغے نماندہ است
اے بوئے گل برو کہ دماغے نماندہ است

کل پھول میری خاک پر اے مایۂ غرور
(۹۶ ب) لایا ہے تو کیوں نہ مری جاں کو ہو سرور
لیکن یہ عرض حال ہے کرنا مجھے ضرور
ظالم لگے نہ ٹھیس کہ ہو جائے چور چور
نازک تر است شیشۂ دل در کنار من
آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار من

اے ابر بار بار تو آیا نہ کر ادھر
کم مایہ جوں صدف نہ ہمیں جان اس قدر

احسان قطرہ اتنے لیے لیں کہ ہو گہر
تو کیا ہے جس سے کیجیے اپنے لبوں کو تر
تانشگی بہ دجلہ و جیحوں نمی دہم
یک العطش بہ صد روش خوں نمی دہم

جوں سحر تجھ پہ دن دو میں قرباں ہوا نہ شب
تجھ بزم بیچ کب نہ جلا مثل شمع شب
ان آنے مجھ سے کام جو کچھ کرچکا میں سب
اس پر بھی گریو میں ہے ترا رات دن غضب
جز ترک عشق باتو ستم کار چارہ نیست
آخر دل است جان من ایں سنگ خارا نیست

چھوڑا میں اس سلوک سے شب کوے یار کو
سونپا قرار و صبر قد طرح دار کو
جی تھا سو وہ دیا دہن غنچہ وار کو
اور کی نیاز جان خط مشک بار کو
دل را بدام زلف چلیپا گذاشتیم (۱۹۷ الف)
دیوانہ را بہ حال خودش وا گذاشتیم

حد سے زیادہ خوب نہیں بولنا مدام
بحر سخن کا گو کہ کھلا تجھ پہ در تمام
گو جوں در یتیم ترا ہے ہر اک کلام
لائق نہیں امیر، اب آگے زباں کو تھام
کم کن سخن کہ خاطر دل دار نازک است
بار گہر نمی کشد ایں تار نازک است

محرم کبھی تھا تو کہ ہے مرنا ترا غضب
بارے یہ عقدہ دیر سے تجھ پر کھلا ، تو اب
تھا نزع میں حضور ترے میں جو وقت شب
دیکھا نہ تو نے کیوں کہ بصد خندہ و طرب

جانم ز سینہ بر زدہ داماں برآمدہ
گویا بہ عزم خدمت جاناں برآمدہ

تیری گلی میں آج جو گذرا میں ناگہاں
دیکھا بری طرح کا وہاں حال عاشقاں
کوئی مرے تھا ، کوئی تڑپتا تھا نیم جاں
کوئی زخمی تھا کسی کے تھے سب چور استخواں

اے ترک شوخ ایں ہمہ ناز و عتاب چیست
با دل شکستگاں ستم بے حساب چیست

اہل ہنر اس اپنے زمانے کے کینہ ور
رکھتے ہیں رشک دل میں، مرے دیکھ کر ہنر
لیکن نہیں ہے حال سے میرے انھیں خبر
فضل و کمال آج میں رکھتا ہوں جس قدر

گردوں در آتش حسد از جوہر من است (۱۹۷ ب)
پرواز من بلند تر از اختر من است

رباعی

جب آنکھ لڑائی میں تو وہ بولا واہ
منہ دیکھو تو ان کا ، اور یہ ان کی چاہ
جب بوسے کو میں کہا ، تو اٹھ بولا یوں
خوب ہی خاطر کی ، واہ سبحٰن اللہ

قطعه

شعر جس داب سے کہے ہے امیر
رو بہ رو اس کے فارسی کیا ہے
دیکھو لو کیوں نہ لے کے اس کے سخن
ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

مثنوی در شدت برسات

اب کی کیا برسات نے ڈالی ہے دھوم
ہر طرف بادل رہے ہیں جھوم جھوم
اس برس کیا ہے گروہ ماہی کا اوج
ہر گھڑی آتے ہیں بادل فوج فوج
اس طرح گرتا فلک سے آب ہے
چرخ نہیں پھرتا گویا دولاب ہے
ٹپکنا[1] بادل کا نہیں ہوتا ہے کم
ہووے جوں نزلے کی ریزش دم بہ دم
مینہ کا جاری ہے اتنا سلسلہ
ڈورے کی باف ہے گویا خلا
آب کے رہنے کی اوپر جا کہاں
ہوگیا غربال آبی آسماں
کس طرح کی اب کی یہ برسات ہے
خلق کو سارا دن آدھی رات ہے
مینہ اس شدت سے برسے ہے مدام (۱۹۸ الف)
بھیگنے کے خوف سے ہر صبح و شام

---

۱ - ٹپکنا - بسکون دوم و فتح سوم ، یہ استعمال نادر ہے -

نہیں شفق ، جو لازم برسات ہے
چرخ پر بھی چادر بانات ہے
مینہ کی شدت سے ہر تالاب پر
سبز کاہی کا ہے پٹو آب پر
سر پہ رہ روکے ہے چادر اس طرح
چادر آبی پڑے ہے جس طرح
گھر میں ہی تنہا نہیں لگنی ملی
ہے ہر اک کوچہ چکابو کی گلی
آ سمندر کے ، کھلے ہر گھر پہ راز
ہیں پلنگ پانی میں یوں جیسے جہاز
گھر میں جو باسن ہیں سیدھے سو غراب
اور جو الٹے ہیں سو مثل حباب
سیل نے ڈالیں بنائیں سب اکھاڑ
ڈھ کے بستی ہوگئی مٹیا پہاڑ
تھا جو کچا گھر ، 'گلاوہ' ہوگیا
اور جو پکا تھا پڑاوہ ہوگیا
بس کہ نت طوفان کی حالت رہے
خلق بسم اللہ مجریہا کہے
ہول سے بارش کی بادل رو گیا
پیٹ میں گردوں کے پانی ہوگیا
بس کہ ہر اک دشت و در پر آب ہے
اب بگولے کی جگہ گرداب ہے

---

۱ ۔ گلاوہ ۔ گل آبہ (گارا)

بے سبب تو نہیں امڈنا ، تال کا
پردہ شاید پھٹ گیا پاتال کا
لے زمیں سے آسماں تک سب ہے غرق
طور ماهی کے کبھی اچھلے ہے برق
موسم برسات یہ کیا قہر ہے (۱۹۸ ب)
آسماں پر کہکشاں کی نہر ہے
چرخ کی بھی نہیں ہے اگلی چال ڈھال
اس برس چلتا ہے پن‌چکی کی چال
جوف ، مثل طاس مالا مال ہے
مہر جس پر ناسهٔ گھڑیال ہے (کذا)
اس قدر ہے ہر طرف طوفان آب
آسماں بھی جس میں ہے مثل حباب
شکل کیا بدلی ہے سب نے اس برس
چرخ یوں گھومے ، بھنور میں جیسے خس
ہے اس عالم کی خبر گر روح کو
خوف اس طوفاں کا ہوگا نوح کو
ہائے یہ برسات یارو یا ہے قہر
بھوک سے مرتے ہیں اہل دیہہ و شہر
آگ ملتی نہیں جو کوئی روٹی پکائے
گھول آٹا مثل ستو خلق کھائے
آگ سے کس طرح ہو ربط تنور
یاں تو خود طوفان کرتے ہیں ظہور
دیگداں سے دیکھیے سب بہہ گئے
چولھے اپنے منہ کو کھولے رہ گئے

اس طرح پانی میں غائب ہوگیا
جانیے مچھلی تھی یا ماھی توا
آگ مستعمل ہے پانی کے محل
لوگ پھونکیں آگ اور کہتے ہیں جل
اور کھانے کا تو کیا امکان ہے
ہاں مگر چاھو تو آبی نان ہے
(۹۹ الف) بسکہ اب پہنچا ہے پانی تا سپہر
نت اُچھلتا ڈوبتا پھرتا ہے مہر
مینھ کی شدت سے یہ کانپے ہے آب
موج کے سر پر ہے چھتری ہر حباب
بھیگنے کی نہیں زبس طاقت رہی
کرتا ہے گرداب بھی پہلوتہی
یہ طراوت ہر جگہ میں عام ہے
خشک کا اس رت میں ترنم نام ہے
کیسی ہی رنڈی[۱] کوئی خشکی[۲] لگائے
طعن پنہائی[۳] کا اُس پر سے نہ جائے
آب کی کثرت تنک تو دیکھ تو
کاغذ تصویر میں بہتی ہے جو
تیر باراں ابر ہی ہے دم بہ دم
موج کی دریا رکھے منہ پر جھلم

---

۱ - رنڈی - عورت
۲ - خشکی - پلیتھن
۳ - بفتح اول بمعنی گیلا پن

ہووے ہے یوں طبقۂ ارضی سے پار
ہے گویا ہر بولد بوندی کا کٹار

تھے ثمہ جو بھر دنیا کے امیر
قول اب اُن کا ہے پانی کی لکیر

ہووے جب یہ آب سے حالت تباہ
کیوں نہ رووے پیٹ کر سر کو سپاہ

خانساماں سے کرے ہے جو سوال
ہے مری تن‌خواہ ، زر جلدی نکال

یہ کہے مذکور کیا اس بات کا
ہے خزانہ تو خزانہ آب کا

جوں زر محلول سب زر آب ہے
سیم تھا سو صورت سیماب ہے

جائے خشک عالم سے ہے اب ناپدید (۱۹۹ ب)
ہو رہے بازار و کوچے سب پلید

چپقلش کیچڑ کی ایسی ہو رہی
آرہا ہے ناک میں عالم کا جی

گر کوئی نکلے ہے گھر سے گاہ گاہ
ہو نہیں سکتا ہے جوتی کا نباہ

اس غضب میں ہائے سارا گاؤں ہے
جوتیاں واں آپ ننگے پاؤں ہے (کذا)

اس قدر کپڑوں پہ کیچڑ کی ہے دھوم
شہد پر جیسے مگس کا ہو ہجوم

کیا کہوں کس مرتبہ ہے خلق خوار
گھوڑے سے لے کر ہے خواری تا سوار

گر کوئی نقرہ[1] کبھی کیچڑ میں جائے
چھینٹوں کی افراط سے مگسی کہائے
پس جب اتنا ہوئے کیچڑ کا وفور
بچ کے کیچڑ سے کوئی کیوں کر ہو دور
کیچ سے خالی نہیں کوئی مکاں
آنکھ کے کوئے میں ہے کیچڑ نہاں
کیچ نے کھویا ہے یاں تک نام و ننگ
اس قدر اب رت سے جی آیا ہے تنگ
نام بارش مت زباں سے کوئی لو
سال کو بھی برس[2] کہنا چھوڑ دو
بس امیر اتنا نہ کر منہ کو خراب
ہو ہے وہ شکوے سے تیرے آب آب
گر بڑھاوے گا تو یہ قصہ یوہیں
کاغذ ابری چھٹ اب کاغذ نہیں
(۲۰۰ الف) کب تلک سوچے گا یاں کا زشت و خوب
فکر کے دریا میں بس اتنا نہ ڈوب

مثنوی در کثرت مگس گفتہ

مکھیوں کا ہوا ہے اب کی یہ زور
ایک انساں تو مکھیاں ہیں کڑور
اس قدر کررھی ہیں یہ انبوہ
بھر گئے جن سے باغ ، دشت اور کوہ

---

۱ - گھوڑے کی قسم
۲ - برس = بسکون دوم -

میں تو دیکھا نہ تھا کہیں یہ ہجوم
...ں جو انھوں نے ڈالی ہے دھوم
جس طرف دیکھیے یہی ہے خلل
جیسے اڑتا پھرے ہے ٹبڑھی دل
بھنبھناتی ہیں اس قدر شب کو
نیند دوبھر پڑی ہے یاں سب کو
کچھ صدا گوش میں جو آتی ہے
کان میں مکھی بھنبھناتی ہے
شہ ، گدا ، مرد و زن ، امیر و وزیر
یک جہاں ہے اسی بلا میں اسیر
صاحب آگاہی ، قے کرے ہے نفر
اس طرح زیست کیوں کہ ہووے بسر
ایسا ہی گر انھوں کا ہے گا ہجوم
کھانا کھانا تو خلق کو معلوم
خشکا کیسا ہی کوئی چھپ کے پکائے
سو طرح دیگچی کے منہ کو چھپائے
تس پہ بھی اس قدر گریں یہ تو
ایک چاول تو مکھیاں ہیں دو
منہ کو یاں دیگچی کے جو کھولے
پیٹ کر سر کو اپنے یہ بولے (۲۰۰ب)
یہ تو خشکا تھا یارو کریو نظر
ماش کی کھچڑی ہوگئی کیوں کر
دامنوں میں ہے مکھیوں کا ہجوم
جیسے فانوس بیچ کیڑوں کی دھوم

چولیوں کا تو کیا کہوں احوال
اس طرح بھر رہی ہیں جیسے محال
منہ کھلے گر کرے کوئی بھی خواب
اتنی مکھییں بھریں کہ ہو نہ حساب
دیکھے جو اس کو وہ کہے یہ سخن
ہے یہ کلھیا عسل کی یا کہ دھن
کوئی اس پر گماں کرے بل کا
کوئی بتاوے ہے آنب کا چھلکا
بیٹھے منہ پر تو پھر نہ جا مکھی
ہے گی بندوق کی گویا مکھی
جو سپاھی ہے یاں کہے ہے یہ بات
ھووے یا رب نہ اب کی موجودات[1]
ورنہ ھووے گا کس طرح کا غضب
سوخت ھووے گی ابتدا سے طلب
چہرے کیوں کر سہی ہوں آج کے روز
ہوگیا مکسی تھا جو گھوڑا یوز
مکھیاں گر نکلتی ہیں گھر سے
کون صرفہ کرے ہے یاں زر سے
پاس جو ھو سو دیں گے جز ناموس
یہ کہے ہے ہر ایک مکھی چوس
(۲۰۱ الف) کب تلک یہ امیر ہم چو مگس
یہ بھی اے بے خبر کوئی ہے ہوس

---

۱ - موجودات = حاضری -

بس، بہت بڑھ چکی ہے اب تو یہ بات
رکھ دے خامے کو اور ڈھپ دے دوات
کیوں یوہیں وقت کو کرے ہے صرف
تو لکھے گا ، وہ چاٹ جائیں گی حرف

دیگر قصائد آں امارت پناہ نہایت پر زور و رنگین هستند خصوصاً قصیده نعت و قصیده سامان هولی که در تتبع قصیده رزمیه بهار مرزا رفیع گفته ، همه انتخابی است تا کجا نوشته شود ۔

(۱۷۲) عاصی

نواب عبدالله خاں عاصی پسر کلاں نواب علی محمد خاں مرحوم ، جوانے بود صاحب تهور و شجاعت ، معدن سخاوت ، جامع جمیع هنر و نهایت دست کار و السنهٔ ترکی و فارسی وغیره صاحب اقتدار ، بایں علائق دنیاوی قدر رتبهٔ زر پیش همت خود هم چو خس نمی پنداشت و در لباس دنیاداری طریقهٔ تجرید و فقر را در دل چناں دوست می داشت که به سبب همت ذاتی وقت رحلت ازیں جهاں ، بعد از خانهٔ آں عالی همت والا اقتدار یک گز پارچه کفن بر نیامد تا به دیگرے چه رسد ۔ در اکثر (۱۰۲ ب) فنون ، خصوصاً علم موسیقی و نقاشی و کشیدن تصویر ، دسترس کمال داشت ، فاما این فلک حساد ، سفله ایجاد ، رخصت وقت نداد ۔ چند سال شد که ازیں جهان نا پایدار از زهرمار سفر کرد ۔ حق تعالیٰ غریق رحمت کناد ۔ مشق شعر فارسی بسیار می کرد ، ذهن بجا و فکر رسا و حوصله عالی و وضع لاوبالی داشت ، یک فرد هندی به نام او مشهور است :

نگہ کے نیشتر سے کیا رگ جاں صاف کھولی ہے
یہ نازک کام تھا پیارے اسے فصّاد کیا جانے

(۱۴۳) نواب عنایت الله خاں

نواب عنایت الله خاں خلف رشید حافظ رحمت خاں ، جوانے بود عالی حوصله و خوش سلیقه ، حاتم زمانه در جرأت و شجاعت یگانه ، مجمع قابلیت و استعداد ـ درعین عنفوان جوانی ازیں جهان فانی هزاران داغ و حسرت جاودانی هم راه خود برده ، آں حافظ حقیقی به فضل یزدانی و عنایت ربانیؒ خود غریق رحمت کند ـ طبعش صائب و فکرش مناسب بود ، این مطلع ازوست :

کل مرے دیوانے دل کی قید کی تدبیر تھی
(۲۰۲ الف) زلف کا کھلنا نہ تھا گویا وہی زنجیر تھی

(۱۴۴) محبت

نواب محبت خاں برادر خورد نواب عنایت الله خاں ، جوانےست نازک طبع ، خوش قماش و خوب صورت مجمع استعداد و قابلیت ، معدن محبت ، مخزن مودت ، حافظ رحمت الٰهی ، مبدأ فیض لا متناهی مورد عنایت ربانی ، مصدر ارادت کامرانی، صاحب عظمت و حشمت ، عمرش بے پایاں و حرمتش جاوداں من کل الوجوه باد ، ذهنش رسا و سلیم وطبعش درست و مستقیم است ، اشعارش بسمع فقیر نرسیده مگر غزلے تازه مرثیه نما که دربیان مفارقت اقربا و آوارگی وطن و مهاجرت خویشاں و حالت پر ملالات خود مشتمل بر غم و الم و اندوه و بلا که برسرش کم از واقعهٔ کربلا نه بود ، وقتے که از پدرش حافظ رحمت خاں ، و افواج فرنگ اتفاق جنگ افتاده و خان موصوف از زخم گوله مورد رحمت الٰهی شد ، و شهید اکبر گشته و مردانه وار جان داده ، موزوں نموده ، چند بیت آں بسمع رسیده (۲۰۲ ب) ازوست ؛

پہنچ گئے سبھی تجھ تک کسی قرینے سے
پہ ہم ھی رہ گئے سر کو پٹکتے زینے سے
وطن کو چھوڑ کے جاتے ھیں اس طرح مجبور
چلے تھے اھل حرم جس طرح مدینے سے
کیا جو چاھے کوئی نام کے تئیں مشہور
تو رو سیاھی تنک سیکھ لے نگینے سے
پلک کے مارے دم میں آٹھے وھیں طوفان
جو اشک جاری ھو ٹک چشم کے سفینے سے
قضا و قدر محبت یہی تھا جو کہ ھوا
وگرنہ کچھ نہیں ھوتا کسی کے کینے سے

وہ کیا ھی وقت تھا پیارے ہزار حیف کہ تم
اکیلے ھوتے تھے کوچے میں اپنے سنگ اور شب
نہ قافلہ و نہ رھبر کوئی نہ رہ معلوم
نہ ہم کو آتی ہے کچھ بھی صدائے زنگ اور شب
گئے کدھر وہ مجھے چھوڑ ھمرھاں افسوس
کہ ھوں میں دشت میں اور خطرۂ پلنگ اور شب
غزل کہی یہ محبت نے یارو رو رو کر
کہ بیٹھا درد میں تھا وہ کنار گنگ اور شب

ایں چند غزلیات تازہ آں مخزن محبت کہ بعد اصلاح جرأت[1] بسمع رسیدہ بہ تحریر می آید ، ازوست :

هوتا ہے ابھی حاصل سب کام محبت کا (۳۰۲ الف-
دے اس کو خداوندا تو جام محبت کا

---

۱ - فی الاصل : حسرت -

ثابت قدم الفت میں رکھیو آسے مرنے تک
تو نام نہ ہو جاوے بدنام محب کا

اتنا تو سمجھ کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کچھ تو مجھے کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
تہمت مجھے کچھ کہنے کی مت دے کہ یہ میری
خاموشی ہی گویا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
وہ شوق سے بد کہتا ہے مجھ کو پہ محب[1]
کیا جانوں سبب کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

خانۂ غیر میں کرتے ہو مری مہمانی
واہ وا زور یہ سیکھے ہو مدارات کا ڈھب

ترے بغیر تھی یہ دل کو بے قراری رات
کہ کل[2] پڑی کسی کروٹ نہ مجھ کو ساری رات
شب فراق ہے یا آسمان غم ٹوٹا
الٰہی ہوگئی یہ مجھ پہ کیسی بھاری رات
شب وصال میں بھی مجھ پہ اک بلا ٹوٹی
محبت اس نے جو کاکل ذرا سنواری رات

دید زمانہ کرتے ہیں ہم چشم خانہ میں
اڑتا ہے اپنا مرغ نگہ آشیانہ میں

---

۱ - اصل : مجھ کو یہ محب -
۲ - اصل : وکل -

(۳۰۲ب) دل خشک ہے ، کہاں سے بہے اشک چشم سے
فوارہ آب چھٹے جو ہو پانی خزانے میں

جنوں ہے . میں ہوں اور رونا ، اگرچہ جگ ہنسائی ہو
ہوا میں یک طرف ، گو یک طرف ساری خدائی ہو
بسان شمع گردن کاٹیے اے شعلہ خو . وو ہیں
زباں پر اپنے سوز دل کی گر یدہ بات آئی ہو
مرے دل کی غذا خون جگر تھا غم میں اے یارو
اب اس مفلس کے ہاں شاید کسی دن بے صفائی ہو
خدا جانے کہ روز جنگ اس کا آہ کیا ہوگا
وہ دن ہے صلح کا ، جس دن مری اس کی لڑائی ہو
سنا میں نے ، رہا وہ باز اب قتل محبت سے
کسی دشمن ہی نے یا رب اوائی یہ اڑائی ہو

دلبر تو مرا کل سے نہیں پہلو میں میرے
آج اور تماشا ہے کہ دل بر میں نہیں ہے

دل جو جاتا ہے چلا جائے کہیں مجھ کو کیا
اس کی رسوائی کو کہتا ہوں ، نہیں مجھ کو کیا

اگر دیکھے ذرا آ کر ہماری چشم گریاں کو
کہے نوح الاماں اور بھول جاوے اپنے طوفاں کو
یہی ہے مدعا تیرا نہ دیکھوں میں سو ہے حاصل
بہ وقت ذبح تو مت باندھ میری چشم حیراں کو

(۴۰۲الف) مثل مجنوں بہت آوارہ پھرایا مجھ کو
تیری وحشت نے جو سودازدہ پایا مجھ کو
میں نے چاھا تھا ترے عشق میں غم کھاؤں گا
لیکن افسوس ترے غم ھی نے کھایا مجھ کو
بیٹھنے دیوے نہ وہ بزم میں اپنی جو مجھے
تو اٹھا لیجو اسی وقت خدایا مجھ کو
اے جفا کار مری الفت غارت گر کو
اس کا ویران ھو گھر جس نے بتایا مجھ کو

مرے رونے کو مت نیساں سے پوچھو
ذرا سا نوح کے طوفاں سے پوچھو
محبت کے سبھی اسرار یارو
اگر چاھو محبت خاں سے پوچھو

مری اس آہ سے دل اور جگر مرا ھی جلا
شکست فوج میں اپنی پڑے جوں بان پھرے

نہ میں دل کی خبر پائی کہاں ھے
نہ اس کو میری یاد آئی کہاں ھے
خط و کاکل میں ڈھونڈھوں دل کو کب تک
خدا جانے وہ سودائی کہاں ھے
پھروں ھوں جستجو میں جس کی ھر جا
مرا وہ یار ھر جائی کہاں ھے

گنوائی عشق میں سب عقل تونے
محبت تیری دانائی کہاں ہے

پیام آمد کا یہ کس کی صبا کے ساتھ آتا ہے
کہ گل آپ ہی کھلا جاتا ہے، غنچہ مسکراتا ہے (۳۰۲ ب)
کسی خوش چشم کی ہے پاسبانی یہ جو گلشن میں
گل نرگس کھڑا ادھر ہمیں آنکھیں دکھاتا ہے
بہار آئی ہے مجھ نالاں کو لے چل ساتھ اے گل رو
کہ ہر مرغ چمن پھر اب نئی آوازیں سناتا ہے
بلند آواز سے کہتا ہوں مجنوں کی گئی نوبت
محبت آج ملک عشق میں ڈنکے بجاتا ہے

اس کی زلف و رخ کو جا دیکھا کیا کر رات دن
چاھتا ہے دل اگر تو سیر شام و روم کی
نامہ جو پھینکا مرا اس نے خدا جانے کہ آہ
ولولے میں شوق کے کیا بات میں مرقوم کی
ہوں محبت آج میں چودہ طبق کا بادشاہ
بس کہ ہے مجھ کو غلامی چار دہ معصوم کی

کبریائی سے وہ بت پاس مرے رات آیا
ایک مدت میں مجھے شیخ، خدا ھات آیا
لایا پیغام، کہ خط بار دگر مت لکھنا
قاصد آیا تو ادھر لے کے نئی بات آیا

دل مری جان کا و بال ھوا
آہ جینا مجھے محال ھوا
عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے
آج چہرہ مرا بحال ھوا
غیر کو پشم ھم سمجھتے ھیں
گو تری ناک کا وہ بال ھوا
دل دھی کا جواب تھا کب سے
(۲۰۵ الف) آج جی کا نیا سوال ھوا
غیر کے گھر رکھا قدم تو نے
دل محبت کا پائمال ھوا

کو ھوئی ظاھر محبت اشک باری کے سبب
پر جو ھم رسوا ھوئے سو تیری یاری کے سبب
مت خفا ھو مجھ سے تو واللہ میرا ھاتھ بار
جا پڑا تیرے گلے بے اختیاری کے سبب

زندگی اپنی ھے اس عالم اسباب میں خواب
اس میں گر وصل ترا ھو تو یہ ھے خواب میں خواب

نکلا جو رشک مہر تو گھر سے قرین صبح
دیکھے سے تیرے ھو گئی روشن جبین صبح
خط شعاع دیدۂ خورشید تو نہ جان
ھے تیرے دیکھنے کے لیے دوربین صبح

آیا فراق لے کے اجل ، یک نشد دو شد
یہ آج ہوئی درست مثل ، یک نشد دو شد
بنیاد کیوں کے چشم کی اب سیل اشک سے
پہنچا بنائے دل پہ خلل یک نشد دو شد
مدت سے میرے دل کو محبت نہ تھا قرار
اب جی کو بھی ذرا نہیں کل یک نشد دو شد

گر ابر ہو یاں اور وہ ہیہات کہیں اور
تو ہووے خدا ایسی تو برسات کہیں اور
کیا خوب رقیبوں کی ضیافت مرے گھر پر (۲۰۵ ب)
جا ایسی کیا کیجے مدارات کہیں اور
میں تحفہ سمجھ دل کو کیا نذر پہ ہائے
بولا کہ یہ لے جائیے سوغات کہیں اور
میں چاہا جو بوسہ دو لگا کہنے غضب سے
سنتا ہے محبت یہ رہے بات کہیں اور

چشم پر لخت جگر سے آئی خواری بیشتر
بیٹھ جاتی ہے وہ کشتی ہو جو بھاری بیشتر

تھا ارادہ تو، نہ آتے اب کی ہم تیری طرف
کیا کریں بے اختیار اٹھ گئے قدم تیری طرف
رام کرنے کی نہیں صیاد اس کی احتیاج
یہ دل وحشی تو خود کرتا ہے رم تیری طرف
غور کیجو ٹک محبت کی نگہ کی حسرتیں
نزع میں بھی دیکھتا ہے دم بہ دم تیری طرف

ق

سنتا تھا شب وہ قصۂ عشاق شوق سے
لیکن ہے اپنا طالع خوابیدہ یاں تلک
اے آہ کیا کہوں میں ، آسے نیند آ گئی
پہنچا جو قصہ خوان مری داستاں تلک

میں کہا، اک دل تھا سو تونے لیا میں کیا کروں
سن کے یوں بولا، مری جانے بلا، میں کیا کروں
(۲۰۶ الف) میں کہا ، مجھ پر جفا لازم نہیں ، کہنے لگا
بے وفا ہوتے ہیں سارے دلربا، میں کیا کروں
میں کہا، سینہ جلا ، دل بھی چلا جی بھی چلا
اس کی کچھ تو فکر تو مجھ کو بتا، میں کیا کروں
آہ ، میں یہ پوچھتا روتا رہا ، مانند شمع
اور وہ ہنس ہنس یہی کہتا رہا ، میں کیا کروں
میں کہا ، غم میں محبت مر گیا ، کہنے لگا ،
سن چکا ہوں ہاں‌موا وہ ، پھر بھلا میں کیا کروں

جیب پاؤ گے نہ ثابت نہ ہمارا دامن
گر تنک آپ نے جانے کو سنوارا دامن
سرخ سنجاف نہیں دورۂ دامن یہ میاں
خوں نے گھیرا ہے مرے آج تمھارا دامن
شورش[۱] عشق و غم یار نے پایا جو مجھے
بولا وہ لیجو گریباں ، یہ پکارا ، دامن

---

۱ ـ اصل : سوزش

هر روز تری جنگ کا اک ڈھنگ لیا ہے
آج آنکھیں ہی اڑجائیں کہ یہ جنگ لیا ہے
سچ کہہ کہ ملا ہے کف پا خون میں کس کے
مہندی کا نہیں رنگ، یہ کچھ رنگ لیا ہے
نت ساتھ بھی سونا سرے اور منہ بھی چھپانا
قربان درے ننگ کے، یہ ننگ لیا ہے
دو روز ابھی دل کو، محبت کی ہوا تو
مت چھیڑ، کہ یہ غنچۂ دل تنگ لیا ہے

اتنی دهشت[1] اسے کیا کہتے ہیں (۲۰۶ ب)
ہم سے وحشت، اسے کیا کہتے ہیں
ہم سے نت جنگ ہے اور غیروں سے
عیش و عشرت، اسے کیا کہتے ہیں
زلف پر دست درازی اے دل
بے اجازت، اسے کیا کہتے ہیں
اس قدر یار سے گرمی کرنا
کیوں محبت، اسے کیا کہتے ہیں

مذکور جو محفل میں ہوا دوش کسی کا
سنتے ہی ٹھکانے نہ رہا ہوش کسی کا
ذکر اس کا تو کرتا ہوں پہ یہ خوف ہے مجھ کو
ایسا نہ ہو اس بات پہ ہو گوش کسی کا

---

۱ - اصل: وحشت

جوں جام محبت ہمیں حاصل ہو عجب لطف
اس لب سے لگے گر لب مے نوش کسی کا

آج پھر برہم ہے وہ کافر مزاج
اس کو شاید کچھ کوئی سکھلا گیا
دیکھ کر بار جفائے دلبراں
اس محبت سے بھی جی اکتا گیا

پاوے گا یہ شفا دل بیمار دیکھ جا
اے عیسئ زماں اسے اک بار دیکھ جا
مرتا ہے کوئی دن کو محبت کی گر تجھے
منظور زندگی ہے تو اے یار دیکھ جا

کیا کہے گا خاک جا کر واں مرے پیغام کو
(۲۰۷ الف) تو تو قاصد نام اس کا سن کے گھبرانے لگا
غم میں ہوتا ہے تسلی بخش دل کا، طفل اشک
یہ خدائی ہے کہ لڑکا ہم کو بہلانے لگا
کیوں محبت ہم نہ کہتے تھے کہ آگے ہی سمجھ
دے چکا تو دل پھر اب کا ہے کو پچھتانے لگا

تری گلی سے دل افگار جو گیا سو گیا
عدم کو جیسے کہ اے یار جو گیا سو گیا
تو اس کے گھر کو تو ہنستا ہوا چلا اے دل
یہ وہ ہے قہقہہ دیوار جو گیا سو گیا

ناصحا میں کس طرح ہوں یار جانی سے خفا
کب کوئی ہوتا ہے اپنی زندگانی سے خفا
کس توقع پر لکھیں خط میں تجھے احوال ہم
یار ، تو ہوتا ہے پیغام زبانی سے خفا

کوئی ڈھب بھی تجھے آتا ہے وفاداری کا
یا کہ سیکھا ہے یہی شیوہ ستمگاری کا
اس کے کاکل میں تو جاتا ہے دلا بے وسواس
ہر شب تار میں ہے کام خبرداری کا
قید ہوتے ہی ہوا ، دونوں جہاں سے آزاد
میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ نازک بدن جدا
رہتی ہے تن سے جان جدا ، جاں سے تن جدا
وہ بت ہے میرے خانۂ دل ہی میں جلوہ گر (۲۰۷ ب)
ڈھونڈھے ہے جس کو شیخ جدا، برہمن جدا
سودا مرا تو تھا ہی محبت بلائے جاں
اس دل کا مجھ کو مارے ہے دیوانہ پن جدا

میں سنا ہے اب ترا بھی عشق پر آیا مزاج
اے بلا گرداں میں تیرے، یہ کدھر آیا مزاج
جو کوئی عاشق ہو سو جانے ہے درد عاشقاں
شکر ہے بارے ترا بھی اب ادھر آیا مزاج

تم تو کہتے تھے کہ دل دیجے کسی کو دوست جان
وہ تو تم سا بھی نہیں پیارے، مگر آیا مزاج

دشمن مرا صریح اسے جانتے ہیں آپ
اس پر سخن کو غیر کے اب مانتے ہیں آپ
ہمسر نہیں رقیب محبت میں ہم سے جان
یکساں ہی مجھ کو اور اسے گر جانتے ہیں آپ
تو تیغ کھینچ دونوں کے چہرے کو دیکھیے
آخر سپید و سرخ تو پہچانتے ہیں آپ

ستم ہے غنیمت، کرم ہے غنیمت
جو کچھ تجھ سے دیکھوں صنم ہے غنیمت
سمجھتا نہیں گر چہ تو اس کو زاہد
وہ کافر خدا کی قسم ہے غنیمت

یہ مہ نہیں فلک پہ تجھے دیکھتا مدام
پھرتا ہے آسماں لیے ہر ایک شب چراغ (۲۰۸ الف)

جانے دو، پھٹ یہ بوسے کا انکار کب تلک
لو اب بتاؤ، ہووے گا اقرار کب تلک

تجھ زلف کے تو ہاتھ لگانے کا ڈھب نہیں
اور میں جو دیکھتا ہوں تو اک دم میں شب نہیں

جو تجھ سے اے ستم گر اب جفا کاری نہیں جاتی
تو اپنے سے بھی یہ خوسی وفاداری نہیں جاتی

ہوا سر دار پر ہونے سے یوں منصور کے ظاہر
کہ بعد ازمرگ بھی عاشق کی سرداری نہیں جاتی

دل ترا ، چشم تری ، جان و جگر تیرا ہے
جس جگہ چاہے تو رہ آن کے ، گھر تیرا ہے
بل بے فرہاد ترے عشق کی گرمی اب تک
سنگ سے آگ جو نکلے ہے اثر ، تیرا ہے

جہان تیرے لیے گو ہرے محبت سے
یہ دخل کیا ہے کہ وہ مجھ سے ایک آن پھرے

ایں چند غزلیات تازۂ او کہ بہم رسیدہ بہ تحریر آمد ۔

---

(۱۷۵) مست

مصطفیٰ خاں مست تخلص، برادرخورد نواب محبت خاں موصوف، طبعش نسیار مناسب و موزون است (۲۰۸ ب) چند ابیات او بسمع رسیدہ ، ازوست :

ذرا بھی حشر سے ڈرتے نہیں جو عاشق ہیں
یہ فرقہ یارو نرالا ہے چاروں مذہب سے

ق

یہ دل ربا سے کہا میں نے : تیرے گھر اب تو
رقیب بیٹھتے ہیں آ کے صبح تک شب سے
کر ان کو منع ، نہ آیا کریں وگرنہ میاں
ہمیں نہ آیا کریں گے ترے یہاں اب سے

اکا وہ کہنے : تجھے کیا جو کوئی آتا ہے
تجھے تو کام ہے اے مست اپنے مطلب سے

میں تجھ کو چاہتا ہوں تو مجھ کو بھی چاہ یار
میں تو نباہتا ہوں پہ تو بھی نباہ یار
بے دیکھے تیرے جاؤں گا ہرگز نہ میں کہیں
تو مار خواہ میرے تئیں ، چھوڑ خواہ یار
جاوے گی یاں سے نعش مری تجھ کو دیکھ کر
چندر بدن ہے پیارے تو اور میں ہوں ماہ یار

بہت اس عاشقی سے تو خفا ہے
کبھی تو ہوئے عاشق تب مزا ہے
سبھوں کو کھا گیا تس پر نہیں سیر
عجب اس آسماں کی اشتہا ہے

سکھایا غیروں نے کچھ تجھ کو ، میں تو جانا ہے
ذرا ذرا میں خفا ہونا یہ بہانا ہے
اگرچہ جامہ ہوا سرخ خون سے میرا
(۲۰۹الف) تو تیغ اور لگا یہ تو میرا بانا ہے

نہ ہر دم گالیاں دے مست کو تو
زباں رکھتا ہے یہ بھی ، کچھ کہے گا

دل لے کے ایسی بات کہی ہم سے راز کی
اس یار نے ، کہ جان بھی ہم نے نیاز کی

ایسا ہے پاک جامہ سے آلود تیرا مست
سجادہ جان شیخ نے جس پر نماز کی

جنس دل مست اگر تجھ پہ بہت بھاری ہے
بیچ بازار بتاں میں کہ خریداری ہے
دیکھ کر نبض طبیب آج لگا یوں کہنے
کیا بچے گا کہ اسے سخت یہ بیماری ہے
لخت دل جائیں گے ہمراہ عزیزو افسوس
آج پھر قافلۂ اشک کی تیاری ہے
چھوڑ کر مال تو اے مست قلندر ہو جا
کوچ کے وقت بہت اس میں سبکباری ہے

وضو سے کیا تو اپنا جسم ظاہر پاک کرتا ہے
کدورت دل سے دھو جو مست باطن کی صفائی ہو

---

(۱۷٦) محو

نواب منو خاں محو تخلص: پسر بشارت خاں عمر خیل، جوانے ست خوبصورت ، عالی ہمت ، مرزا منش ، طبع موزوں و مناسب دارد و از شاگردان حافظ بدھا است ، (۹ . ۲ ب) دیوان مختصر ترتیب دادہ ، چند اشعار او بنظر رسیدہ ، ازوست :

بھرے پھریں ہیں ان آنکھوں کے آب میں دریا
کہو تو ٹھہرے یہاں کس حساب میں دریا
ہماری دید کا محرم نہیں ہے تو زاہد
نظر پڑے ہے ہمیں ہر حباب میں دریا

پڑا ہے زلف مسلسل کا عکس یہ کس کی
کہ اس کی لہروں سے ہے پیچ و تاب میں دریا
عروج محو کی آنکھوں کا ، اپنے آ کر دیکھ
جلوس سیل ہے جس کی رکاب میں دریا

---

(۱۰۷) سلطان

نواب نصراللہ خاں متخلص بہ سلطان خلف نواب عبداللہ خاں موصوف ، جوانے ست وجیہ ، خوبصورت ، پاکیزہ سیرت ، خوش ہمت و باتمکنت ، کوہ تحمل و بردباری ، معدن مروت ، طبع سلیم و ذہن مناسب دارد ، از چند روز مشق سخن می کند ، بایں فقیر اکثر صحبت طرح نمودن غزل می افتد و بسیار شفقت می فرماید ، چند ابیات او بہ تحریر می آید ، ازوست :

اٹھے نہ وہ کبھی جوں نقش پا سوائے فنا
جو پاوے رہ میں تری بیٹھنے کو یار جگہ
نین کی کوٹھری ، پلکوں کی چک[1] ، تری خاطر
(۱۰۲ الف) جو امر ہو تو میاں کیجیے تیار[2] جگہ

مدت میں جو خوش ہو تو خفا دم میں ، الٰہی!
کس شخص سے صحبت یہ ہمیں آن بنی ہے
خنجر نہ ہو یوں پار کبھی دل سے کسی کے
جس لطف سے پیارے تری مژگاں کی انی ہے

---

۱ - چک - چق
۲ - تیار - بدون تشدید

اس لب سے کیا لعل کا جب رنگ برابر
دیکھا تو نہیں اس کے یہ پاسنگ برابر

جب تک اس زلف سے عاشق کو سروکار نہ تھا
اس بلا میں تو وہ بے چارہ گرفتار نہ تھا
باعث شہرہ ہوا عشق ہمارا پیارے
ورنہ خوباں میں تو اتنا تو نمودار نہ تھا
جو کیا جور و جفا تم نے بتاں سلطاں پر
اس قدر تو وہ ستم دیدہ گنہ‌گار نہ تھا

کیا ادب شیخ یہ تیرا ہے کرامات کی راہ
ہم جو کرتے ہیں سو سب ہے یہ مدارات کی راہ
راہ چلتے‌میں ، سر بام پہ دیکھوں ہوں تجھے
طرفہ تر ہم کو ملی ہے یہ ملاقات کی راہ
گر ڈر گوش کا ہوتا نہ وہ تارا سلطان
کیونکہ چلتا کوئی اس زلف کی ظلمات کی راہ

نہ پوچھو کیونکہ میری ان دنوں اوقات کٹتی ہے (۱۰۲ب)
کہ دن گر روتے گذرے ہے تو مر کر رات کٹتی ہے
ہیں عاشق اور بھی، لیکن جو تجھ بن مجھ پہ گذرے ہے
کسو کی زیست کاہے کو بایں اوقات کٹتی ہے
کچھ حاصل پوچھنے سے حال میرا ، آپ خوش رہیے
مری بھی ہر طرح سے قبلۂ حاجات کٹتی ہے
مرا احوال ، گر سلطاں وہ پوچھے تجھ سے ، یہ کہنا
کہ بارے اس کی بھی اے قبلۂ حاجات کٹتی ہے

امکان ہے کیا کسی سے وہ نازنین جو بولے
مرجا گر ایک عالم تو وہ دہن نہ کھولے
ہیں مستعد گریہ اے ابر آج ہم بھی
دل کھول کر کے لیکن جب خوب سا تو رو لے

کاش پیتے نہ ہم یہ بادۂ عشق
جس کے اب نک خمار کی ٹھہری
ننگ خوباں تھا نام معشوقی
سو وہ اب روزگار کی ٹھہری
گاہ گاہے جو دیوے تھا دشنام
سو وہ اب بار بار کی ٹھہری
خوش ہے سلطاں جو اس قدر ، شاید
آج کچھ وصل یار کی ٹھہری

عارض پر اس کے زلف کو دیکھے وہ یک نظر
دیکھی نہ ہوئے جن نے بہم شام اور سحر
(۲۱۱الف) کیا جانے جستجو میں تری کون مرگیا
جس کی پھرے ہے خاک لیے باؤ در بہ در

---

(۷۸) ہمدم

محمد معصوم ہمدم برادر صغیر محمد شرف عاصی موصوف ، جوانے ست صاحب حوصلہ و خوش سلیقہ ، اہل مروت ، معدن اہلیت و شخصیت ، قدر شناس جوہر انسانیت ، دوستدار علما و فقرا ، مخزن مؤدت و ولا ، بسیار بردبار و خوش اخلاق ، و در تواریخ دانی نہایت رسا و طاق ۔ اگرچہ با شعرِ شاعری سروکار ندارد، فاما چوں دید کہ گرمیٔ بازار ریختہ

بسیار است ، لہذا چند غزلیات متفرقات ایشان هم برائے خاطر بعضے احباب ، در بعض اوقات ، برائے فرحت طبع بہم رسانید ، طبع مناسب و فہم صائب دارد و از سکه باش عاصی ربط قدیم است ، بسیار بر احوال این خاکسار توجه می فرماید ، حق تعالی خوش و خرم داشته درکونین از مطالب دهلی بہره مند گردانیده شرف عزت بخشد ۔ این چند ابیات متفرقه که از دست خود نوشته داد (۲۱۱ب) دال بر جودت طبع اوست ۔ ازوست :

گرچه دل‌کش هے سب بتاں کی ادا
لے گئی جی پر اس جواں کی ادا
هم نه تھے کیا جو غیر کو مارا
تیں یه کیوں صرف رایگاں کی ادا
ایک عالم کیا هے جن نے شہید
هے وه خوں‌خوار رنگ پاں کی ادا
دم به دم خشم ، جب نه تب دشنام
تم نے کاڑھی هے یه کہاں کی ادا

سب کو آیا هے ترے حسن کا یاں طور پسند
گرچه هر یک کے ، زمانے میں هے اک طور پسند
خوش کب آتی هے اسے مہر و وفا خوباں کی
جس کو آیا هے مری جان ترا جور پسند
درد سب سمجھے هے وه صندل سیائے بتاں
جس کو پیشانی کا آتا هے تری گھور پسند
یه غزل گرچه به ظاهر نہیں اتنی همدم
پر کریں گے اسے ذی فہم پس از غور پسند

---

(۱۷۹) ذوالفقار خان

ذوالفقارخان پسرخورد فتح خان‌خان ساماں ، جوانے صاحب تحمل و بردبار ، و نہایت قابل و ہوشیار ۔ بعد سالے و ماہے یک دو فرد ریختہ موزوں می کند ، ایں چند ابیات متفرقات ازو بسمع رسیدہ :

(۲ ; ۲الف)حناکی طرح اُن ندموں سے ہم بھی سرخ رو ہوتے
اگر قسمت سے اُن پاؤوں تک ہوتی دسترس مجھ کو
جو اہل دل ہیں دنیا میں سو نالاں ہیں زمانے سے
کہے ہے گا زبان حال سے نت یہ جرس مجھ کو

خدا کرے کہیں وہ دن کہ میں ہوں ، تو اور شب
سرود و مطرب و مے ہو ، سبو سبو اور شب

کن نے کیا چمن میں صبا سچ تو کہہ گذار
لوٹے ہے گل زمیں پہ گریباں کو پھاڑ پھاڑ

---

(۱۸۰) عاصی

محمد شرف عاصی ولد اباذر ، پیر زادہ ، ساکن قصبہ آنولہ ، جوانے است وجیہہ ، باتمکین و وقار و ذہین ، خوش اطوار ، نہایت خوش خلق و بردبار ، مخزن حلم و مروت ، معدن حیا و اتقا و صفوت ، خلیق لہ بہ مرتبہ ایست کہ بہ تحریر نمی آید (کذا) و بر حال ایں خاکسار بسیار مہربانی می فرماید ۔ ہر چند مانند غنچہ ، لب بستگی را شعار خود ساختہ ، فاما در خموشی ہمچو گل ہزاراں سخن رنگیں مقال از زبان حال او بر آیند ، بہ موجب فرد کسے :

در محفل ما سکوت رونق دارد
چوں مجلس گل کہ بے سخن رنگین است

طبع مناسب (۲۱۲ ب) و ذہن درست دارد ، دیوان مختصر ترتیب داده ، اکثر مقطع[1] غزل او ، در مدح محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر گیلانی می شود ، این چند ابیات که از دست خود نوشته داد ، بہ تحریر می آید ۔ ازوست :

کھلاوے ہے گرمی سے نگہ کی وہ گل اندام
اللہ بہ کس لطف کی نازک بدنی ہے
ناقہ تجھے لیلیٰ کا ملا دشت میں مجنوں
او یار تری بن میں تو کیا خوب بنی ہے

کس لیا ہم کو کسوٹی پہ وفا کی سو بار
تس پہ ملتے نہیں اے سیم بدن کیا باعث
اپنے مطلب کو نہیں پہنچتا عاصی یا غوث
اس قدر دیر جو ہے حضرت من کیا باعث

پایا نشاں تو دل ھی میں اس بے نشان کا
اک عمر دیر و کعبہ میں کی یوھیں جستجو
ناصح خیال زلف تو سر سے نہ جائے گا
الفت اب اس سے ہو گئی ہے مجھ کو مو بہ مو
روے سیہ غبار ندامت سے ہو سفید
جوں ابر آب اشک سے کرتا ہے شست و شو
اظہار اپنا حال کریں اس سے کس طرح
ظالم ہے ، کینہ ور ہے ، نہایت ہے تند خو

---

۱ ۔ فی الاصل : مطلع ۔

(۴۱۲ الف) عاصی ہوں ، رو سیاہ ہوں ، مجرم ہوں ، شرمسار
پھر میں تو غوث پاک کے کیوں کہ ہوں رو بہ رو

یہ خون ریزی ہوئی ہے کس قدر خوگیر صاحب کی
کہ ڈوبی نت رہے ہے خون میں شمشیر صاحب کی
ہمیشہ غیر پر کرنا کرم اور مجھ پہ جھنجھلانا
نہیں معلوم مجھ سے ہوئی ہے کیا تقصیر صاحب کی
سیہ سنجاف جامے کی نہیں بے ہیچ[1] یہ ظالم
ہوئی ہے آہ مظلوماں کی ، دامن‌گیر صاحب کی
فراموش ہوگئی عاصی محبت غیر کی دل سے
رہے ہے جی میں اب نت یاد اپنے پیر صاحب کی

افعی کی کہاں تاب جو ہو زلف سے ہم سر
یہ آڑ کے ڈسے کافر بے پیر ہوا پھر

کب ڈھنگ کی باتوں سے وہ بے ڈھنگ تلے ہو
سر شیخ کا جب تک نہ سرچنگ تلے ہو
اس ابروے خم دار سے دل کا ہے عجب حال
جیسے دم شمشیر کے چورنگ تلے ہو
کیوں سنگ سے میں سر کو نہ ماروں کہ ترا ہاتھ
ہر رات سر غیر کے ، بے ننگ تلے ہو

زور ہی ادا چمن میں تم اے یار کر چلے
نرگس کو مل کے نظروں میں بیمار کر چلے

---

۱ - اصل : بے چیز -

- تیغ نگاہ ڈوب رہی ہے لہو میں آج (۲۱۲ ب)
کس خانماں خراب کو تم مار کر چلے
عاصی کو آج بحر گناھوں سے غوث پاک
لطف و کرم سے ھاتھ پکڑ، پار کر چلے

مجھ دل کو بے سبب نہیں زلف دوتا کا خوف
اس راہ مار پیچ میں ھے اژدھا کا خوف
زلف سیہ کے بیچ میں جاتا ھے خود بہ خود
اس دل کو ھائے کچھ نہیں کالی بلا کا خوف
ھے تجھ پہ روز و شب، مدد غوث پاک اب
عاصی نہ رکھیو دل میں تو روز جزا کا خوف

---

(۱۸۱) اُمید

فیض اللہ خاں امید خلف نواب عبداللہ خاں، نبیرۂ نواب بہادر خاں شاہ جہان پوری، جوانے است صاحب مروت، معدن حلم و شجاعت، مہذب صورت، پاکیزہ سیرت، معزز و مکرم سراپا خلق مجسم، رونق افزائے انجمن، قدردان اھل سخن، طبع سلیم و مناسب دارد، رسالہ در رسم خط قرآنی ترتیب دادہ، این مؤلف ھم بآں امارت پناہ ملاقی شدہ، انچہ صفت اوصافش در افواہ عوام است صد چند ازاں زیادہ یافتم، از شاگردان (۲۱۳ الف) ملا منو نثار، تربیت یافتہ مرزا مظہر موصوف، است، این چند ابیات کہ از دستخط خاص نوشتہ دادہ بود بہ تحریر می آید، ازوست:

سر کو ٹھکرائے کے سر درد کو پوچھا میرے
آج ایسی ملی ھے لذت بیداد کہ بس

صبا کس زعفرانی پوش کے کوچے سے آئی ہے
کہ بس کرتے نہیں ہنسنے سے گل، غنچے تبسم سے

کچھ تو کر رحم آنسوؤں پر یار
لوٹتے ہیں زمیں پہ یہ بالک

دیکھا ہے جب سے میرے گل اندام کا دھن
غنچے نے رخت اپنی زباں کا کیا ہے ته

تو دل کو چاهتا ہے کہ باتوں میں لیوے مول
سودا نہ ہوگا ، زلف کی اپنی گرہ تو کھول

احوال فراق اے قلم لکھ
گر بیش نہ لکھ سکے توکم لکھ
پاؤں میں پڑوں ترے مصور
میرا سرو یار کا قدم لکھ

کوتاہ نہ کر تو مجھ پہ شب عشرت اے سجن
مت دے خدا کے واسطے تو زلف میں گرہ

بنا ابرو کے گوشه تل کمر باندھ (کذا)
چلا ہے کس پہ یہ تیغ و سپر باندھ

(۱۴۲ب) پڑیں دیوانہ پن ایسے پہ پتھر
جو فصل گل میں ہوتا ہوں میں زنجیر

مخمس اوست

میں جو کہتا تھا کہ سن یہ بات دل
عشق مت کر ، اس میں ہیں آفات دل
تو لگا نا قاتلوں کے ہات دل
خوں ہوا ، جا گل رخاں کے ساتھ دل
ہائے دل ، افسوس دل ، ہیہات دل

(۱۸۲) مضطرب

مرتضیٰ خاں مضطرب قوم افغان ، متوطن شاہ جہاں پور ، از شاگردان ملا منو نثار است ، طبع موزوں دارد ، ایں چند ابیات انتخاب دیوان اوست ، ازوست :

ناصح ! خیال زلف مٹایا نہ جائے گا
کالی بلا کا سخت ہے سایہ ، نہ جائے گا
اس زلف تابدار کی کوئی تاب لاسکے
یہ ناگ اژدھا ہے کھلایا نہ جائے گا
منہ پر نقاب ڈال کے جا ہے کدھر کو تو
یہ چودھویں کا چاند چھپایا نہ جائے گا
اے مرتضیٰ نہ بزم میں سنگیں دلوں کی جا
شیشہ سا ایک دل ہے بچایا نہ جائے گا

ابرو ترے جو دیکھے سو اے یار گر پڑے
رستم بھی ہو تو ہاتھ سے تلوار گر پڑے

دل دوانا ہے جو کرتا ہے بتوں سے اخلاص
کون ایسا ہے کرے سنگ دلوں سے اخلاص

---

(۱۸۳) افغان

محتشم خاں افغان (۲۱۵ الف) از قوم افاغنہ است ، چند بیت او بسمع رسیدہ :

یار میرے کی یہ رفتار و ادا اور ہی ہے
عشوہ و غمزدہ و گفتار و ادا اور ہی ہے
یہ وہ ہاتھ ہیں کہ ہوا جن سیتی قتل عالم
رنگ مہندی کا نہ سمجھو یہ حنا اور ہی ہے
بندگی بندوں کی رکھتے نہیں ہرگز منظور
ان بتوں کا، جو میں دیکھا ، تو خدا اور ہی ہے
اے میاں ظلم سے تیرے نہ ٹلے گا افغان
یہ غلام ایسا نہیں ، اس میں وفا اور ہی ہے

---

(۱۸۴) غلامی

غلام محمد خاں غلامی قوم افغان ، شاگرد شاہ نورن رامپوری ، جوانے بود یار باش ، از بس کہ با یاران ہمدم و محبوبان ثابت قدم نسبت بندگی داشت ہمیں سبب غلامی تخلص می کرد ، چند بند مخمس او کہ ریختۂ فغاں را تضمین نمودہ ، در افواہ عوام شہرت دارد ، ازوست :

مینا کو ٹک اک ہاتھ سے رکھ یار ، ادھر دیکھ
مرتا ہے ترے غم میں یہ بیمار ، ادھر دیکھ
کیا کوفتہ خاطر ہیں ہمک دار ، ادھر دیکھ
مت ڈھونڈھ گزک کو مرے مے خوار ، ادھر دیکھ
یہ لے تری خاطر مرا لخت جگر آیا

(۲۱۵ب)

لکھ خون سے خوش خط کو ، میں بھیجا تھا سو تیرے
آخر نہ ملا یار سے ، نے خط دیا ، دیرے
پاؤں میں ، تو کاغذ کے سے پرزے کروں تیرے
گم کر دیا اس نامۂ جاں سوز کو میرے
قاصد کا برا ہوجیو کیا کام کر آیا

---

(۱۸۵) احسن خان

قوم افغان ، ساکن شاہ جہان آباد ، جوانے است قابل ، فاضل ، صاحب استعداد کامل ، گاہے برائے فرحت طبع یک دو فرد ریختہ بہ طور آبرو موزوں می کند ، چند اشعار بزبانی او بسمع رسیدہ ازوست :

بتاں کی سرد مہری کی بیاں کیا کیجیے صورت
ہمارے اشک بھی افسردہ کیسے مثل ژالہ ہیں
سیاہ درد کے چہرے ہیں داخل دفتر دل میں
نظر کر ، عشق کی دولت سے کیا صاحب رسالہ ہیں

---

(۱۸۶) احمد خاں :

احمد خاں پسر ملا شفیع ، متوطن بریلی ، جوانے بود قابل و خوش خلق و خوش تقریر ، خادم علماء و دوستدار اہل دل ، از مقربان حافظ رحمت خاں بودہ ، چند سال شد کہ برائے بعضے جواب و سوال دنیاوی بہ طرف بلدۂ لکھنئو رفتہ بود (۲۱۶ الف) ہماں جا جاں بمالک حقیقی سپردہ ، تفضل ایزدی و شفاعت احمدی نصیب او باد ۔ طبع مناسب و ذہن صائب داشت ، و بر حال این مولف بسیار مہربانگی می فرمود ، اکثر اشعار بزبانی او بسمع رسیدہ ، یک فرد او یاد دارم ، ازوست :

دہن و دل لے چکے مدت ہوئی خوباں ہم سے
آہ کس چیز کے ہیں پھیر یہ خواہاں ہم سے

---

(۱۸۷) احمد

مولوی احمد خاں شاہ جہاں پوری ، از مدتے بہ سبب رفاقت حافظ رحمت خاں در قصبۂ پیلی بھیت وطن اقامت گرفتہ بود ، مدتے شد کہ ازیں جہان رحلت نمود عالم متبحر و تحریر و صاحب سخن و خوش تقریر بود ، او سبحانہ از لطف ابدی شفاعت احمدی نصیب او گرداناد ۔ قصائد عربی و دیوان فارسی ترتیب دادہ بود ، فاما مسودہ اش برباد رفت ، گاہے یک دو غزل ہندی بتقریبے بہم می رساند ، یک غزل او بسمع رسیدہ ، ازوست :

کیوں نہ ہووے دل مرا نخچیر زلف
عاشقاں کی قید ہے زنجیر زلف
(۲۱۶ب) مصحف خوبی کا کرتی ہے بیاں
جس مفسر نے لکھی تفسیر زلف
ہے بیاں شرح شکل حسن کا
صفحۂ رخسار پر تحریر زلف
کیا پریشانی میں ڈالا دل کو آج
میں نہ جانوں کن نے کی تقریر زلف
دشت مجنوں کا مجھے احمد ہے شوق
دل پہ میرے ہے مگر تاثیر زلف

---

(۱۸۸) ہنر

کلو خاں ہنر تخلص ، پسر فدائی خاں ، قوم افغان ، متوطن آنولہ ، جوانے است سعادت مند ، مجنون منش ، از شاگردان فدوی

مسطور ، اکثر غزلیات قطعه بند او به طور فدوی بسمع رسیده ، ازوست :

لاکھ صورت سے اگر چین به جبیں کیجیے گا
باز آنے کا نہیں دل یه ، یقیں کیجیے گا
خواب راحت سی چونکیں گے عدم کے سوتے
نالہ ایسا ھی اگر زیر زمیں کیجیے گا

هم ایسی بد گھڑی آ کر پھنسے تھے دام میں تیرے
نه دیکھی ھائے هم نے پھر کبھی گلزار کی صورت

دعویٰ نه کیجیو دھن تنگ یار سے
یه بات رکھیو غنچه تو اپنے دھاں کے بیچ

دل تو رو رو کے ڈوب جاوے گا
یار سنتے ھیں پار جاتا ھے
کیا ھنر یار نے کیا ھے طلب (۲۱۷ الف)
تو جو بے اختیار جاتا ھے

جب که دل کو تری زلفوں سے سروکار نه تھا
اس قدر دام بلا میں یه گرفتار نه تھا

خدا کے واسطے مت جائیو ادھر کوئی
لٹے ھے شوخ کے کوچے میں قافله دل کا

سیکڑوں مرگئے اور ہم بھی ہیں دم کے مہماں
باز آ جان مری اتنی ستم کاری سے

ابرو ترے نے مجھ پہ کیا وار بے طرح
دل میں مرے لگی ہے یہ تلوار بے طرح

ق

یہ ریختہ پڑھے تھا میں شب کوے یار میں
اتنے میں آگیا وہ ستم گار بے طرح
کہنے لگا وہ کیا تو یہاں آ کے بار بار
پڑھتا ہے میرے کوچے میں اشعار بے طرح
آیا تو جی میں یہ کہ تجھے خوب سمجھیے
لیکن جو دیکھا ، تو ہے گرفتار بے طرح
چل دور ہو کہ اس میں تری خیر ہوگئی
ورنہ میں مارتا ترے تلوار بے طرح

---

(۱۸۹) رند

مہربان خان رند از ملازمان نواب احمد خان بنگش فرخ آبادی ، جوانے است سخی و قابل ، قدردان اہل دل ، دوستدار انسان کامل ، طبعش (۲۱۷ ب) بہ طرف علم موسیقی زیادہ از حد مائل و اکثر ٹپہ و خیال از تصنیف او برزبان افواہ عوام متداول ۔ از شاگردان مرزا رفیع سودا و میر سوز ، طبع موزون و مناسب دارد ، دایون ضخیم سیخاییتی (کذا) جمع نمودہ است ، ایں چند ابیات رندانہ ، ازاں مہربان بسمع رسیدہ ، ازوست :

آہ ، دیکھیں تیرے کنتاپے کو ، کیا کرتی ہے تو
کچھ اثر دیکھا نہ ہم نے نالۂ شب گیر کا

رات کو امید ہے کچھ ، دن کو ہوجاتا ہے کچھ
کیا کروں شکوہ الٰہی گردش افلاک کا

بہایا خون عاشق تیغ جڑ کر
یہی پیارے ہمارا خوں بہا ہے

بے وطن ، بے رفیق ، بے اسباب
کون ایسا غریب ہووے گا

نہ چھیڑو مہرباں کو ، بے خبر سوتا ہے ، سونے دو
بھلا جی ، مست لایعقل کو پھر ہشیار کیا کرنا

چھپی شمشیر رکھ کاندھے پہ وہ دامن کشاں نکلا
ہر اک ذرے سے خاک کشتگاں کی الاماں نکلا
غریب و ناتواں دل کو سمجھ کر میں نے پالا تھا
سو یہ خندہ بھی میرے حق میں رستم داستاں نکلا (کذا)

(۲۱۸ الف) ترستے ہی چلے دنیا سے ہم او بے وفا ظالم
نہ دیکھا مرتے مرتے آخری دیدار یا قسمت

کبھی جو روبہ‌رو جاتا ہوں تو کہتا ہے جھنجھلا کر
پرے ہو سامنے سے ، سن لے او فریاد کی صورت

جوں شمع پیر کاڑ کے جاتا ہوں میں کدھر
در پیش آگیا ہے کہاں کا سفر مجھے

بات کہتا ہوں ، ٹک کھڑا تو رہ
واہ ، دامن کو کیوں جھٹکتا ہے
کیوں نہ پیارے تو اپنے قابو پر
دل کو کیسا ہی لے سٹکتا ہے
کیا کہوں تجھ سے بات میں ، اچھا
اب تو ہر بات پر مٹکتا ہے

غنیمت ہے جس ڈھب کٹے زندگانی
کہاں دل ، کہاں غم ، کہاں یار جانی

یہ شاید مہرباں ہے ، دیکھ تو شوخ
کسی کی لاش کوئیں میں پڑی ہے
ارے یہ کیا کیا ، اللہ اکبر
بھلا یہ کون سی آدم گری ہے
کہ اس عاشق کو تو نے مار ڈالا
میں جاتا تھا کہ جنگ زرگری ہے

مجھے کہتا ہے میں نے کب لیا دل ، واہ واہ پیارے
ترے اس جھوٹ کے قرباں ، تری تقرار کے صدقے

نتھ کے موتی پکارتے ہیں پڑے
(۲۱۸ ب) میرے عاشق کا ناک میں دم ہے

جان کیوں عاشق صادق سے خفا ہوتا ہے
سچ ہے یہ نام تو ایسا ہی برا ہوتا ہے

نہ ملنا ، نے کبھی صاحب سلامت ، اور کچھ تو کیا
تس اوپر مہرباں کے سر پہ ایسی دھوم ہوتی ہے

اکثر اشعار در دیوان او یافته شد که آن را میر سوز نسبت بطرف خود می کنند ، و بعضے گویند که از مرزا رفیع است و العلم عندالله - وآن اینست :

کسی نے روم لی ، قسمت میں کوئی شام لے آیا
ہمیں کچھ لے نہ آیا ، ایک تیرا نام لے آیا

بوسے کی طلب سے تو رہے گا یہی اے دل
جب گالیاں دو چار وہ تن خواہ کرے گا

مبارکباد دو ہم کو کہ پیغام بہار آیا
جنوں نے پھر منایایاتو اب مرنے کوخار آیا

پکڑ گردن لہو پی جائیں گے اک گھونٹ میں سارا
نہیں چلتا ہے کچھ بس خواروں سے مقدور شیشے کا

بھاگ ان بردہ فروشوں سے ، کہاں کے بھائی
بیچ کھاتے ہیں جو یوسف سا برادر ہووے
داغ ہوتا ہوں میں اس غم سے کہ یہ پھیکا چاند
میرے محبوب کے مکھڑے کے برابر ہووے

اے دل گم شدہ پیدا ہو ، نا
چھوڑ کر زلف کو، میرا ہو، نا
حیرت آلودہ نہ رہ مثل حباب (۱۱۹ الف)
مولد لے آنکھ کو، دریا ہو ، نا
طلب ساغر مے کب تک یار
جوش کھا ، آپ ہی صہبا ہو ، نا
وصل میں پھر وہی فرقت کا غم
بسمل تیغ تمنا ہو ، نا
آپ کو دیکھ لے آپ ہی میں رند
مثل آئینہ ، مصفّا ہو ، نا

ایک دن اک شخص نے اس سے کہا
تو نے یہ ذکر سنا ہووے گا
یعنی کہ عاشق ہے ترا دل سے رند
ہو متبسم یہ کہا : ہووے گا

ناز کا اس کے ہوں کشتہ جو کہے ذبح کے وقت
داغ سے خوں لگے مرا دیکھ بچا رے دامن

غیر کے سامنے گو سچے ہو
جھوٹے صاحب تمھیں ہم جانتے ہیں

گھر جنوں کا بیٹھ ہی یارو گیا تھا بعد قیس
میں اگر برپا نہ کرتا خانۂ زنجیر کو

کٹ ہس کے ہاے بار سے کیا الگ چلی حنا
صد آفریں یہ کام جو یوں دست بستہ ہو

عشق بازی پہ کمر تم نہ کسو جانے دو
راہ اس کی ہے کٹھن بوالہوسو جانے دو
تیری زلفوں سے یہ کہتا ہوں کہ اے ناگنیو
دل مرا بھی ہے بسیلا ، نہ ڈسو جانے دو

کس لیے تلوار خریدی میاں
باندھنے کو بھی تو کمر چاہیے (۲۱۹ ب)

میرے سینے کا داغ روشن ہے
تیرے گھر کا چراغ روشن ہے

اب تو بیٹھا ہوں ، بوسہ یا گالی
کچھ نہ کچھ اس گھڑی دیے ہی بنے

جہاں میں تجھ سوا ہے کون ، جس سے میں کروں الفت
مجھے تیری ہی الفت کی قسم ، تیری ہی الفت ہے
کہاں مجنوں ، کہاں لیلیٰ ، یہ افسانہ ہے اے یاراں
جہاں میں ان دنوں تو رلد ، یا وہ بے مروت ہے

سبھی ہیں دل کے لے جانے کی باتیں
سمجھتا ہوں یہ پھسلانے کی باتیں
کہا میں نے یہ اس سے ، تیری خاطر
سہوں ہوں ، اپنے بیگانے کی باتیں

لگا کہنے کہ مت کر چولچلا رلد
یہ سب ہیں گالیاں کھانے کی بانیں

علیٰ هذا القیاس اکثر غزلیات مربوط و مضبوط کہ داخل دیوان اوست ، آن را به مرزا رفیع و میر سوز وغیره نسبت می کنند ، خدا داند که در واقع از کیست ـ

---

(۱۹۰) عباس

عباس خاں متخلص به عباس ، برادر خورد اخولزاده ارادت خاں که از مصاحبان نواب عنایت الله خاں بود ، جوانے ست عالی حوصله ، خوب صورت ، پاکیزه (۲۲۰ الف) سیرت ، با تمکنت و وقار بسیار وجیه و بردبار و حسین ، و نهایت خوش تلاش و خوش فکر و ذهین است ـ اگرچه نو مشق است فاما ذهن رسا و فکر بجا دارد ، از شاگردان محمد قائم موصوف است ، این چند ابیات از مسودات او بقلم آورده شد ـ ازوست :

جز عشق و سوز دیر و نه کعبه سے کام ہے
اس کو تو رام رام اور اس کو سلام ہے
رخ دام زلف دام ہے ، کاکل بھی دام دل
ہے راست یہ کہ اس کا ہر اندام دام ہے
بازار و شہر و مسجد و میخانه ، باغ و راغ
دیکھا تو تیرے عشق ہی کی دھوم دھام ہے

ترے بن اب جو دم ہے ، یا کہ اک لحظه ہے ساعت ہے
بلائے جاں ہے ، آفت ہے ، اذیت ہے ، مصیبت ہے

مرا یہ حال ابتر دیکھ وہ بے رحم خنداں ہو
کہا منہ پھیر زیر لب کہ اس پر جائے وقت ہے
تصور میں ترے ہر دم ہم آغوشی میسر ہے
بہ ظاہر گو کہ جلوت ہے ولے باطن میں خلوت ہے
لہ جانے کیا ہوا اے دل مجھے پھر ان دنوں ہے ہے
کہ ہر نالے میں میرے حشر ہے ، شور قیامت ہے

مقالۂ چہارم

در ذکر بعضی عزیزان ویاران ہم دم و دوستداران ثابت قدم

(۱۹۱) بے جان

عزیز خان بے جان ساکن قصبۂ بسولی ، جوان سعادت مند ، خوش عنوان ، سپاهی بے جان بردبار و هر دل عزیز ، اهل حیا و مروت و باتمیز ، صاحب فطرت ، خلاصۂ خاندان فتوت و بردباری ، زبدۂ دود مان سطوت و آشنا پروری ، مصدر اوصاف حمیده ، بسیار خوش فکر و خوش سلیقه ، طبع رسا و ذهن مناسب و فکر صائب دارد ، دیوان مختصر ترتیب داده ، بایں عاصی اتحاد دلی وربط کاشی است فاما از چند گاه بحسب اتفاق قسمت ، پردۂ معارفت و مهاجرت چناں فیمابین افتاده که چشم و گوش از دیدن دیدار و شنیدن اخبار او محروم مانده :

فلک را غیر ازیں جز نیست کارے
کہ یارے را جدا سازد زیارے

شرح اشتیاق او دریں مختصر نوشتن ، زبان قلم فرسودن است ، لهذا عنان اشتیاق را منعطف ساخته به تحریر اشعار دل پذیر او اشتغال می نماید ، اوسبحانه جل شانه (۲۲۱ الف) به برکت کلام مجید و فرقان حمید در حفظ و حمایت خود نگاه داشته بمراتب اعلیٰ دینی و دنیاوی فائز گرداند و در کونین عزیز و محترم دارد این چند ابیات از نتائج فکر صائب اوست :

کیا بھید کھلے ہم سے ترے راز نہاں کا
نے وہم میں طاقت ہے نہ مقدور گماں کا
کوئی دن ہے اگر شور یہی حسن کا تیرے
برہم نظر آتا ہے سب اسباب جہاں کا
ساقی رہے جوبن پہ تری لت مئے گلگوں
مت بھولیو احوال کہیں ذرد کشاں کا

جب سرنامہ سخن حمد سے مشتمل کیا
نام عزیز کو ترے مطلع ہر غزل کیا
جاتی ہے کیا کمر لچک ہائے رے تیرا یہ خرام
اے تری چال نے مرا کام ہی چل بچل کیا

ہم فقیرانہ جہاں بیٹھ گئے گھاس بچھا
اس جگہ پشم ہے پھر فرش بھی پشمینے کا
اس کی بےجاں تو نہ کر خانہ و مکتب میں تلاش
دن یہ شنبے کا نہیں روز ہے آ دینے کا

جو آگے آ گیا اُسے دیکھیں ہیں یک نظر
آئینہ ساں لحاظ نہیں خوب و زشت کا (۲۲۱ ب)
ہر کام نا تمام ہی رہتا ہے ، غالبؔ
کوئی حرف مٹ گیا ہے مری سر نوشت کا

وفا ہے جس کے پاس خاطر نازک میں جی کھویا
غبار راہ ہو کر بار ہوتا اُس کے دامن کا

ہم عمر سبھی ہوئے ہنر مند
میں اپنے وطن میں کچھ نہ نکلا
جز حسرت دل بجائے بے جاں
دیکھا تو کفن میں کچھ نہ نکلا

دل ہی نہیں مرا کسی مطلب سے آشنا
حرف دعا ہو کیوں کہ مرے لب سے آشنا
اس دشمن وفا سے جو بے جاں میں کل کہا
بیگانہ کیوں ہے مجھ سے تو اور سب سے آشنا
کہنے لگا وہ میری طرف دیکھ کر کہ ہاں
ہوویں ہیں یک دگر سبھی یک ڈھب سے آشنا
پر تم جو مجھ کو بھیجو ہو پیغام ہر گھڑی
اتنے ہوئے ہیں آپ مرے کب سے آشنا

دوستی میں اس کی ہو گئے غیر ، کیا کیا آشنا
کاش اس بیگانہ خو سے میں نہ ہوتا آشنا

اور سے تو کیا کرے گا اے مرے پیارے سلوک
کر دیا تونے خفا ، وقتیکہ مجھ سا آشنا

(۲۲۲الف) وہ چشم تر ہے مری ابر ، کیا کہوں تجھ سے
کہ جس کو دیکھ ، گیا ڈوب آب میں دریا

کچھ آج سے نہیں یہ تری خوں فشانیاں
طفلی میں بھی اڑاوے تھا ظالم پتنگ سرخ

کانپتا دبتا ھوا نکلے ہے مشہر
ھر سحر تیرا تجمل دیکھ کر
اس گلی میں جاہے گر بے جاں تو جا
لیک با فکر و تامل ، دیکھ کر

گدگدانا سیکھ شاید باغ میں آئی صبا
منہ ھر اک غنچے کا بے جاں رہ گیا ہے کھل کے کھل

ھنسی آتی ہے گل کو حال پر کس کے خدا جانے
ادھر ہے نالہ کش بلبل ادھر ہے چشم تر شبنم

جب کہ مستی میں مغاں اپنی میں آ جاتا ھوں
جام سے زھر بھی ھووے تو چڑھا جاتا ھوں
مضطرب حال ، چراغ سحری ھوں میں نسیم
کوئی دم بیچ خموش آپ ھوا جاتا ھوں
رحم کر مجھ پہ ٹک اک رحم کہ جوں مور ضعیف
موج میں تیری میں اے اشک بہا جاتا ھوں

فل گفتہ

یں
لئیں
مجنوں
کے لئیں

کمر
مجھ نہیں

... محل حنا میں مجھے کیجو مدفوں
، وہ جانے یہ موا حسرت پابوسی میں
شرم آتی ہے کہیں سرکو نواتے بے جاں
اشک ساں محو ہیں ہم اپنی قدم بوسی میں

لہ دلداں کی صفائی سے جگر ہے آب گوھر کا
ترے لب دیکھ کر جی جل گیا یاقوت احمر کا
حدیث عشق یا مہرو وفا کی بات سن ہم سے
دماغ قصہ یاں کس کو ہے دارا و سکندر کا

ق

بہ وقت وعظ اس واعظ پسر کے دیکھ کر کاکل
میں تب مضطر ہو بولا نام لے خلاق اکبر کا
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
الٰہی تو ھی بس والی ہے اب دین پیمبر کا

معذور بشر ہو نہ جہاں جنبش لب کا
ایمائے سخن کس سے ہو بوسے کی طلب کا
دشنام کا گو مجھ سے پڑا نہیں تجھے لپکا
انداز سمجھتا ہوں پر اس جنبش لب کا

(۲۲۳الف) کیفیت اشک آج ہے مژگاں پہ جو میری
اس حسن سے کس شاخ پہ خوشہ ہے عنب کا
ہو جا نہ کسی غرفے سے سرگرم نظارہ
بیٹھا ہوں میں مشتاق ترے کوچے میں کب کا
برچھی جو کوئی آہ کی چل جاوے تو ہے سالک
مت تیغ و سپر باندھ کے ہر دم مجھے دبکا
کس طور سے اب یار کو خوش کیجیے بے جاں
اس کو تو مزا آکے پڑا اور ہی ڈھب کا

کل ہی کی دھج سے قتل تری اک جہاں ہوا
بن ٹھن کے پھر تو آج کدھر کو رواں ہوا
سوجھے ہے ، اس کی چال سے عالم ہو پائمال
یہ طفل نو خرام اگر ٹک جواں ہوا
بے جاں جناب شوق کی صحبت کے فیض سے
ہر فن میں محترم اور عزیز جہاں ہوا

ہے جو شیریں لبوں کے لب میں مزا
کب ہے وہ دانۂ عنب میں مزا
دن کا ملنا تو خوب ہے لیکن
ہے ملاقات کا تو شب میں مزا

بات میں جو نہ چوکے گالی سے
اس سے بوسے کی ہے طلب میں مزا

جذبۂ عشق بد بلا ہے کہ جو
مجھ سے کافر کو میرے گھر لایا
اس برہمن پسر نے ساری رات
ایک بوسے کو ہم کو ترسایا

کس کے قدم سے کبک ترے آگے چل سکے
بھولے وہ اپنی چال یہ رفتار دیکھ کر

شکل عیش اب تو ٹک اے گردش ایام بدل
خون دل کب تئیں پیویں ، مئے گلفام بدل[1]
نام پر بوسے کے دشنام ہزاروں ، ہیں ملے
ایک ، بوسہ میں نہ پایا ، کبھی دشنام بدل
کوئی کہتا ہے دوانا کوئی مجنوں مجھ کو
عشق میں تیرے ہمارا تو گیا نام بدل
مہر و مہ کے اسے پردے میں سمجھنا بے جاں
نکلے ہے روپ جو اپنا سحر و شام بدل

ہو نہ گل پر اس بہار حسن سے سنبل کی دھوم
ہے ترے مکھڑے پہ پیارے آج جو کاکل کی دھوم

---

۱ - یعنی : مئے گلفام کے بدلے -

یہ طرب کے دن بھلا ملتے ہین پھر ساقی کہاں
آج تو ظالم مچادے خندۂ قلقل کی دھوم

کر سدرۂ حضور کا یارب ہمیں امیں (کذا)
اپنی تو بود و باش کے قابل نہیں زمیں
کس جا مین رہیے ، سبزۂ خط گلرخان کا چھوڑ
کب خوش سواد ملتی ہے ایسی کہیں زمیں
سب کے قدم کو تونے سر عجز پر لیا
(۲۲۴ الف) اس تیری خاکساری کو صد آفریں زمیں
ہرجا میں سوت جاری ہین، جوں چشم عاشقاں
کیا جانے کس کے غم سے ہے اندوہگیں زمیں

ہمیشہ جس کے در پر اتنی مشق جبہ سائی ہو
بھلا کیوں کر نہ اس کافر کو ، کبر و خود نمائی ہو
مری بیماریٔ دل کا سبب ٹک وہ ہی سمجھے گا
کہ جس نے آنکھ تجھ سے بے مروت سے لڑائی ہو
سنا ہے یوں کہ وہ سننے لگا تھا قصۂ مجنوں
کہ وہ صحبت ہی بگڑی اس کی ، آپس میں لڑائی ہو
سو ڈرتا ہوں، زباں سے واں کسی کی، سہو سے یارو
بہ تقریب حکایت کچھ نہ میری بات آئی ہو

کیوں نہ شور دل کو سن کر یہ کرے آہنگ راہ
بس ہے تحریک مسافر کو صدائے زنگ راہ

بہ تغافل ہے خرام ناز میں اس شوخ کے
دل کو ٹھکرا کر چلا جاتا ہے مثل سنگ راہ
کیا ہی جھگڑا تھا بہم گل اس طرف آنے پہ بہار
کیوں کہ تاراج متاع دل نہ ہو ز اے مردماں
(۳۲۲ب) ترک چشم یار ہو بیٹھے ہیں اب سرہنگ راہ
ہر بد و نیک جہاں کا ہو ہے بے جاں رہ نما
خاک میں جو جادہ ساں مل کر ہوا ہم رنگ راہ

نے دل میں غم کفر نہ ایماں کا خطرہ
ہے کس کے تئیں گبر و مسلماں کا خطرہ
کچھ ابروے خمدار سے خاطر میں نہیں خوف
جنتا ہے ترے خنجر مژگاں کا خطرہ

ق

وہ تیغ و سپر باندھ کے نکلا تو کہا میں
کیا تجھ کو نہیں خون غریباں کا خطرہ
بولا کہ بے ٹل جا مرے آگے سے تو اس وقت
کیا تجھ کو نہیں اپنی مگر جاں کا خطرہ
پھر ایسی کبھی بات تو زنہار نہ کہنا
کچھ سود نہیں اس میں ، ہے نقصاں کا خطرہ

ق

بے جاں اسد اللہ کے کوچے کا ہے بندہ
کچھ اس کو نہیں جنگ کے ساماں کا خطرہ
گر ہوگئی مٹھ بھیڑ کبھی اس سے تو واللہ
ہووے گا تمھیں اپنی ہی کچھ شاں کا خطرہ

باور جو نہیں ہے تو یہ میدان ہے پیارے
رہ جائے نہ دل میں کسی ارمان کا خطرہ

میں اس آئینہ رو کے وصف کی تکرار ایسی کی
(۲۲۵ الف) کہ طوطی رہ گئی حیرت میں یہ گفتار ایسی کی
خریدی سے خوبوں کی اٹھایا ہاتھ عالم نے
تری فریاد ہم نے بر سر بازار ایسی کی
ہر اک بے خود ہو تڑپے ہے کسی میں سدھ نہیں باقی
یہ مجلس اس نگاہ مست نے سرشار ایسی کی
کسی سے ہوسکا بے جاں نہ ضبط گریہ محفل میں
حکایت درد دل کی ہم نے شب اظہار ایسی کی

کہتے ہیں کل رقیب سے اور اس سے چل گئی
کیا میری منہ سے بات کچھ اس کے نکل گئی

ق

اس اپنی بے کسی پہ کسی کا نہ جی جلا
شمع مزار تک مری بالیں سے ٹل گئی
خارا شکن نگاہ ، فرنگی پسر کی آج
سنگین کی طرح مری چھاتی پہ سل[1] گئی
مفلس ہو اک جہان ، تلنگوں[2] میں مل گیا
اس دور میں نجیبوں کی صورت بدل گئی

---

۱ - سل گئی — پیوست ہوگئی (سلنا - مصدر) بفتح اول و سکون دوم ۔
۲ - تلنگا — معمولی سپاھي ، پیادہ ۔

کہیں گا ہے نہ اتنا مل کے ہم تم یک زماں بیٹھے
کہ کہتے آہ درد دل کی باہم داستاں بیٹھے
اگرچہ گردش دوراں ہو گرد اپنے یہ تجھ در سے
نہیں اٹھیں گے جب ہم نقطۂ پرکار ساں بیٹھے
نہ میں کہتا تھا ہر دم اس سے شکوہ خوب نہیں اے دل
غبار آپس میں ان باتوں سے آخر درمیاں بیٹھے

جب تو کمر دلوں پر پھر قتال باندھے
تیر نگہ نشانی چوکے ، نہ بال باندھے
خورشید دیکھتے ہی تھا غرق خوں شفق سے
نکلا جو سر پہ اپنے وہ سرخ شال باندھے
منظور قتل عالم یارو نہیں جو اس کو
پھرتا ہے چرخ کس پر تیغ ہلال باندھے
ہم نے طلاق دے کر دنیا پہ تف کیا ہے
جس سے نکاح چاہے اب یہ چھنال باندھے
رنگینیٔ سخن سے بے جاں تلاش کر کر
تو ہے ہر اک غزل میں تازہ خیال باندھے
لیکن میں یہ ڈروں ہوں ، ایسا نہ ہو کہ ناداں
اس فن سے کچھ تو دل میں زعم کمال باندھے

ملک عدم سے ساقی کس بادہ کش کی خاطر
آتے ہیں گل چمن میں سر پر ایاغ باندھے
آتش تمام بے جاں دیواں میں لگ اٹھے گی
ہر شعر میں تو دل کا مت سوز داغ باندھے

بهیک مانگیں ہیں کھول کر دامن
دیکھ گلشن میں تجھ کو اہل چمن

خوب الفت کا کیا تم نے نباہ
واہ وا اے آفریں صد آفریں
(۲۲۶ الف) زندگی جب ہوئے گی، کرلیں گے یار
ان دنوں تو موت بھی ہم کو نہیں

انتظاری میں تری ، حال دل بیتاب دیکھ
ہر طرف پھرتے ہیں مثل چشم اصطرلاب چشم
رو بہ رو اس کے، ادب سے رو نہیں سکتا ہوں لیک
ضبط جوش اشک سے کھوسے ہے جوں گرداب چشم
ہوگیا ہے نقش دل پر شام سے کس کا خیال
دیدۂ تصویر کے مانند ہیں بے خواب چشم
آہ درد آلود بے جان سن کے تیرے دل کی آہ
ڈبڈبا آتی ہیں جوں پیمانۂ دو لاب چشم

زلف کو دیکھا کسی کی ان نے آیا خواب میں
کچھ خیال آتا نہیں دل کیوں ہے پیچ و تاب میں
یوں تو روز حشر ہے ہر رات لیکن کیا کہوں
جو کہ دن دیکھوں ہوں میں تجھ بن شب مہتاب میں
گریۂ بے جاں کو تو مت جان ہرگز بے اثر
گوہر یکتا نظر آیا ہے اکثر آب میں

پرورش گو زیر دامان فنا ہو ، ایک بار
کون پھر زیستن یاں مثل گل خندان نہیں

میں کشتہ ابروے بتاں ہوں
انگشت نماے یک جہاں ہوں
تو پھول ہنسی میں لٹپٹا ہے (۲۲۶ ب)
میں طرز سخن میں گل فشاں ہوں

کثرت میں ہے عین دید وحدت
گر دل میں نہ اپنے ما و من ہو
غربت کے مزے کو کون جانے
تا میری طرح نہ بے وطن ہو

تو بھی تو چلے ہے وھی رفتار ہمیشہ
جس چال پہ یاں چلتی ہے تلوار ہمیشہ
ہوں گردشیں عالم کی، یہ دل تیری گلی سے
ٹلتا نہیں جوں نقطۂ پرکار ہمیشہ

مرنے کا میرے کون سے عالم کو غم نہیں
ہے داغ داغ خنجر فولاد دیکھیے

ارے گل ، تجھے ہنستے دیکھوں میں پھر ہنس
اسی طرح ہنسنے کی خو تھی کسی کی
سراغ دل گم شدہ لیجو یارو
گلی میں پھر اواز ہو تھی کسی کی

تغافل کے مارے سنا شب نہ تونے
حکایت ترے رو بہ رو تھی کسی کی
مرے دل کی اللہ یہ پاس خاطر
گرہ زلف میں مو بہ مو تھی کسی کی
سکندر ، سلیماں پہ کیا ہے ، یہ دنیا
کبھو تھی کسی کی ، کبھو تھی کسی کی
وہ کیا دن تھے ، اللہ اللہ ، بے جاں
نہ پروا دل زار کو تھی کسی کی

چھاتی ابھی حاسدوں کی پھٹ جائے
سینے سے مرے جو تو لپٹ جائے (۲۲ الف)
بے جاں تو ملا کر اس سے کم کم
شاید کچھ یوں ھی ڈول پٹ جائے

---

(۱۹۲) بیدم

مجموعۂ خوبی ھاے انسانی مولوی غلام جیلانی بیدم تخلص، حالا رفعت اختیار نمودہ متوطن بلدۂ پیلی بھیت، نبیسۂ مولوی احمد خاں شاہ جہان پوری ، قوم افغان ، جوان خوش عنوان ، فاضل مستعد ، مجمع قابلیت و حلم، معدن مروت، مخزن صفا و فتوت، اختر برج محبت ، گوھر درج صداقت - طبعش رسا و نکتہ چیں ، متلاشیٔ مضامین نو و رنگین ، اگرچہ نو مشق است فاما مذاق گفتگویش پہلو بہ رتبۂ سخن استاداں می زند۔ بایں عاصی اتحاد دلی و ربط کلّی دارد ، حق تعالیٰ خوش و خرم و زندہ اش دارد و در کونین بہرہ مند داشتہ سمند فکرش برتبۂ بلند رساند ، ایں غزلیات چند از فکر بلند اوست :

خیال ما و منی جن نے دل سے دور کیا
خدا کے نور نے اس دل میں آ ظہور کیا
سنے شکستگی دلاں کا، نہ پوچھ اے ہمدم
مرا یہ شیشۂ دل لے کے چور چور کیا
جفا و جور اس افغان پسر کے کیا کہیے
وفا کے کام میں ان نے بہت قصور کیا

اس دل کو نہ دینا تھا اس کو ، افسوس یہ میں کیا کم کیا
اب لے کے جو اس کافر نے یہاں ناحق مجھ کو بدنام کیا
اس افغاں کی کاکل ہمدم شب سر پہ میرے یہ[1] بلا لائی
میں نالہ و افغاں صبح سے لے غم میں[2] جس کے تا شام کیا

جس ادا سے ہے اس جواں کی ادا
کون رکھتا ہے ایسی بانکی ادا
پند ناصح نہ کر کہ اب پتھر
دل ہوا ، دیکھ ان بتاں کی ادا

کہیے کیا اپنے بے ادب کی ادا
گرد ہے جس کی آہ سب کی ادا
کج نگاہی سے دیکھنا اس کا
ہائے رے شوخ پر غضب کی ادا
زخم کرتی ہے دل میں جوں شمشیر
مسکرانے میں اس کے لب کی ادا

---

۱ - فی الاصل : نہ
۲ - اصل : ہم نے جس کی

ق

سب پریشان ہو کے کہنے لگے
زلف اس کی نے رات جب کی ادا
آوے گی دن کو کیا بلا بیدم
مار سب کو گئی یہ شب کی ادا
اور بھی کہیے مطلع تازہ
خوش لگی ہم کو اپنی اب کی ادا

(۲۲۸ الف) آج کیا آن نے ہم نشیں کی ادا
ہائے اس شوخ خشمگیں کی ادا
دھنس گیا خنجر مژہ دل میں
مار گئی چشم سرمگیں کی ادا

وہ شوخ سرکش جو (مہر[۱]) مانگے گا عشق کی مجھ سے اس لیے میں
کیا ہے صفحے میں سینے کے اب یہ داغ مہر قبالہ پیدا

خفا ہوئے جو تم آنے سے اے میاں میرے
تو یہ غلام چلا لیجے بندگی صاحب
میں اب تو ثانیٔ سودا ہوں شعر میں بیدم
ہو کیوں نہ فخر سخن اپنی شاعری صاحب
ہیں اپنی قدرت فکر بلند کے ناصر
مثال شوق ولی ، یعنی مولوی صاحب

---

۱ - فی الاصل : عبارت قوسین ندارد -

شب تھی نالے کی ترے کوچے میں آواز گئی
غم فرو کرنے کو آئے تھے یہ دمساز گئی
خوبرویوں سبتی میں ہو سکوں کیوں کر روکش
آہ ، دل ایک ہے اور خانہ برانداز کئی
غمزہ و عشوہ و انداز و نگاہ و شوخی
مرغ دل لینے کو بیٹھے ہیں یہ شہباز کئی
نالۂ نیم شبی ، آہ و فغان سحری
عشق میں جب سے ہوئے میرے یہ ہمراز کئی
ہوگیا راز مرا فاش ، بہ قول ممتاز
کیوں کہ وہ بات چھپے ، جس کے ہوں غماز کئی (۲۲۸ب)
کس کو طاقت ہے جو سرسبز کرے پھر یہ زمیں
طرز میں حضرت بیدم کی ہیں انداز کئی

میں جانتا ہوں قاصد ، آنے کا وہ نہیں ہے
کیا دخل ہے گماں کا ، مجھ کو تو یہ یقیں ہے
غیروں پہ مہربانی حد سے زیادہ کرنا
اور ہم پہ یہ جفائیں ، اے واہ آفریں ہے
وہ کون سا ہے شاعر ، اس کو غلط کہے گا
اس بیت میں ہماری گو قافیہ نہیں ہے

موج زن چشم سے یاں تک مری سیلاب بہے
جس میں کتنوں کے پڑے پھرتے ہیں اسباب بہے
قدر اے اشک نہ جانی میں در اشک کی کچھ
ہائے یوں پھرتے ہیں یہ گوہر نایاب بہے

خاک سے جوں نقش پا ہو کیوں نہ مانوسی مجھے
خوش لگے ہے خوبرویوں کی قدم بوسی مجھے
ہے یقین گو غیر کے گھر میں تو وہ جاتا نہیں
لیک، کرنا ہے ضرور اب، اس کی جاسوسی مجھے

جس سنگ‌دل پہ اپنی یاں ان دلوں نظر ہے
تصویر اس کی دل پر اب نقش کالحجر ہے
کب منفعت کسی کو خوش‌قامتوں سے پہنچے
گلشن میں سرو کیسا دیکھو تو بے ثمر ہے؛ (۲۲۹ الف)

وفا ہوتی ہے اول خوبرویوں سے جفا پیچھے
کہ پہلے شاد کرتے ہیں یہ ہر دل کو خفا پیچھے
یہ زلف یار درپے جان کی ہے، اس کا خدا حافظ
کہ جس کے آ لگی ہو اس طرح کالی بلا پیچھے

بالدہ کے عالم سے آہ، رخت کو جب ہم گئے
اور تو یاں کچھ نہ تھا، لے کے مگر غم گئے
جور بتاں سے کوئی رہ نہیں سکتا ہے یاں
جانے خدا کس طرف حضرت بیدم گئے

گلستاں ترک کر اے باغباں ہم بن میں جا بیٹھے
تمہارا جس پہ جی چاہے کرو جور و جفا بیٹھے
خدا سے ڈر کے مت جایا کر اس کے پاس اے بیدم
مبادا وہ بہت کج رو کہیں سیدھی سنا بیٹھے

کیوں چاک جگر نہ جوں کتاں ہوں
میں عاشق زار سہرشاں ہوں
ظالم مری بات کا جواب آہ
کچھ اور نہیں ، سوائے ہاں ہوں

خود بہ خود چاک گریباں ہے کہ جوں پنجۂ گل
نظر آتی ہی نہیں ہاتھ میں طاقت مجھ کو
(۲۲۹ ب) شوق کے شوق سے ہوتی ہے غزل اے بیدم
ورنہ کب شعر کے کہنے کی تھی قدرت مجھ کو

ارادہ ہے کہ اب کی چاک کر اپنے گریباں کو
بہ طرز حضرت مجنوں چلا جاؤں بیاباں کو
نہ چھوٹے بعد مرنے کے بھی ہم اس چرخ کے ہاتھوں
کیا ہے خاک پر میری مسلط تیرے داماں کو
برس مت ابر اتنا تو ، کہ دیکھا دیکھی تیری اب
کہیں آوے مبادا جوش اپنی چشم گریاں کو

گو اب ہزار شیخ نے ہم سے بنائی بات
پر رو بہ رو بتاں کے نہ ہرگز بن آئی بات
سمجھے جو کوئی محرم اسرار غیب ہو
تیرے دہان تنگ کی میں نے نہ پائی بات
عام نے دیکھ سوز دل اور چشم تر مری
سو سو طرح کی اس سے لگائی بجھائی بات
سنگ گراں کسی نے اٹھایا تو کیا ہوا
زور آور اس کا نام ہے جن نے اٹھائی بات

غیر از جواب منہ سے سخن مت نکالیو
رفعت یہ کوھسار نے ہم کو سنائی بات

نہیں بے وجہ جو خاکی ہے فقیرانہ لباس
سبز پاتا ہے سر خاک سے ہر دانہ لباس
عیب معشوق چھپاتا ہے ھجوم عشاق (۲۳۰ الف)
شمع کے تن پہ ہے (کیا)[1] خوش پر پروانہ لباس
خاکساری کو مری چشم حقارت سے نہ دیکھ
پہنے ہے گرد یتیمی سے گہروانہ ، لباس
مانع اے شیخ نہ ہو چاک گریباں سے مجھے
دیکھ سکتا نہیں تن پر کوئی دیوانہ لباس
جب کہ اسباب کی ہوتی تھی ازل میں قسمت
اپنے دیوانۂ عریاں کو خوش آیا نہ لباس
سر رفعت کو کرے عرش معلیٰ سے بلند
گذرے ایدھر سے پہن کر جو تو شاہانہ لباس

یہ طفل سرشک اپنا ، استاد ہے
محیط اس کو یارو رواں یاد ہے

گر نہیں تاثیر ، اب جوں نشتر نالہ بلبل رکھتا ہے
دامن رنگین خون جگر سے باغ میں کیوں گل رکھتا ہے
لاکھ تجاہل نازوادا میں[2] کرنے پڑے مہ رویوں کو، پر
بندہ بھی تو دوچند اُنھوں سے ایک تغافل رکھتا ہے

---

۱ ۔ اصل : عبارت بین القوسین ندارد
۲ ۔ اصل : کرتی پھری مہرویوں کی پر

کیوں کہ نہ پیچ میں یاں آجاوے دیکھ کے دل اب افلاطوں کا
زلف میں اپنی تو تو ظالم دور و تسلسل رکھتا ہے
اس شہ خوباں کے مانند اب کون جہاں خوبی میں
شان و شوکت ، دبدبہ ، حشمت ، فرّو تجمل رکھتا ہے (۲۳۰ ب)

اشک سے یوں نظر آتا ہے جگر پانی میں
جس طرح ہووے فرنگی کا گذر پانی میں
لخت دل اشک میں یوں شاخ مژہ سے ٹپکا
جوں گرے نخل لب جو سے ثمر پانی میں
نہیں پاتا ہے سبک روح مخالف سے ضرر
آگ کے عکس کو سردی ہے کدھر پانی میں
دیکھ کر اس کی دو رنگی کو ، مرے دیدۂ تر
شام گر خوں میں ہیں غلطاں ، سحر پانی میں

خون بہتا ہے ، نہیں نام کو نم چشموں میں
سرخ رو مجھ کو کیا عشق نے ہم چشموں میں

ہر دم آتا ہے میاں مجھ پہ کمر باندھ کے تو
گر نہ ہوں میں تو چلے تیغ کدھر باندھ کے تو
قید اس دل کو کیا ہے کمر نازک نے
ہے بجا مجھ (کو) رکھے مو سے اگر باندھ کے تو

اے دنی ، کھول کے کیسے کو اڑا گل کی طرح
مت رکھے غنچہ نمط ، گانٹھ میں زر باندھ کے تو

مہر کی آنکھ تجھے دیکھ کے جلتی ہے میاں
صبح دم نکلے ہے جب تیغ و سپر باندھ کے تو

گر چڑھے ناز کے توسن پہ کمر باندھ کے تو
(۲۳۱ الف) لاوے فتراک سے اک خلق کا سر باندھ کے تو
دل میں رہ جائے نہ تا حسرت دیدار کہیں
قتل مت کیجو مرے دیدۂ تر باندھ کے تو
کب کھلے تیرے تصنّع کا فسوں گر عقدہ
دے ہے عالم کو فریب اب تو نظر باندھ کے تو
آبرو سے ہے دلا قیمت و قدر عالم
یہ سخن گانٹھ میں رکھ مثل گہر باندھ کے تو
شعر تر نکلیں ہیں کچھ تیری زباں سے بیدم
حالت گریہ کو لاتا ہے مگر باندھ کے تو

وہ سر بلند ہے جس سر میں ہے کسی کی ہوا
مدد سے باد کی جیسے سر حباب اٹھے
جو بیٹھے رہ میں تری مثل گرد سو آخر
طرح بگولے کی سر گشتہ و خراب اٹھے

یہ حاجت اپنی میاں، تونے کی روا، نہ کبھی
کہ اس طرف نہ ہوا آہ تو روانہ کبھی
قرار آنے کا، کیوں جھوٹ مجھ سے کرتے ہو
جو آپ آئیں ادھر یہ کرے خدا نہ کبھی

گلی میں یار کی کیا کیا بہار ہے بیدم
تو حیف ساتھ مرے اس طرف گیا نہ کبھی

بسکہ دل میرا وصال یار سے مایوس ہے
جو سخن ہے لب پہ یاں سو حسرت و افسوس ہے[1]
ہائے کیا کیجے کہ مائل ہے یہ دل تیری طرف
اور خاطر آپ کی اغیار سے مانوس ہے
بزم عالم میں بہ رنگ شمع تو ہے جلوہ گر (۲۳۱ ب)
زیر و بالا چرخ گرداں صورت فانوس ہے
گرچہ اب سو رنگ سے مثل حنا خوں کیجیے
کس کو دنیا میں میسر یاں ترا پابوس ہے
بزم میں اس شمع رو کی یار بیدم کب ملے
سر پہ اپنے سایہ افگن طالع منحوس ہے

خیال زلف و رخ میں لت مری اوقات کٹتی ہے
اسی میں دن گذرتا ہے ، اسی میں رات کٹتی ہے
تری یہ شعلہ خوئی دیکھ کر اب شمع مجلس میں
جلے ہے رشک سے ہر شب اور اس کے ساتھ کٹتی

جفا تو نے وفاداروں پہ یہ یک بار ایسی کی
کہ نے اب تک سنی ہے نے کسی نے یار ایسی کی
جفا کر کر وفا کیا چاہتا ہے بے نیازوں سے
جو تو نے ہم سے ویسی کی تو ہم نے یار ایسی کی

---

۱ ـ یہ غزل ورق ۲۳۶ پر مکرر درج ہوئی ہے ، نقل میں ہم نے وہاں سے حذف کردیا ہے ۔ دوسرا شعر وہاں نہیں تھا وہ یہاں اضافہ کر دیا ہے ۔

کیا تھا عہد شب کیا جھوٹ آنے اور بلانے کا
یہ کیسی کی ، جو ویسی کی نہ اے دلدار ایسی کی
حقیقت پوچھتا کیا ہے مری ہمدم کہ ہجراں نے
جو کچھ تو دیکھتا ہے اے مرے غم خوار ایسی کی

خط ترا غارت ناموس نظر آتا ہے
مالک زلک و شہ روس نظر آتا ہے
بسکہ ہے پیش نظر مجھ کو تری نیرنگی (۲۳۲ الف)
ہر طرف جلوۂ طاؤس نظر آتا ہے
قلب صاف میں نہیں عزت اہل دنیا
عکس شخص آب میں معکوس نظر آتا ہے

ہوا ہے جانے سے اس گل کے یوں چمن خالی
کہ جیسے شمع سے ہو شب کو انجمن خالی
نہیں قرار مجھے گور میں بھی ، جوں دریا
حباب وار پڑا ہے مرا کفن خالی[1]

گھوڑا ترا جب کہ دوڑتا ہے
پھر یہ گیا ، وہ گیا ، ہوا ہے
اب دیکھ ترے عقیق لب کو
انگاروں پہ لعل لوٹتا ہے
قاتل سے نہ چاہو خوں بہا تم
آن نے مرا خوں بہا دیا ہے

---

۱ ۔ یہ شعر بھی ورق ۲۳۷ ب پر مکرر درج ہوا ہے ۔

گیا ہے گھوڑے کو خیز کرتا ، ادھر سے وہ شہسوار میرا
ہو کیوں نہ آنکھوں میں قلسیوں کی بہ رنگ سرمہ غبار میرا
تھی شہر سے سخت مجھ کو الفت ، رہا نہ مجنوں صفت میں بن میں
پھپھولے پڑتے پاؤں کھینچے تھا گرچہ دامان خار میرا
مجھے جلاتا ہے غیر سے ہوکے وہ ہم آغوش آہ یارو
نہیں ہے اس شعلہ رو کی آنکھوں میں خس برابر وقار میرا
ٹلوں کا ہرگز نہ تیرے در سے اگرچہ اے سنگدل تو ٹالے (۲۳۲ب)
کہ ہوگا یہ سنگ آستانے کا تیرے سنگ مزار میرا
میں خاک غربت میں رل گیا ہوں بہ رنگ اشک روان بیدم
کسی کی آنکھوں کے شوق میں آہ جب سے چھوٹا دیار میرا

دشت میں ہم نے زندگی کی ہے بسر برہنہ پا
پھرتے ہیں سیل کی طرح خاک بسر برہنہ پا
پڑگئے پا میں آبلے پہلے ہی گام جب کیا
قاصد اشک کی طرح ، عزم سفر برہنہ پا
ہوں سبھی خار سرخ رو ، یاروں کے پائے بوس سے
قیس کی طرح جائیے بن میں اگر برہنہ پا
کس کی تو جستجو میں آہ، پھرتا ہے بیدم ابرسان
نعرہ زنان و گریہ ناک ، خاک بسر ، برہنہ پا

دوڑتے ہیں سرشک چشم اتنے غضب برہنہ پا
کرتے ہیں طفل کی طرح لہو و لعب برہنہ پا
پڑگئے مثل بحر کے پشت قدم پر آبلے
یوں کف پائے گھس گئی چلنے سے اب برہنہ پا

اس چشم سرمہ سا نے جی سے جہان مارا
ہندوستاں سے لے کر تا اصفہان مارا
دریا میں جیسے تختہ طوفاں زدہ ہو کوئی
(۲۳۳ الف) یوں اشک نے ہمارے رہم جہان مارا
کس سے میں نام تیرا پوچھوں، کدھر کو جاؤں
مثل نسیم سارا عالم تو چھان مارا

نہیں آہ شام سے مطلقاً مری ہمدمو اثر آشنا
لب پر فغاں سے کیجیے کوئی نالۂ سحر آشنا
ہے کسی سے پھیر امید کچھ جو کرے وہ آن کے غم خوری
کہ الم میں چھوڑ چلا گیا مجھے دل سا معتبر آشنا
رہے کیوں کہ بزم بتاں میں شب کہ بقول حضرت بیدل است
چو چراغ کلبۂ مفلسم سر شام با سحر آشنا

غربت مجھے وطن میں ، ہے کس قدر سراپا
یک جا ہوں شمع آسا ، لیکن سفر سراپا

دشت میں دبدبۂ بادشہاں ہے میرا
تختۂ ریگ رواں ، تخت رواں ہے میرا
گلشن عشق میں ہے اور ہی صورت کی بہار
باغباں جس کا دل نعرہ زناں ہے میرا
داغ سینے کا ہے گل آبلۂ دل شبنم
آہ تو سرو ہے اب اشک رواں ہے میرا

نہ ملی منزل معشوق سیہ بختی سے
گو کیا سر کو قدم ہم نے قلم کی صورت

رہتے ہیں شور کناں ، نالہ و افغاں باہم
جوں سبق پڑھتے ہیں اطفال دبستاں باہم (۲۲۳ب)
جوں صبا کس سے ہم آغوش ہوا باغ میں تو
کہ ہیں کچھ غنچہ و گل مشت و گریباں باہم
اشک کیوں کر نہ چلیں زلف و رخ یار کو دیکھ
کھیلتے ہیں شب مہتاب میں طفلاں باہم
شعر ہندی کا ترے شور ہے جب سے بیدم
رشک لے جاتے ہیں سب اہل صفاہاں باہم

کب اس کے دیکھنے کی مری لاوے تاب چشم
جھپکے ہے ، دیکھ جس کی طرف آفتاب ، چشم
ہستی سے آنکھ موند کے جاتے ہیں جو کوئی
بحر عدم میں کھولیں ہیں مثل حباب ، چشم
کس سادہ رو کی دیکھ کے اب مثل آئینہ
حیرت سے ہوگئی ہے یہ سب آب آب چشم

بہتی ہے شور و زور سے اپنی مدام چشم
اک بحر ہے عظیم کہ جس کا ہے نام چشم
اس ماہ رو کی دید کی ہے اتنی آرزو
جوں سپہر ہوگیا جسد اپنا تمام چشم

ہیدم کبھو اب ایسی غزل جس کو سن کے یار
شاید کرے ادھر کو وہ عالی مقام چشم

آیا جو سرمہ سا کیے ، وہ کج نگاہ ، چشم
کہتا ہوں راست ، مارگئی مجھ کو آہ چشم
(۲۳۴الف) تو تو سفید ہوگئی روتے ہی روتے آہ
لیکن بحال خود رہے بخت سیاہ ، چشم
سیدھا جو تو کسی سے نہیں بولتا ہے دل
شاید دکھا گیا تجھے کوئی کج کلاہ ، چشم

کس گل کی اس چمن میں تیں دیکھی بہار چشم
جوں شبنم اب جو روتی ہے تو زار زار چشم
خوباں ہمیں بھی آن کے دیکھا کرو کبھو
پر آب ہم بھی رکھتے ہیں آئینہ وار چشم
ہیدم میں آج ہند میں ہوں فخر شاعراں
طاقت ہے کس کی ہووے جو اب مجھ سے چار چشم

ہیں ظالم اتنی ، اس کافر بت بے پیر کی آنکھیں
کہ جس کو دیکھ پتھرا گئیں جوان و پیر کی آنکھیں
میں وہ دیوانۂ کاہیدہ اعضا ہوں کہ اب مجھ سے
حجاب آلودہ ہوکر پھرگئیں زنجیر کی آنکھیں
یکایک کردیا گرمی نے ان کی سرد عالم کو
غضب ہیں ، کیا بلا ہیں ، اس بت کشمیر کی آنکھیں

نہ مجھ کو بادشاہی ہو نہ شان کبریائی ہو
غرض اپنے نصیبوں میں ترے در کی گدائی ہو
عبث رو رو کے تیں آنسو سے اپنا گھر ڈبائی ہے
نہ کر اے چشم تر وہ کام جس میں جگ ہنسائی ہو
سوا تلوار کے کوئی نہیں چلتا ہے واں قاتل (۲۲۴ب)
ترے کوچے میں وہ جائے کہ جس کی موت آئی ہو

یہ سخن کہتی ہے اے غافل زبان ربگ راہ
دور ہے منزل ، نہ رہ غفلت میں کر آہنگ راہ
مستعد پرخاش پر بیٹھا ہے رستے میں رقیب
پہنچوں تب مقصود کو ہو فتح جب یہ جنگ راہ
مسند پشمینہ اور یاں بالش مخمل ہے پشم
فرش خاکستر ہی اپنا زیر سر ہے سنگ راہ
آہ یوں پھرتا ہے عالم اس کی چھاتی پر چڑھا
ہوگیا ہے چاک سینہ دیکھ کر یہ رنگ راہ
منزل دنیا میں بیدم سرگذشت اپنی نہ پوچھ
پائمالی سے فلک کی ہوگئے ہم رنگ راہ

شاعر کی تاب کیا ہے جو اس کی چال باندھے
ہو فکر بند اس کی جب یہ خیال باندھے
تیرا بلند پایہ اے ماہ ! کیا بتاؤں
ناخن ترا پھرے ہے سر پر ہلال باندھے
کیا وصف کیجے بیدم اس کی کمر کا میاں اب
معدوم شے کا کوئی کیوں کر خیال باندھے

جلتا ہے اپنے سر پر آتش کو داغ باندھے
(۲۳۵الف) برجا ہے اس کو شاعر شمع و چراغ باندھے
اس گلبدن نے بیدم جس وقت منہ کو کھولا
مضموں اپنے دل نے ہو باغ باغ باندھے

ہے جب سے خاک مری تیرے آستاں کے تلے
نہیں سما ہے دماغ اپنا آسماں کے تلے
جہاں میں عمر چلی جا ہے رایگاں اپنی
مثال ریگ جو ہو دجلۂ رواں کے تلے
سمجھیو مجھ کو نہ خاموش تم کہ مثل قلم
ہزاروں نکتہ فروبستہ ہیں زباں کے تلے
نشاں کچھ اور نہ پایا چمن میں بلبل کا
پڑے تھے مشت پر اک جا میں آشیاں کے تلے
ہوں شاہ کشور دیوانگی کہ ہے اپنی
ہزار فوج غم اس آہ کے نشاں کے تلے
چبھوں ہوں خلق کی نظروں میں جب کرے ہے وہ سیر
میں مثل خار ہوں یاں گل کے سائباں کے تلے
بلند مرتبۂ عرشیاں ملا ہے انہیں
مکاں ہے حضرت بیدم کا لامکاں کے تلے

کیا کیجیے جو عشق سے اپنا بدن جلے
کیوں کر کوئی بجھاوے کہ جس وقت بن جلے
گر ٹک زباں دراز ہوں، کہنے میں سوز کے
مانند شمع سن کے تمام انجمن جلے

جب آیا کھینچ کے مجھ پر وہ تیغ ابرواں اپنی
گئے صبر و قرار آگے چلی پیچھے سے جاں اپنی (۲۳۵ ب)
دبستاں میں وہ آج اپنے ، قلم کر کر ر عالم
رقم کرتا تھا خون عاشقاں سے شوخیاں اپنی

ٹالتا ہے وصل کے وعدوں پہ وہ برسوں مجھے
روز بتلاتا ہے ظالم ، آج ، کل ، پرسوں مجھے

کیا ہے رتبہ خط نے ، صفحۂ روئے مصفا کو
کہے گر تو اٹھا لوں لب سے میں اس حرف بے جا کو

رکھیں کب داغ سے اپنا دل پر درد ہم خالی
جہاں سمجھے ہے کھوٹا ہو جو سکے سے درم خالی
سیہ بختی سخن سنجوں کو لازم ہے ، سمجھ دیکھو
نہیں جلتا ہے جب ہووے سیاہی سے قلم خالی
بغیر از ذیشۂ ساعت نہ دیکھے ہم نے اے گردوں
ترے دست جفا سے ہوویں گر دو دل بہم خالی
بہت ہم کو رلاوے گا یہ خط اس کا خدا حافظ
نہ ہالہ ماہ کا پڑتا ہے یاں باراں سے کم خالی
ہلال آسا نہ دیکھا ایک دن ابروے مہ رو کو
ہوئے ہیں آپ سے جوں بدر لاکھوں بار ہم خالی
نہ پوچھ اے ہم نفس باعث تو ہیدم کے نہ ملنے کا
نہیں رہتا ہے وہ آہ و فغاں سے ایک دم خالی

قطعہ

منہ پر ہو وار پشت پر ہو خدا
(۲۳۶ الف) نہیں رہتی ہے پھر سیہ بختی
پیش و پس گر رکھو کسی کے دو شمع
پھر نہ دیکھو گے شکل سائے کی

تری ابرو کو گر میں دیکھ کر روؤں عجب مت کر
کہ اکثر دیکھتی ہے خلق ماہ نو کو پانی میں

سنے جو در ترے دانتوں کی آب دریا میں
ہو قالب اس کا تہی جوں حباب دریا میں
ہماری چشم میں کیا دوڑتے ہیں طفل سرشک
اگرچہ چل سکے کوئی شتاب دریا میں
(۲۳۶ب) سواد چشم ہوا یوں بیاض رونے سے
سپید ہوتی ہے جیسے کتاب دریا میں
ہے آئینے میں ترا عکس یوں نمایاں یار
کہ جیسے روشنی آفتاب دریا میں
یہ کس کے لشکر سیلاب اشک کی خاطر
خیم[1] حباب ہیں موجیں طناب دریا میں
بہت ہے گردش چرخ اپنی چشم گریاں پر
کہ اکثر آئی نظر آسیاب[2] دریا میں

---

۱ - خیم = بروزن پسر ، خیمہ کی جمع -
۲ - آسیاب = پن چکی -

ہے رشحِ خامۂ بیدم غزل کی بحر میں یوں
کہ جیسے برسے اتر کر سحاب دریا میں

آسے اے شعلہ خو یک شب ترا ملنا میسر ہو
بہ رنگ شمع تیری بزم میں جو خاک آ کر ہو
نہیں ثانی ترا اے سادہ رو جز عکس آئینہ
سو منہ تو دیکھو اس کا بھی جو وہ تیرے برابر ہو

ایک شب بخت سے پائی تھی ملاقات کی راہ
پھر کسی دن ملے اللہ آسی رات کی راہ
دیدۂ تر سے نکل کر تو دلا ڈوب گیا
میں نہ کہتا تھا کہ چلتے نہیں برسات کی راہ
شیخ کل واں سے تو بیدم کو تو لایا تھا اٹھا
آج اس رند نے پھر لی ہے خرابات کی راہ

یار کو ہم جس کے دل میں جلوہ گر دیکھا کیے
آئینہ ساں اس کو ہر دم چشم تر دیکھا کیے (۲۳۷ الف)
ہے وبال سر کمال اپنا کہ ہم اس باغ میں
زیر جور سنگ نخل پرثمر دیکھا کیے
شب لظر میں ان کی آوے جلوۂ گل عندلیب
جو مدام آنکھوں سے یاں لخت جگر دیکھا کیے
کچھ نہ ہم سے سادہ لوحوں سے ہوا جوں آئینہ
غیر کے بیدم مگر عیب و ہنر دیکھا کیے

کوچے کی راہ تیری اے شوخ کم چلے ہے
شمشیر ہی وہاں پر اک دم بہ دم چلے ہے
جس کی طرف سے گرمی دل میں بتاں نہ رکھیں
پھر جوں شرر وہ دم میں سوے عدم چلے ہے
سیمیں تنوں کی شہرت ہے نام عشق سے یاں
بے سکہ بھی جہاں میں کوئی درم چلے ہے
بیمار چشم کو تو آ دیکھ اپنے ورنہ
مثل حباب اس کا چھاتی میں دم چلے ہے
رہتا ہے یوں مسلسل گو سینہ چاک بیدم
راہ سخن‌وری میں مثل قلم چلے ہے

مانند خامہ بیدم ہوں کیا سیاہ بخت آہ
زنجیر پا میں میرے اپنا ہنر ہوا ہے

اشک میں رکھتا ہے ڈوبا چرخ دولابی مجھے
مردمک آسا کیا ہے مردم آبی مجھے (۲۳۷ب)
گرم دیکھا ہے سمند ناز کو کس شوخ کے
برق کے مانند رہتی ہے جو بے تابی مجھے
جب سے اس یوسف کو دیکھا جوں زلیخا خواب میں
چشم میں اپنی نظر آتی ہے بے خوابی مجھے
ہوں مریض عشق دیجو اے طبیب حسن تو
جاے شربت بوسۂ لب ہاے عنابی مجھے
کچھ لیا میں نے نہ بیدم گو فلک دیتا رہا
احتشام شاہی و اقبال نوابی مجھے

دل چرا لینے میں گو زلف سیہ پر زور ہے
پر ترا خال عذار اے یار کالا چور ہے

دیگر قصائد و غزلیات پرزور بسیار دارد ، تا کجا در حیز تحریر آرد ، دریں مختصر نوشتن گنجایش ندارد -

---

(۳۰۱) ذوق

الف خاں ذوق ابن نشان رفعت و عوالی نشان دلیر خاں کہ بخشی اعظم نواب سعید اللہ خاں بود ، جوانے است اهل مروت ، آشنا پرست ، صاحب حوصلہ و خوش سلیقہ ، معدن صفا ، مخزن ولا ، مجمع فرهنگ و دانش ، دوستدار اهل علم و بینش ، قدردان اهل هنر (۳۴۰ الف) بسیار خوش تلاش و خوش فکر اگرچہ نو مشق است اما ذهن رسا و فکر بجا دارد و بر حال این بے حال کہ حالا طاقت مقال ندارد اکثر شفقت می فرماید ، ابقاہ اللہ الف سنۃ - و آں واهب العطیات در کواین معزز و مکرم و دلیر داشتہ نصرت عالم غیب یار او گرداناد و برتبۂ اعظم رساناد ، این چند ابیات کہ از مسودہ اش بقلم آوردہ شد ، دال بر رسائی طبع اوست - ازوست :

هوا ہے پر غضب دل آج کس دلگیر پر تیرا
پڑے ہے هاتھ هر دم قبضۂ شمشیر پر تیرا
لگے ہے آخرش جا کر یہ ظالم تیرے قدموں سے
چلا قابو نہ کچھ اس خاک دامن گیر پر تیرا
اگر میری طرح سیماب دل مارے تو میں جانوں
مہوّس ناز بے جا ہے اب اس اکسیر پر تیرا

اٹھایا ہاتھ اک عالم نے اب نام محبت سے
ستم یوں دیکھ ظالم مجھ سے بے تقصیر پر تیرا

جس سے ایجاد طریقہ ہے ستم گاری کا
تھا مگر شوق آسے اپنی نموداری کا
(۲۳۸ ب) جب سے ان ماہوشوں سے یہ مری آنکھ لگی
شیوہ پکڑا ہے سدا چشم نے بیداری کا

بن ٹھن جب اپنے گھر سے وہ کج کلاہ نکلا
رکھ سر پہ تاج شاہی جیسے کہ شاہ نکلا
جانے سے اس کے ہمدم کو دل گیا پر اب تو
لیجو خبر کہ جا ہے یہ جی بھی آہ نکلا
مت ہو بہ قول قدرت مجھ سے خفا تو اتنا
جاتا ہوں بد مروت میں اپنی راہ نکلا

جب سے اس زلف کا خیال ہوا
دشمن جان بال بال ہوا
ایک بوسہ جو دے بغیر طلب
تب میں جانوں کہ پھر بحال ہوا
وہ خوش ابرو پڑا نظر سر بام
خلق کو شبۂ ہلال ہوا

زلف کی کو میں شب کیا ، میں جو گذر برہنہ پا
شالہ صفت تھے واں کئی چاک جگر ، برہنہ پا

گھر سے نکل کے آنسوؤ ، گرم ہو تم ، چلے تو ہو
لڑکے ہو پر ، نہ کیجیو عزم سفر ، برہنہ پا
کس کی ہوا میں ذوق تو کرتا ہوا یہ ہای و ہو
آج پھرے ہے کو بہ کو خاک بہ سر ، برہنہ پا

تو تو کہتا تھا کروں گا اس کے دل میں راہ میں
دیکھ لی بس تیری شیخی نالۂ جاں‌کاہ ، میں
پھنس گیا ہوں بے طرح سے ، ان بتوں کے دام میں(۲۳۹الف)
بن نہیں آتی ہے کچھ اب کیا کروں ، اللہ میں

قطعہ

کل وہ گلگشت چمن کو گھر سے نکلا تھا کہیں
دیکھ کر میں نے کہا پیارے چلوں ہمراہ میں
ہو ووہیں بدظن ، چڑھا تیوری ، لگا کہنے مجھے
کون ہے تو ، نام سے تیرے نہیں آگاہ میں

بتا کس ناتواں سے تونے توڑا رشتۂ الفت
پریشاں ان دنوں زلفوں کے تیری تار رہتے ہیں

ہوا ہے کس سے ہم آغوش آب دریا میں
جو آج تک ہے اسے پیچ و تاب دریا میں
مٹا نشان مرا تیغ عشق سے اس طرح
کہ جیسے موج سے ٹوٹے حباب دریا میں

کرے ہے قتل ہر دم شوخ جو شمشیر سے مجھ کو
کنے ہے ایک اپنے واجب التعزیر سے مجھ کو

نہ مانی بات اپنے پیر کی ، میری سفارش میں ،
پڑا ہے کام یارب ہائے کس بے پیر سے مجھ کو

ہمرہ اشک چلے جاتے ہیں یہ لخت جگر
لوگ کیوں کہتے ہیں چلتے نہیں برسات کی راہ

جا کر کہو یہ اُس بت نا مہرباں تلک
یہ ظلم و یہ ستم یہ تعدی کہاں تلک (۲۳۹ ب)
جوں شمع تیرے غم سے جلا، پر نہ ایک بار
لایا میں حرف شکوہ اس اپنی زباں تلک
کہتے ہیں آہ کا ہے مری لا مکاں پہ سر
پر ایک دن نہ پہنچی یہ اس کے مکاں تلک

تمام عمر ترے پیچھے جاں فشانی کی
پر ایک دن نہ کبھی تو نے مہربانی کی
خدا ہی جانے کہ طفلی میں کیا بلا ہوگا
مجھے تو مار گئی یہ ادا جوانی کی

نظر پڑی تھی مجھے خواب مین وہ زلف سیاہ
ہے سر پہ میرے چڑھی کچھ بلاے سی تب سے

بہ رنگ مہر و شبنم نت مری اوقات کٹتی ہے
جو سرگرداں پھروں دن کو ، تو روتے رات کٹتی ہے
کنار و بوس ہے محفل میں سب سے دختر رز کو
ولے اک منہ لگانے سے مرے بد ذات کٹتی ہے

ہوا معلوم باعث ذوق کے خاموش رہنے کا
تری محفل میں ان روزوں اب اس کی بات کٹتی ہے

محبوس کوئی چھٹتا ہے اس دام سیتی شاید
بیٹھا ہوا جو پھر وہ کاکل کو تاب دے ہے
مکتب میں وہ ستم گر کس قاعدے سے ہے ہے
پیش معلم اپنی جا رکھ کتاب دے ہے (۲۰۰الف)

اہل چمن کو کس کی گلشن میں جستجو ہے
ہر سرو جو کھڑا واں جھانکے ہر ایک سو ہے
اے یار تجھ سوا اب ، خطرہ نہیں مجھے کچھ
ام خدا زباں پر اور دل میں میرے تو ہے

نالۂ نیم شبی میں جو نہیں ذوق اثر
بخت بد میرے کہیں آہ مگر سوتے ہیں

قطعه

ہم نشیں بہر خدا ، حال مرا اس کو سنا
رمز و ایما و کنایات و حکایات کی راہ
شاید اس قصۂ جاں سوز کو سن کر میرے
رحم کھا کر وہ بت آجائے ملاقات کی راہ

تجھ میں دیکھی نہ کبھی ہم نے کرم کی صورت
ہوگیا غم میں ترے ہائے میں غم کی صورت

کچھ ستم سا جو ستم ہو تو میں تقریر کروں
تا بہ کے کیجے میاں تیرے ستم کی صورت
منہ تو آئینے کا دیکھو جو مقابل ہو ترے
دم میں بہ جائے خجالت سے وہ نم کی صورت

اغیار کے کہے سے، عاشق بجان مارا
افسوس تونے کس کو اے بد گماں مارا
مارا گیا ہوں میں ہی تنہا نہ دیکھ اس کو
اس چشم خوں فشاں نے سارا جہان مارا
یوں تو گذر گئے ہیں بے خانماں سب عاشق
پر عشق گھر بسے نے مجھ کو ندان مارا (۲۴۰ب)
رہ میں موا پڑا ہے اک ذوق نام عاشق
شاید کہ تیرے غم نے وہ نوجوان مارا

بلبل رکھے خزاں میں نہ کیوں دل پہ داغ گل
ملتا نہیں غریب کو ہرگز سراغ گل
پہنچا ہے حب سے گوشۂ دستار پر ترے
ہے کچھ بلند عرش بریں سے دماغ گل

ہائے شب پوچھے تھا وہ مجھ سے کس انداز سے راز (کذا
کہہ سکا لیک نہ میں خطرۂ غماز سے راز
حیف صد حیف کہ یوں غیر سے سرگوشی ہو
اور پوشیدہ رکھو ذوق سے ہمراز سے راز

میں کوزہ پشت ہوا ، پیر آسماں کی طرح
کہ بھا گئی ہے مرے دل کو اس جواں کی طرح
ادا و ناز تو سب دلبروں میں ہوتے ہیں
ولے تری سی نہ دیکھی کسی میں بانکی طرح
مرے ہی قتل پہ رہتا ہے نت کمر باندھے
عجب ہی طرح کی دیکھی ہے اس میاں کی طرح
خبر شتاب لے ظالم تو اپنے بسمل کی
کہ اب بری ہے نپٹ ذوق نیم جاں کی طرح

لخت دل اشک سے اب رہتے ہیں تر پانی میں (۲۴۲ الف)
گرچہ آتش نہیں آتی ہے نظر پانی میں
سرد مہری سے فنا ہوتے ہیں یوں سوختہ دل
جوں چلے سوے عدم گر کے شرر پانی میں
عکس ابرو کا تری دیکھ کے مثل شمشیر
موج دریا کی ہوئی زیر و زبر پانی میں
روز و شب شام و سحر روتے ہی روتے اے ذوق
بہہ گیا آہ مرا نور بصر پانی میں

ہو گئی دل سے فراموش گلستاں کی ہوا
خوش لگے جب سے ترے غم میں بیاباں کی ہوا
ہو نہ تا زیست آسے طاقت پرواز اگر
طائر شوق کو لگ جا ترے پیکاں کی ہوا
خوبرویوں کی ہوا میں جو ہوئی یوں برباد
خاک میری کو لگی کس کے یہ داماں کی ہوا

مت ستاوے تو عبث اے بت ترسا مجھ کو
آج آتا ہے نظر حال بتر سا مجھ کو
کیوں نہ رو بیٹھوں سبھی اس دل کے تئیں اے ہم دم
ہم نشیں جب کہ ملے دیدۂ تر سا مجھ کو
جڑ دے اک تیغ کہ قصہ ہی تمام اب ہووے
مار ظالم ، نہ تو اس درد میں ترسا مجھ کو

---

(۱۹۳) ممنون

فتح چند ممنون تخلص ، قوم کا یتھ ، متوطن شاہ جہان آباد ، (۲۴۱ ب) مردے است خوش اخلاق ، خوش گپ ، در فنون قابلیت طاق ، و در علم موسیقی و کبت و دوھرہ استعداد کامل دارد ، شعر فارسی و ھندی ھر دو موزون می کند ، این چند اشعار از مسودہ اش بقلم آوردہ شد ۔ ازوست :

برابری کا تری گل نے جب خیال کیا
صبا نے مار طپانچہ منہ اس کا لال کیا[۱]

اتنا تو کیوں ہے زیست سے بیزار کیا ہوا
سوکھا سا لگ گیا تجھے آزار کیا ہوا

جاویں نہ تیرے گھر تو ہم اے یار کریں کیا
بیمار ہیں تجھ چشم کے ، ناچار کریں کیا
نے چشم نہ ابرو کی ، نہ تقصیر کسی کی
دل آپ ہی ہوا جا کے گرفتار ، کریں کیا

---

۱ ۔ یہ شعر ممنون کا نہیں ہے ۔ تذکروں میں سودا کے نام سے درج ہوا ہے ۔

دیکھیں تو ہوں بے ہوش نہ دیکھیں تو ہوں بے خود
تازہ ہوا یہ چشم کو آزار ، کریں کیا

جس گھر میں نہ وہ ہم کو جاانانہ نظر آیا
وہ گھر مری نظروں میں غم خانہ نظر آیا
سچ کہہ تو بھلا پیارے ، ہے تجھ کو قسم میری
مجھ سا بھی کوئی تجھ کو دیوانہ نظر آیا
اس زلف پریشاں سے الجھا جو کوئی جاکر
صد چاک جگر اس کا جوں شانہ نظر آیا (۲۴۲الف)
دن رات جو پھرتا ہے وہ جانب مےخانہ
ممنوں بھی کوئی مجھ کو مستانہ نظر آیا

بدل تیوری ، پکڑ خنجر جو وہ ابرو کماں نکلا
جگر سے خوں، سرشک آنکھوں سے ،سینے سے فغاں نکلا

لوٹ ، مے خانے میں جا ، اور بادۂ گلگوں کھینچ
گوشۂ مسجد میں کیا بیٹھا ہے زاھد سوں کھینچ
شعر سب ممنوں ترا ' استاد کرتے ھیں پسند
ھر غزل میں جب تو لاتا ہے نئے مضموں کھینچ

جھڑکی کے ساتھ گالی دی کل ، یک نشد دو شد
لے دل ، رھا ہے جی پہ مچل ، یک نشد دو شد
مژگاں کا مور چال تو قائم ھی تھا پر اب
خط کا سمٹ آکے آیا ہے دل ، یک نشد دو شد

ایک ھی ادا میں جی کو تو پامال کرچکے
اب ہے بنائے دل پہ خلل یک لشد دو شد
تھا ھی دل اک تو لٹ پٹی پگڑی کے پیچ میں
اور اس پہ زلف کھاتی ہے بل یک لشد دو شد

میں دین و دل کیا تجھ سبز رنگ کی خاطر
تو بیٹھتا ہے بھنگیروں میں بھنگ کی خاطر

(۲۴۲ب) جوں برق وہ رهتا ہے ہر اوقات کہیں اور
یک دم جو یہاں ٹھہرے تو دن رات کہیں اور
چھل باز خدائی میں نہیں ہوتے ہیں تجھ سے
بیٹھا ہے تو یاں لگ رهی ہے گھات کہیں اور

اس کے عارض سے مقابل ہونے کا کرتا ہے عزم
کچھ پریشانی کے آئے ہیں مگر ایام گل

جی لے گئی عاشق کا تری آن تغافل
تس پر نہیں گھٹتی ہے تری شان تغافل
اوروں کو کیا عید کو قربان ، مری بار
منہ پھیر لیا ، اے ترے قربان تغافل
ہر بات میں اغماض، ہر اک بات میں تعطیل
معلوم ہوا تم ہو مگر کان تغافل

آئے تھے کتنی دور سے تجھ پاس چل کے ہم
اب دل کو دے کے بیٹھ رہے هاتھ مل کے ہم

اندوہ و درد و رنج و مشقت کے کچھ سوا
پایا کسی نے عاشقی میں اور پھل ، کہ ہم
پھر خدا ٹک آج تو کر اس طرف نگاہ
مارے تری نگہ کے ، سسکتے ہیں کل کے ہم
آخر ہے وقت آؤ تو ہو عاقبت بخیر
مہمان اور ہیں تری اک آدھ پل کے ہم
مضمون خوب باندھے ہے ممنوں ، صد آفریں
مشتاق ہوگئے ہیں تری اس غزل کے ہم

کبھی جو دیکھ پاتے ہیں چمن میں تاک کی چھائیں (۳۴۲ الف)
تو پھر وہی شور وہی مستی وہی نالہ وہی آہیں
کسی سے دن کو خلوت ہے کسی سے رات کا وعدہ
ہمیں بتلاوتے ہو عالم بالا پہ تن خواہیں
ہماری آہ و زاری دیکھ وہ ممنوں لگا کہنے
سدھاریں اب یہاں سے آپ اگر اپنا بھلا چاہیں

کیا تو قتل ، لیکن رحم کہا میری غریبی پر
پر آب اب تک ہیں اے ظالم تری شمشیر کی آنکھیں

اک عالم دیکھتا ہے ، کیوں مجھی کو قتل کرتے ہو
غضب کیا آگیا میں نے ہی جو دو چار کی نظریں
دکھائی صاف بتلاتا ہے جب ملتا ہوں میں اس سے
پھری سی دیکھتا ہوں آج کل کچھ یار کی نظریں

اٹھانے کی اشارت تم نے کی چھکے سے میں کھسکا
میاں پہنچانتے ہیں تم سے ہم عیار کی لظریں[1]

اب تو آئے سلام کرتے جائیں
یک دو اس سے کلام کرتے جائیں
وہ نہ بولے تو جی ہی دے گذریں
اس کے آگے یہ نام کرتے جائیں
تیرے دروازے آگے اے پیارے
راہ چلتے یہ کام کرتے جائیں (۲۴۳ ب)
نالے پر نالے ، آہ اور زاری
صبح سے تا بہ شام کرتے جائیں

تمھیں ہمیشہ رہا ننگ میرے نام سے آہ
ہمیں جو دیکھو تو ہم نام و ننگ سے چھوٹے

ضرورت کیا ، علم کر تیغ تم بدنام ہو پیارے
کٹا مرتا ہے آپس ہی میں عالم خانہ جنگی سے

کیوں پھر کھڑے ہو ، جاؤ میاں اپنی راہ سے
ناحق الجھ پڑو گے کسی بے گناہ سے
ہوویں صف مژہ میں جہاں اتنے نیزہ باز
دل ہوسکے کب عہدہ برآ اس سپاہ سے

---

۱ ۔ فی الاصل : نظریں

چلے همسایگاں کر اس کے هاتھوں سے مکاں خالی
رها تو بھی نه دل آه و فغاں سے یک زماں خالی
همارے قتل پر کیوں اتنی ظالم اضطرابی هے
مرے مرنے سے هوگا کون سا کہیے جہاں خالی

---

(۱۹۵) مائل

میر حسن مائل متوطن دهلی، جوانے است خوش اخلاق، آشنا پرست، مجنوں منش، از چندے به سبب افراط و تفریط روزگار ناهنجار، در قصبهٔ دارالسرور رامپور، وطن اقامت گرفته ۔ ذهن رسا و فکر بجا دارد و بعد سالے و ماهے غزلے و فردے به تقریبے موزوں می کند (۴۴۲ الف) از یاران عزیز خاں موصوف است و با این عاصی دوستی دلی دارد، حق تعالیٰ خوش و خرم داشته عزیز جہاں گرداناد ۔ این چند ابیات ازوست :

خاک کو میری کردیا برباد
کیا بگولے نے سر اٹھایا هے

کیوں نه عارض سے تیرے لپٹے زلف
منه لگائی هے، سر چڑھائی هے

عجب هی وضع هے اس دل کی یارو
رکھے هے دوست خونخواروں کو اپنے
بری هے اپنی کچھ قسمت هی مائل
کہوں کیا نیک و بد یاروں کو اپنے

نے مسجد جم سے ہے نہ کچھ جام سے مطلب (کذا)
ہے ہم کو سدا اپنے دل آرام سے مطلب
اب حق نے مجھے شاہ کیا ملک جنوں کا
کیا کام ہمیں روم سے ، کیا شام سے مطلب
دشنام سے کچھ ننگ نہیں ، بوسہ میں لوں گا
کچھ ہووے میاں ، اپنے ہمیں کام سے مطلب
دشمن نہ ہو مائل تو اپنے کسی عنواں
ہے دوست اگر اپنے تجھے کام سے مطلب

دل بے کس مقابل تو ہوا مژگاں جنگی سے
بچے پر دیکھیے کیوں کر یہ اس فوج فرنگی سے
(۳۴۲ ب) سحر کہتے ہو جو کچھ، شب نہیں کرتے عمل اس پر
رہیں گے دیکھیے کیوں کر کے اس قول[1] فرنگی سے
تمھاری خاطر نازک کا دل کو پاس ہے ورنہ
نہیں ڈرتے ہیں کچھ اغیار کی ہم غولہ دنگی سے
نہ بڑھ کر بات کہہ، بس دیکھ لی شیخی تری مائل
کبھی پنج لیتی اک تو نے غزل سوبھی کڈھنگی سے

مائل اگر وہ غیر سے ملتا ہے روز و شب
اس امر میں نہ بولیو زنہار دیکھنا
تو نے مگر یہ مصرع سودا نہیں سنا
جو کچھ خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

---

۱ - فی الاصل : فوج

(۱۹۶) غلام مرتضیٰ

از قاضی زاده هائے قصبه سیس پور ، جوان اعجوبه عنوان ، شوق درویشی دارد و به سبب توحش خاطر اکثر اوقات مصرعه موزوں و ناموزوں بر زبان او بر می آیند . یک فرد از فیض سخن او به تحریر می آید ، ازوست :

زخم دل پر ہزارہا دیکھے
جور خوباں کے بارہا دیکھے

---

(۱۹۷) همت

آخونزاده همت خان ، متوطن موضع پنهره متخلص به همت ، جوانے است صاحب مروت ، خوش همت ، خلیق ، آشنا پرست از یاران (۲۳۵ الف) قدوة السالکین صاحب کمال حافظ محمد جمال ، طبع موزوں و ذهنش بسیار مناسب حال - از بسکه مزاج آزاداله و مشرب رنداله دارد ، تا حال سر التجا پیش ارباب دنیا فرو نیاورده ، شب و روز باکتساب کمال طریقه محمدی ، امیدوار جمال احمدی می ماند ، حق تعالیٰ در کونین خوش و خرم داشته شفاعت احمدی یار او گرداند و رتبۀ سخنش باوج بلند رساند ، این چند ابیات از مسوده‌اش بقلم آورده شد ، ازوست :

جب شانه صفت دل کو میں صدچاک کروں گا
کوچے میں گذر زلف کے بے باک کروں گا
محفل میں ، میں گر غیر سے گرمی تری دیکھی
جوں شمع جلا تن کو وهیں خاک کروں گا
آئینه صفت هووے گا عالم سبھی غرقاب
جس وقت کبھی چشم کو نمناک کروں گا

کالے کا جگر عرش کا دہشت ستی ہمت
جس وقت میں اک آہ غضب ناک کروں گا

کیوں نہ ہر اک سے کرے دار مدار
شوق ہے اس کو نموداری کا (۲۴۵ ب)
دہشت غیر نہیں کچھ دل میں
خوف ہے تیری طرف داری کا
ہمت اک ڈھب ستی ملیو اس سے
شیوہ رکھتا ہے ستم گاری کا

کہتے ہیں یار تو کل جاوے گا
پر یہ جی آج ہی نکل جاوے گا
ہر گھڑی گھر سے نکل مت ظالم
کوئی چھلاوہ تجھے چھل جاوے گا
ہائے پھر دل یہ غضب کا مارا
اس کی باتوں پہ بہل جاوے گا
دیکھیں کیا داد دلاویں نواب
لے کے ہمت یہ غزل جاوے گا

گاہے زمیں پہ آن نے نہ ہم کو دیا قرار
آفت ہماری جان کو یہ کچھ آسماں ہوا
خدمت میں اس کی جاکے جو کل یہ غزل پڑھی
بولا کہ چل بے یاں سے ، بڑا شعر خواں ہوا

طفلی میں جن نے مجھ کو یہ همت کھلائے کھیل
اب تو خدا کے فضل سے وہ نوجوان ہوا

پہنچے گا کب کوئی مرے رتبے کو ہر برهنه پا
کی ہے میں کوئے یار میں عمر بسر برهنه پا
ہووے نہ آہ کا مری کیوں کہ بلند مرتبہ
جاتا ہے آگے دوڑتا جس کے اثر برهنه پا
کون سے گل کی اب ہوا تجھ کو لگی ہے اے صبا
پھرتی ہے تو جو جا به جا ، خاک به سر برهنه پا (۳۰۶ ب الف)
میرا یہ حال زار دیکھ پوچھے تھا خلق سے وہ یوں
پھرتا ہے همت آج کیوں برهنه سر برهنه پا

گو ہوں حال تباہ میں ڈوبا
پر ہوں اک عز و جاہ میں ڈوبا
تیرے چاہ ذقن کی چاہ میں دل
باؤلا ہو کے چاہ میں ڈوبا

لگتی ہے یہ نگاہ تری تیر کی طرح
مارے ہے مرغ دل کو وہ نخچیر کی طرح
چھوٹوں اب اس کی زلف سے میں کس طرح بھلا
پاؤں میں پڑ گئی مرے زنجیر کی طرح

آوے کیوں کر نہ یاس مجھ کو
کرتا ہے تو یوں اداس مجھ کو

مارا مجھے دے فریب جن نے
لے جا کوئی اس کے پاس مجھ کو
اس دشمن جاں سے اپنے دارو
کرتا ہے کچھ التماس مجھ کو

دو قدم اٹھ جو ترے در سے چلے بیٹھ گئے
پاؤں جتنے کہ ملائے نہ ہلے ، بیٹھ گئے
مثل خور ، صدر نشیں دیکھ تجھے سب مہ رو
ماہ کی طرح سے نادم ہو ، تلے بیٹھ گئے
سوز دل کو جو ہتا ہے تو سنے کا ہمت
گھر کے گھر اس میں ہزاروں کے جلے، بیٹھ گئے

لے گئے ہیں یاں سے سب شاہ و گدا
اپنے اپنے دل پہ داغ زندگی (۲۳۶ ب)
بلبلا سا آپ کا جاتا ہے بیٹھ
بھر چکے ہے جب ایاغ زندگی

دل میں تمھارے ہو جدھر جائیے
پر نہ اک اغیار کے گھر جائیے
آج ہے ہنگامۂ اغیار گرم
باندھ کے شمشیر و سپر جائیے

نہیں ہے لطف کی امید کچھ ہمیں تیرے
مجھے تو سوجھے ہے تیرا وہ پھر غضب اک دن

ہزاروں فن میں کیے تو بھی مجھ سے اے ہمت
بنا نہ آہ اس عیار سیتی ڈھب اک دن

کوچے سے تیرے جب ہم انجان نکلتے ہیں
جی تو وہیں رہتا ہے ، بے جان نکلتے ہیں
ہمت میں نے اک عالم دیکھا پہ کوئی حضرت
تم ساز کے دنیا میں انسان نکلتے ہیں

پاؤں ہی سے تنہا نہ بگولا سا دواں ہوں
جوں اشک تری راہ میں آنکھوں سے رواں ہوں
مشکل بنی آ دونوں طرح مجھ کو کہ اس کی
آنکھوں میں سبک ہو گیا اور دل پہ گراں ہوں
بیٹھا ہوں ترے پاس پہ اے ہم نشیں اس دم
جوں فکر سخن سنج نہ جانے میں کہاں ہوں

اگر سر بھی نہ تیغ عشق سے تیری کٹاؤں میں
تو پھر کس منہ سے شہر حسن میں عاشق کہاؤں میں (۲۴۷ الف)
علم شمشیر کو کرکے لگا کہنے مجھے قاتل
کہ اس تلوار کے اپنی تجھے جوہر دکھاؤں میں ؟
تو لے لے مول ہمت کو ، بہا ہے اک نگہ اس کی
غلام بے وفا نکلے تو اس کا من مناؤں میں

کشور دل کو نہ عشاق کے تاراج کرو
بے خلش بیٹھے اس اقلیم میں تا ، راج کرو

کام امروز کا فردا پہ نہ رکھو ہمت
کل جو کرنا تمھیں منظور ہے سو آج کرو

اڑا ہے دھجیاں ہو کر گریباں جس کے ہاتھوں سے
میں کب چھوڑوں گا دست آرزو سے اس کے داماں کو
ابھی تو نیزہ چڑھ جاتا ہے پانی بے تکلف یاں
اجازت دوں برسنے کی اگر میں ابر مژگاں کو
پڑا ہے کام اب کی سخت کافر سے مسلمانو
خدا رکھیے سلامت اس سے اپنے دین و ایماں کو
ہزاروں کے دل اس چاہ ذقن کی چاہ میں ڈوبے
ٹھگوں کی باؤلی کہیے تو کہیے اس زنخداں کو
پراگندہ دل اپنا جمع ہو کیوں کر کے اے ہمت
پڑا دیکھا ہے میں اس منہ پہ شب زلف پریشاں کو

(۲۴۳ب) گھر سے نکلا ہے جو شمشیر و سپر باندھ کے تو
مستعد قتل کا کس کے ہے، کمر باندھ کے تو
خون یک خلق کا سر تیرے چڑھے گا ظالم
سرخ چیرے کو چلا ہائے کدھر باندھ کے تو
تھا نہ خورشید جہاں تاب کے منہ پر لوہو
ڈھال تلوار جو نکلا تھا سحر باندھ کے تو
خوبرو لالچی ہوتے ہیں جہاں کے سارے
گر ملے ان سے تو مل گانٹھ میں زر باندھ کے تو

عجب گردش میں اپنی ان دنوں اوقات کٹتی ہے
بہ رنگ مہر و مہ پھرتے ہی دن اور رات کٹتی ہے

بھلا میں کس کے منھ پیغام کہہ بھیجوں کہوں اب تو
زباں نامہ بر کہتے ہوئے اک بات کٹتی ہے
نہ کہنے تھے تجھے مت پھر لیے یوں نقد دل ہمت
کہ یاں ان گٹھ کٹوں میں گالٹھ باتوں بات کٹتی ہے

میں کہا ، مجھ پہ کیا کر تو لگاھے گاھے
ہنس کے کہنے لگا : ہر روز کہ گاھے گاھے
کیا کہوں دل میں مرے آتی ہیں کیا کیا باتیں
جب وہ مل جا ہے اکیلا سر راھے گاھے

ہنس ہنس کے وہ غیروں کو جب ہاتھ لگاتا ہے
یہ دیدۂ تر رو رو برسات لگاتا ہے
بے وجہ مرے دل کا جالنا نہیں زلفوں میں (۲۳۸الف)
چھپ کرکے وہ بوسے کی واں گھات لگاتا ہے
یہ وجہ نہیں ہوتی معلوم ہمیں ہمت
سرمہ وہ جو آنکھوں میں دن رات لگاتا ہے

زلف کافر کیا تری بے پیر ہے
جس کا بندھوا[1] ہر جوان و پیر ہے

حال کہنا اس سے کچھ منظور ہے
پر زباں پر لاسکیں مقدور ہے

---

۱ ۔ بندھوا = اسیر ، قیدی ۔

لپ۱ گیا ہے آبلوں ہی سے تمام
دل بسان خوشۂ انگور ہے

عالم کے مرقع میں ، یوں شکلیں ہیں بہتیری
پر ہم کو تری صورت تصویر نظر آئی

چاند سے منہ سے جو برقع کسو اٹھا دیتا ہے
اوج خوبی سے مہ و خور کو گرا دیتا ہے
بد زباں ایسا تو کاہے کو تھا آگے دلبر
کوئی مشفق ہی مگر اس کو سکھا دیتا ہے
کہ جو ناحق میں بھی ، دو چار اب الٹی سیدھی
جب نہ تب مجھ کو جو دیکھے ہے ، سنا دیتا ہے

کلاہ فقر کیوں بہتر نہ ہو شاہوں کے افسر سے
کہ جس کا غم اترنے کا نہیں ہوتا ہے سر پر سے
کسو زلف پریشاں میں مگر دل کو وہ کھو بیٹھے
کھڑے تھے آج ہمت، گھر کے دروازے پہ ششدر سے (۲۴۸ ب)

جو تری دشنام سے واقف نہیں
لذت انعام سے واقف ہیں
ہوں دوانا زلف و رخ کا اس کے میں
کچھ سحر اور شام سے واقف نہیں

صریحاً لے کے دل خوباں ہمارا پھر مکرتے ہیں
کوئی پوچھو نہ ہم ایسی ہی باتوں پر تو مرتے ہیں

---

۱ ۔ لپ گیا (لپنا بروزن پٹنا مصدر)= بھر گیا ہے ۔

برا مالو ، بھلا مالو ، خوشی ہو یا کہ آزردہ
جو بن آتی ہے اس کے رو بہ رو سو کہہ گذرتے ہیں
تنک ظرفوں کی حالت کیا بتاؤں بحر دلبا میں
وہ اک دم کے لیے ہمت ، حباب آسا ابھرتے ہیں

اس کے جوروں سے تھک رہے ہیں ہم
اس سے کوئی دن سرک رہے ہیں ہم
کوئی چھیڑو نہ آہ جانے دو
طرح پھوڑے کی پک رہے ہیں ہم
مثل آئینہ لت جو چشم ہے وا
راہ کس کی یہ تک رہے ہیں ہم
سوکھ کانٹا ہوئے ہیں تس پر بھی
دل میں سب کے کھٹک رہے ہیں ہم
چشم مخمور کس کی دیکھی ہیں
کہ جو ہمت بہک رہے ہیں ہم

کہیے کیا گل سے بلبل حال اپنا
اڑا دے ہے وہ اس کی بات ہنس کر

لایا تھا سوز دل سے جو ہمت زبان پر (۹۳۹الف)
جوں شمع جل کے وہ گیا اپنے مکان پر
کس طرح اس کی سمع تلک پہنچے اپنا حال
کہتا ہوں جس سے ہاتھ وہ رکھتا ہے کان پر

عاشق کے نقد دل کو لگا کہنے قلب[1] ہے
صراف کا وہ طفل جو بیٹھا دکان پر
کرتے تھے جس کے عشق سے ہمت کو روز منع
مارا گیا نہ آخر اسی نوجوان پر

رکھے ہے کیا قفس کا مجھ پہ در بند
مجھے کر رشتۂ الفت سے پر بند
یہ ضعف آکر ہوا ہے اب تو طاری
کہ آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

ٹال کر مجھ کو وہ طنّاز سر شام سے رات
سو رہا غیر کے گھر جا کے کس آرام سے رات
چودھویں رات کا جوں چاند نکل آتا ہے
یوں نظر آگیا مجھ کو وہ لب بام سے رات

---

(۱۹۸) ناصر خاں

ناصر خاں متوطن بلدۂ بریلی ، جوانے است وجیہ ، با تمکین ، بسیار ذہین و خوش مقال آدم بے مثال، قوم افغان بے زوال، از شاگردان رشید غلام جیلانی بیدم مسطور است ، ذہنش صائب و فکرش بسیار مناسب ۔ از بسکہ حوصلہ بلند دارد (۴۴۳ ب) فن شعر ریختہ را از جوہر ذاتی خود نمی شمارد ، فاما گاہ گاہے ، بعد سال و ماہے ، برائے خاطر داشت بعضے ہمدماں ، غزلے و بیتے می آرد ۔ آں حافظ حقیقی نصرت خود شامل حال او داشتہ ، در ہر آن حافظ و ناصر

---

۱ ۔ قلب = اصطلاحاً کھوٹا سکہ ۔

ـ آمین یارب العباد ـ اکثر مسودات او کہ از نظر این مولف ، ازاں انتخاب نمودہ شد ، ایں چند ابیات متفرقات کہ برساقی ذکا و ذہن او دال است ـ بہ تحریر می آرد ، ازوست :

جب غنچہ نمط خوش دل غم ناک کروں گا
داماں و گریباں کے تئیں چاک کروں گا
چشم اپنی کو اے یاس جو نم ناک کروں گا
اس آب سے یہ دامن تر پاک کروں گا
بیٹھا ہے مرے دل پہ غبار غم ہجراں
فرقت میں تری کیا میں حوشی خاک کروں گا
گر مے نہیں دیتا ہے ، تو جا باغ میں ، ساقی
آرام میں زیر شجر تاک کروں گا

کیوں اس قدر اب دل کے تئیں تنگ کروں گا
گر مے نہ ملے گی تو پیا بنگ کروں گا

اب فیض قدم اپنے سے اے قیس ترے بعد (۲۵۰ الف)
میں خانۂ زنجیر کو معمور کروں گا

وہ سرو قد خرام کرے گر چمن تلک
تعظیم سرو قد کریں سرو و سمن تلک
محفل ہے تیری ، اس دل سوزاں کی زندگی
جیسے بقائے شمع ، کہ ہو انجمن تلک
حسرت سے جس کی خوں کیا اپنا عقیق نے
پہنچی ہے کس کے لعل کی شہرت یمن تلک

ہو جائیں خاک جل کے زمیں آسماں تلک
آوے جو دل سے آہ ہماری زباں تلک
سوز پتنگ سے تو ذرا شمع شرم کر
اس دل جلے پہ اتنی تعدّی کہاں تلک
فرہاد وار سر سے میں گذرا ، کوئی خبر
پہنچاوے میرے خسرو شریں لباں تلک
مثل جرس ہوئی ہے گرہ در گلو زباں
پہنچا نہ تو بھی نالہ مرا کارواں تلک
ہے کیا عجب ہو رتبہ مرا عرش سے بلند
پہنچے جو میری خاک ترے آستاں تلک
مطلع یہ پاس خاطر قدرت کہوں ہوں پھر
ہوں دنگ جس کو دیکھ کے سب شاعراں تلک

تیر نگاہ یار سے بھاگوں کہاں تلک
بچتا نہیں ہوں گر میں اڑوں آسماں تلک (۲۵۰ ب)
کرتے ہیں تیرے قد کی سب اہل چمن ثنا
یعنی زبان حال سے سرو رواں تلک
جلوے سے تیرے اہل چمن کا یہ حال ہو
گر تو تنک خرام کرے گلستاں تلک
ہوجائیں نیلے پیلے سبھی گل چمن کے بیچ
سوسن سے لے کے اور گل زعفراں تلک
غنچہ ہو دست بستہ، کرے جیب چاک گل
اور آئے شادی مرگ وہیں بلبلاں تلک

جو مثل حنا سرزنش سنگ تلے ہو
وہ اس کے قدم کے کف گلرنگ تلے ہو
ہرگز نہ کروں خواب جو ہو بالش مخمل
سر کے تری دہلیز کا گر سنگ تلے ہو
یوں پنجۂ مژگاں نے لیا داب ترا دل
جوں مرغ کہ شہباز کے سرچنگ تلے ہو
جوں ماہ شب چاردھم تو نظر آوے
جس وقت تری ران کے شب رنگ تلے ہو
ہے پشم نظر اپنی میں، وہ بھی جو کسی کے
پانوں کے اگر مسند ہوشنگ تلے ہو
یوں گھیر لیا زلف سیہ نے ترے رخ کو
جوں روم کہ وہ دست شہ زنگ تلے

چھوڑ دیں عشق بتاں کا، نہیں مقدور ہمیں
رکھیو اے شیخ تو ان باتوں سے معذور ہمیں
رونق افزا ہیں تری بزم کے ہم شمع نمط
اپنے نزدیک سے اے یار نہ کر دور ہمیں
کون سمجھے تھا ترے کوچے میں آتا ہے کوئی
کردیا نالۂ جاں کاہ نے مشہور ہمیں
نہ رہی طاقت برہم زدن مژگاں بھی (۲۵۱ الف)
کردیا عشق نے اس طرح سے رنجور ہمیں
جز گدائی ترے کوچے کی اب اے قیصر وقت
نہ کریں، دے جو کوئی شاہی فغفور ہمیں

کن نے دیکھی ہے جہاں میں آ ، وفاے زندگی
ہے فنا دم میں حباب آسا ، بقاے زندگی
جان مت مار اے مہوس در پئے ماء الحیات
کشتن سیاب دل ہے کیمیاے زندگی
ہے کدھر اعجاز عیسیٰ اور کہاں آب حیات
بوسۂ لب ہے ترا اپنی دواے زندگی
چشم وا کرنے کی فرصت نہیں کہ یاں مثل حباب
اس طرف آئی ، گئی ایدھر ہواے زندگی
گرچہ سو پتھر پڑیں سر پر ولے مثل حنا
جا لگوں گا پانوں تک گر ہے وفاے زندگی
زیست سے ہوتا ہے حاصل مطلب دنیا و دیں
کیا ہے بہتر اور دنیا میں سواے زندگی
اتنی فرصت نہیں کہ کوئی مثل گل خندہ کرے
گو عجب جا ہے یہ باغ خوش فضاے زندگی
جن نے یہ سنگ گراں سر پر لیا ، سو مر گیا
عشق ان کافر بتوں کا ہے بلاے زندگی

دم میں دیتا ہے بہا[1] اے چرخ آب زندگی (۱۵۲ب)
چرخ کو تیں کیوں کہ دی ہوگی شراب زندگی
کیامیں دم اس بحر میں اب لوں کہ کھاتا ہے شکست
صدمۂ باد مخالف سے حباب زندگی
میں ہوں یا اس ماہرو کی ہے تلاش اب کو بہ کو
گر رہے تاباں ہمیشہ آفتاب زندگی

---

۱ - فی الاصل : بتا

مثل حس آیا ہوں تنہا اس میں میں ہر دیکھیے
کس طرف دیوے بہا موج سراب زندگی
آپ ہی ہیں ہم نقاب چہرۂ مقصود ماں
کیا تماشا ہو جو اٹھ جاوے حجاب زندگی

گرچہ رکھتا ہے بہار اے خضر باغ زندگی
لیک ہے تیری طرح کس کو دماغ زندگی
گو بجھا باد حوادث سے چراغ زندگی
آہ لیکن شمع ساں باقی ہے داغ زندگی
ساقیا اک جام دے لے وقت فرصت اب نہیں
بھر چکا ہے اب ہمارا بھی ایاغ زندگی
شمع رویوں کی ہوا میں رات پروانے کی طرح
ہو گیا دم میں خموش اپنا چراغ زندگی
مت دے تکلیف چمن بلبل کہ ہوتا ہے کہاں
قیدیِ دام محبت کو فراغ زندگی

گر نہیں پیک صبا جانے کو تو ہی جان جا
ہجر کے تا وہ غم و درد و الم کو جان جا (۸۵۲الف)

ان بتوں کی میں چاہ میں ڈوبا
یعنی اپنی تباہ میں ڈوبا
دیکھ کر اس عزیز دلہا کو
یوسف مصر چاہ میں ڈوبا
کیوں کہ پہنچے گا تا بہ قلزم عشق
تو تو جاتا ہے راہ میں ڈوبا

سوے سیب ذقن مرو اے دل
جو گیا واں سو چاہ میں ڈوبا

مجھ ستی اس شوخ کو نت جنگ ہے
جس کے دیکھے سے اک عالم دنگ ہے
جس میں ڈوبے خانہاے مردماں
چشم ہے میری کہ بحر گنگ ہے
عشق میں تیرے، مرے اے سبز پوش
چشم سرخ و زرد رو کا رنگ ہے

کل لخت دل آئے جو امڈ میرے جگر سے
آنسو کی جگہ آنکھوں سے ژالے مری برسے
قاتل ہے، بڑا شوخ ہے عیار وہ بانکا
ٹک جائیو قاصد تو وہاں خوف و خطر سے
گرجان ہی لینا ہے تجھے، جان کی سوگند
لے جان مری جان کہ گزرا ہوں میں سر سے

خالی منہ پر نہیں، متاع چمن
لوٹنے کو یہ چور آیا ہے

بلبل نے باغباں سے شاید فراغ پایا
کل شاخ گل پہ اس کو میں باغ باغ پایا
ہوتی ہے جب کہ قسمت روزازل میں میں نے (۲۲۵ب)
یہ دل ستم رسیدہ، تیں وہ دماغ پایا

اس گلشن جہاں میں آنکھوں کے کھولتے ہی
جوں غنچہ گل میں اپنے دل کا چراغ پایا
سینے ہر اپنے بلبل کھائی تھی گل ہزاروں
غنچے کے دل کو میں نے دیکھا تو داغ پایا

نہیں ہے یہ شمع ترا اپنے تئیں طور پسند
ہے جو پروانۂ دل سوز پہ تو بور پسند
وائے قسمت کہ وہ بیگانہ ہی آتا ہے نکل
آشناؤں میں کروں جس کو بہ صد غور پسند
عصر یوسف کا جسے ہوگا اسے خوش ہوگا
مجھ کو ہے اے شہ خوباں یہ ترا دور پسند

اس عشق میں مت بوجھ دل تنگ کی صورت
نے شکل ہے کچھ نام کی نے ننگ کی صورت
عاشق کی شب وصل سے لے وام سیاہی
کھینچے جو مصور ترے شب رنگ کی صورت
کرلیجیو تو سنگ قدم اپنا کہ یہ دل
افتادہ ہے کوچے میں ترے سنگ کی صورت
آ جاوے وہیں نشہ مری آنکھوں میں اے یار
گھٹواوے جو تو خط کے تئیں بنگ کی صورت

انگشت نما مجھ کو کرے کیوں کہ نہ عالم
ہوں پشت دوتا مثل مہ نو ترے غم سے (۲۵۳ الف)
سینے پہ کف پا کو تو آہستہ رکھ اے یار
ہے چور مرا شیشۂ دل سنگ ستم سے

سبزہ نہ اُگے خاک سے جز طوطیٔ گویا
قطرہ جو سیاہی کا گرے اپنے قلم سے

---

(۱۹۹) سید

سید کرم علی ولد میر محمد غوث ، از اولاد نواب صدر جہاں، متوطن قصبہ پہانی ، از چندے در بلدۂ رامپور اقامت دارد ۔ جوان قابل خوش عنوان ، حافظ قرآن ، خوش طلعت ، خوش صورت ، پاکیزہ سیرت ، معدن مروت و بردباری مخزن فتوت و دوستداری خوش خو و خوش اخلاق و در آشنا پرستی یکۂ آفاق ۔ نہایت خوش‌گو و بسیارخوش‌گفتگو۔ اگرچہ نو مشق است فاما بسیار ذہین ، دقت پسند ، متلاشی مضامین بلند ۔ ذہن رسا و فکر بجا دارد و در عین سادہ‌گوئی پرکاری ہاے او نمودار و تہ داری اشعار او آشکار ۔ بایں فقیر ہیچدان ارتباط کلی و اخلاص دلی دارد ، آں خلاق معانی بفضل عمیم خویش و بکرم علی و توجہ غوث از بلیات دوراں و چشم زخم حاسداں (۲۵۳ب) در حفظ و حمایت خود داشتہ روز بروز قدرت کاملہ نصیب او ساختہ برتبہ اعلیٰ رساناد ۔ آمین یا رب‌العباد ۔ ایں چند اشعار از نتائج فکر صائب و طبع مناسب اوست :

میں اکثر باندھتا ہوں دل میں اس سے جنگ کا نقشہ
ولے سب بھول جاے دیکھ اس بے ڈھنگ کا نقشہ
اب آ بیٹھے ہیں تیرے در پہ جو چاہے سو کر ظالم
اٹھا کر اپنے دل سے نام کا اور ننگ کا نقشہ
کرے ہر چند دشمن صاف دل اپنا کدورت سے
ولے اٹھتا نہیں جوں تیغ اس سے زنگ کا نقشہ
برہمن ، بت کو چھوڑ ، آ بندگی میرے صنم کی کر
اسے پوجے ہے کیا ، پتھر وہ ہے اک سنگ کا نقشہ

اٹھے دل میں نہ کیوں کر ہول یاروں کے اسے سن کر
بٹھا لا تو نے اے سید زمین تنگ کا نقشہ

بھولتا ھی نہیں بیٹھ کر کے وہ اڑنا تیرا
لے کے دل جی کے لیے پھیر جھگڑنا تیرا
مو بہ مو خوار و پریشاں ہوئی نس پراے زلف
اب بھی جاتا نہیں ہر اک سے اکڑنا تیرا
کیا ہوا زلف جو اب سر پہ چڑھی تو اس کے
مجھے ہے یاد[1] - - - - - - - - - -

(۲۵۴ الف) - - - - - - - - وہ دیکھ بولا
برھمن یہ آیا ہے شاید گیا سے
میاں تیری دیوار کا ہم کو سایہ
ہے خوش چتر شاہی سے ، ظل ھما سے
مشابہ تری زلف مشک ختن سے
کرے جو کوئی ہو وہ اہل خطا سے
ترے غم میں دن رات مرتا ہے سید
لگا کہنے ، مرنے دو ، میری بلا سے

---

(۲۰۰) تسلیم

محمد کبیر خاں تسلیم ابن الامیر نبیرۂ رفعت و عوالی نشان بڈو خاں ، جوان وجیہ سعادت نشان و بردبار و خوش اخلاق و در نظم و نثر و انشا پردازی و شعر فہمی طاق ۔ مجمع قابلیت و اہلیت ،

---

۱ ۔ ورق ۲۵۳ ب کے بعد ایک ورق ندارد ہے جس میں سیدکرم علی کے کلام کا انتخاب تھا ۔

منبع حلم و مروت و فتوت ، ذہن صائب و رسا و فکر مناسب و بجا دارد ۔ اگرچہ گردش فلک شعبدہ باز ، سفنہ نواز با او مساعد نیست ، تاہم باوجود تفکرات دنیاوی بہ حسب جودت ذہن و حدت فہم گاہے ، بعد سالے و ماہے بتکلیف یاران و بہ تجویز دوستداران غزلے مضبوط و مربوط بہم می رساند ۔ این چند ابیات از فکر مناسب اوست ازوست :

کب بھلا ان بے دموں کے دم میں دم باقی رہے
اے مرے دم باز کر یہ تیرے دم باقی رہے
منہ نہ موڑوں گا نری تلوار سے گر ہوں اصیل
جب تلک اے جان میرے دم میں دم باقی رہے
ابرو عشاق کی رونا ہے اے تسلیم ، رو
جب تلک آنکھوں میں تیری نام نم باقی رہے

حال اپنا کیا کہوں ہمدم کہ اس کے ہجر میں
خون دل پیتے رہے اور درد و غم کھاتے رہے
مل گیا تنہا رات تو خلوت میں وہ تنہا پر آہ
کچھ تو شرمایا وہ اور کچھ ہم بھی شرماتے رہے
دیکھ کر زلفوں میں اس کی رات شانے کے تئیں
ہائے ہم کیا سانپ کے سے بیٹھے بل کھاتے رہے

اگر مدعا ہے مرا خون بہانا
تو یہ کس لیے ڈھونڈھتے ہو بہانا
ہوا سب کا تسلیم دشمن نہ تونے
کبھو دوست جانی نہ جانا نہ جانا

کچھ تو اس شوخ نے دل میں لیا ہے جان مجھے
اس قدر جان کے جو ہوتا ہے انجان مجھے

اگر وہ وحشیٔ رم خوردہ میرا رام ہوجاوے
تو پھر کیا ، اس دل بے تاب کو آرام ہو جاوے[1]

(۲۵۵ الف) بھلا یہ کس نبی کا معجزہ تھا منصفو دیکھو
کہ دروازے پہ جس کے ہوں کھڑے پیغامبر لاکھوں
ہمیں کیا واعظ اندیشے سے محشر کے ڈراتا ہے
گلی میں اس کی ہو رہتے ہیں ایسے شور و شر لاکھوں

آپ کی دولت سے ہم اے آنسوؤ
اب تو آنکھوں سے بھی بیٹھے ہاتھ دھو
ہے بڑا لٹ کھٹ دلا مطرب کا طفل
اس کی بدقولی سے تو ایمن نہ ہو
ہم نشیں مت تنگ کر ہم کو عبث
بات ہے کچھ اس دہاں کی گومگو
اب تو اپنی جان سے تسلیم ہم
دل اٹھا بیٹھے ہیں ، ہونا ہو سو ہو

کہوں بیداد کیا اس طفل کی ، جائے سبق ہر دم
فراموشی ہی میری ہر گھڑی وہ یاد کرتا ہے

---

۱ ۔ اصل متن سے ورق ۲۵۴ ب کے بعد ایک ورق غائب ہے جس میں محمد کبیر خاں تسلیم کا انتخاب کلام تھا ۔

خوب اٹھایا تھا سر اس میرے دل بے باک نے
مونڈ ڈالا اس کو پر آج اک بت دلاک نے
وہ جو قصوں میں سنا کرتے تھے ہم طوفان نوح
سو (ہے) اک پل میں دکھایا دیدۂ نمناک نے

کی فزوں بے تابیٔ دل اور خط یار نے
(۲۵۵ ب) زخم پھر تازہ کیا اس مرہم زلنگار نے

واں اس نے کچھ ادا کی ، یہاں ہم ہوئے تمام
سچ ہے کہ مرد مرتے ہیں تسلیم آن پر

تاب و توان و صبر دل زار چل بسے
تھے اس جہاں میں اپنے جو غم‌خوار چل بسے
لخت جگر جو پلکوں پہ رہتے تھے ہر گھڑی
ان پلٹنوں کے آہ وہ سالار چل بسے

---

(۲۰۱) محمد اکرم

متوطن موضع موی[1] ، جوان سعادت مند ، در نظم و نثر دخلے دارد ۔ اکثر جنگ نامہ تصنیف می کند ۔ ازوست :

امید وصل میں ہی کٹی عمر یا نصیب
ارمان دل میں رہ گیا بوس و کنار کا

جب کبھی بن کے وہ با ناز و ادا آتا ہے
دیکھ اس بت کو مجھے یاد خدا آتا ہے

---

۱ ۔ موضع موی بروزن قوی (ضلع بدایون میں واقع ہے) ۔

قاصدا ، سچ کہہ ، تجھے اپنے خدا کی سوگند
اس کی محفل میں کبھی ذکر مرا آتا ہے
کہنے لاگا کہ میں کچھ اور تو واقف نہیں لیک
غیر دشنام نہ واں نام ترا آتا ہے

قصهٔ هزیمت افاغنه را بطریق جنگ نامه بسته ، یک بیت او در مقولهٔ افاغنه که وقت گریز به تغیر زبان خود ، برائے اخفاے حال (۲۵۶ الف) در جواب سائل ، از خوف مرهٹه می گفتند ، یاد است :

چہ ہم ہیں گے ہندوستانی پٹھان
روہیلا ہمیں خو کرو مت گمان

مقالهٔ پنجم

در ذکر بعضے برادران و خویشان و دوست داران و یاران دل ریشان و بعضی نو مشقان که چندان مایهٔ شاعری ندارند و به سبب موزونی طبیعت خود را از خود زیاده پنداشته دز جرگهٔ شعرا می شمارند

(۲۰۲) شیخ محمد واصل

شیخ محمد واصل متوطن بلدهٔ بدایون، جوان‌قابل ، هشاش و بشاش ، حریف و ظریف، خوش خلق و خوش خو و خوشگو۔ صاحب طبع ناظم و

ناثر ، شاعر پر زور فارسی‌گو ، دیوان مختصر ترتیب داده ، قطع نظر از قرابت قریبه ، بر حال این ہمچمداں بسیار شفقت می فرماید گاہے یک دو فرد ریختہ بہ تقریبے موزوں می کند ، ازوست :

رہا ہے زلف کے تاروں سے شالہ نیم جاں ہوکر
یہ ہے ہے کیا غضب کرتے ہو کیوں دوہوا، اسے جھٹکا
چھپے سے کچھ چرانا ، کام ہے یہ خام چوروں کا
(۲۵٦ ب) بجائے ڈھول میرا دل لیے جا ہے پسر نٹ کا

رات اندھیاری میں چوروں کی بن آئی خوب گھات
چھپ رہا دل زلف میں دلبر کی یہ عیار چور

عالم عشق میں جھڑکی بھی سہی جاتی ہے
غیرت اس کوچے میں پانی سی بہی جاتی ہے
کام کیا کیا نہ مجھے جان سے لینے تھے ابھی
لیجیو ، تھانبیو یارو ، کہ بہی جاتی ہے

کب تلک مفت میں تیرے یہ سہیں جور میاں
ڈھونڈھ لیتے ہیں طرح‌دار کوئی اور میاں
گدگداتے ہو مجھے ، ایسا نہ ہو ہوؤ خفا
نوچ لوں میں بھی اگر تم کو کسی ٹھورا میاں
ٹھوکریں کھا ہیں ترے کوچے میں یہ طفل سرشک
آپ کرتے ہیں یتیموں کے بھی کچھ غور میاں

---

۱ - ٹھور = جگہ

حسن سے نہ زلف ترے مکھڑے پہ دیوانی ہے
حال بال اس کے نصیبوں میں پریشانی ہے
نقش در آب، ہے گریہ سے توقع رکھنا
اں مگر گھر کے ڈبانے کو یہ طوفانی ہے
نیند بھر سونا ہوا خلق کو اب خواب و خیال
ہجر کے فیض سے نالوں کی فراوانی ہے
اب تلک نقش دورنگی سے نہیں خالی شیخ
رات دن ہاتھ میں تسبیح (سلیمانی ہے)[1]

تھرتھراتی تھی زباں، دست و قدم لرزاں تھے (۲۵۷ الف)
ایسے نامرد سے ہوتا ہے سنا کام کہیں

کروں میں کیوں کہ نظر بند اشک ابتر کو
ڈبائے بیٹھا ہے یہ گھر گیا کہیں گھر کو

چند بند مخمس در ہجو سرداران افاغنہ کٹیہر گفتہ ، یک بند ازاں نوشتہ می شود ، ازوست :

ہے مرہٹے کا شور ، پڑی ہے گی مار دھاڑ
گنگا اُلھیں ہوئی ہے نصیبوں سے ایک آڑ
سب کی بہادری کو میں دیکھا ہے خوب یار
آتا ہے وقت پھر انہیں سوجھے ہے تب پہاڑ
لاچار سر کو مارتے ہیں کوہسار سے

تمام مخمس او کہ در احوال سرداران کٹیہر گفتہ ، دریں دیار مشہور است :

---

۱ ۔ عبارت قوسین اصل میں ندارد ورق ۲۵۶ ب کے بعد ایک ورق غائب ہے جس میں شیخ محمد واصل کا انتخاب کلام تھا ۔

(۲۰۳) عزیز

اعزالدین عزیز عثمانی بداؤنی، جوان‌سعادت مند، طالب علم مستعد، طبع مناسب و موزوں و در بہم رسانیدن تاریخ دسترس تمام دارد ، چناں چہ تاریخ ایں تذکرۂ فقیر " حقیقت شعرا ،، خوب گفتہ حق تعالیٰ خوش و خرم دارد ۔ ایں چند ابیات ازوست :

(۷۲ب) یہ پسینہ تیرے رخسارے کا ہے اے گلعذار
درد کو سینے کے میرے روغن گل کی طرح

قطعہ

صبح ہوتے ہی لے کے آئینہ
منہ لگا دیکھنے وہ کافر کیش
میں‌جواس‌دم کیایہ اس سے سوال
میں بھی‌دیدارپاؤں کچھ‌کم‌وبیش
کہنے لاگا سنی نہیں یہ مثل
اولاً خویش بعدہ درویش

مجھ‌کو پہنچی ہے خبر، سب کی تو لیتا ہے خبر
پس مرے حال سے کیوں بے خبری رہتی ہے

---

(۲۰۴) اسعد

اسعد شخصے است ساکن قصبہ جھنجھالہ ، یک غزل او بنظر رسید :

جب دیدۂ گریاں مرا تجھ کو نظر آوے
چھاتی تری اے ابر بھلا کیا نہ بھر آوے

بوسے میں مزا ہووےگا کیا اس کے الٰہی
دشنام میں جس لب کے مذاقِ شکر آوے
اسعد میں کسی چشم کی فرقت میں موا ہوں
نرگس لیے آوے جو مری گور پر آوے

---

(۲۰۵) معظم

محمد معظم عباسی، متوطن بریلی، جوان قابل، بردبار، کم‌سخن بیگانه شعار، در گفتن تاریخ و چیستان و سجع وغیره صناعات مهارتے دارد، چنان‌چه تاریخ وفات (۲۵۱ الف) رفعت و عوالی‌نشان، معدن سخاوت و شجاعت، مخزن جود و شهامت، فتح خان خان سامان که بعد مرگ هم آثار نیکنامیٔ او بر صفحه دوران باقی گذاشته در بیت سعدی شیرازی بتغیر حرفے خوب یافته :

نمرد آنکه ماند پس از وے بناے
پل و مسجد و چاه و مهمان سراے

و تاریخ تالاب او که در فناء[۱] شهر آنوله واقع است :

آئینهٔ رو نمائی چرخ

و تاریخ دروازهٔ مسجد خان موصوف که در شهر آنوله است در مصرع سعدی نیز تلاش نموده :

فطوبی لباب کبیت العتیق

و تاریخ وفات نواب سعیدالله خان خلف نواب علی محمد خان، که نظیر خود در سخاوت و مروت و جمیع خوبی ها در اهل دول نداشت خوب بهم رسانیده :

---

۱ - فناء بکسر اول = صحن

این همه بے سر و بے پا ز وفاتش گشتند
کرم و بخشش و جود و علم و تیغ و قلم[1]

و هم چنیں صنائع دیگر دارد ، ذهنش بسیار مناسب و سلیم است فاما در استغراق امور دنیاوی (۲۵۸ب) متوجه بایں فن نمی شود - ازوست :

چشم سیه کے دور میں شام و سحر هوں بے قرار
مجھ کو کہاں کو چاهیے لیل و نہار هو نه هو

اگر جلنے په پروانے کے ، دل‌سوزی نہیں کرتا
تو کیوں سر کاٹتا هے شمع کا گلگیر کیا باعث
معظم تو کہے تھا دل نه دوں،پھر کیوں دیا تونے
عبث ناحق کرے تھا مفت میں تقریر کیا باعث

---

(۲۰۶) حافظ عزت الله عباسی

حافظ عزت الله عباسی متوطن بریلی ، جوانے است نازک طبع، خوش نویس ، ناظم و ناثر ، عاشق شاهد سخن ، مجمع جوهرانسانیت ، متحلّی به زیور قابلیت ، اگرچه موزونیت شعر را نزد خود ننگ می دالد فاما بعد سال و ماهے یک دو مصرع فارسی و هندی به تقریبے می رساند - ازوست :

تیری هی کچھ پڑی نہیں یه زلف پیش پا
اهل زمیں پر اتری هے بالا ہیے یه بلا

---

۱ - ف الاصل = حلم

رباعی

اس گل میں جو ہم نے میرزائی دیکھی
کچھ اور ہی طرح کی دلربائی دیکھی
ہم نامی ہے جس کی مصر میں خوبی کے
کرتے یوسف کو بادشائی دیکھی

---

(۲۰۷) جلیس

محمد جلیس متخاص بہ جلیس ، از شرفاے بلدۂ بداؤں ، جوان اعجوبہ عنوان ، در عین عنفوان (۲۵۹ الف) جوانی قدم در میدان تجرد نہادہ و طریقۂ انزوا اختیار نمودہ ، از بسکہ ذہن مناسب و حدت طبع دارد ، گاہ‌گاہ غزلیات ریختہ بہم می رساند و اکثر رباعیات مائل بہ تصوف موزوں می نماید ، فاما بہ سبب عدم اصلاح استادان و سخن‌وراں و خود پسندی طبعش ، سخن او برتبہ نرسیدہ ، از مدتے باشعرا ہم جلیس (کذا) و مدعیِ فقر نیز ۔ ایں چند ابیات از فیض سخن اوست :

واہ وا جانتے ہو یوں تیوری مرے یار بدل
پیچ دو ہم کو و غیروں سے ہو دستا ر بدل

باؤ بندی کے سوا کچھ نہیں اور کار جہاں
خاک ہو اڑ گیا وہ تخت سلیماں دیکھا

ایک دم ہے زندگی بھر جہاں میں جوں حباب
نقش بر آب ہیں جلیس یا خانۂ برباد ہم (کذا)

رباعی

غیروں سے لڑا کے یہ رنگیلی آنکھیں
کیوں کرتے ہوں ہم پہ نیلی پیلی آنکھیں
جیدھر یہ پھریں کریں ہیں قتل مردم
آفت ہیں غضب تری کٹیلی آنکھیں

---

(۲۰۸) حافظ محمد معتصم عباسی

حافظ محمد معتصم عباسی متوطن بریلی ، جوان حافظ قرآن ، خوش خلق ، طبع موزون دارد (۲۵۹ب) گاهے یک دو فرد بعد سالے و ماهے می رساند ، یک مطلع ارو یاداست :

کوچے میں جو اس کے کل گئے هم
کیا پانوں دبے نکل گئے هم

---

(۲۰۹) عشق

دوست علی عشق از قاضی زاده (کذا) قصبه جلیسر[1] بود ، بسیار جوان قابل ، خوش طبع ناظم و ناثر ، دیوان فارسی ترتیب داده، فاما معنی اشعارش دور از فهم ما ناقصاں است چند سال شد که در مدح بادشاه عالم شاه (کذا) قصیده جشن بادشاهانه گفته ، بطرف دهلی رفته بود که ناگاه دراں جا مارگزید : چوں اجلش نزدیک رسیده بود ، جاں بحق تسلیم نمود ، حق سبحانه مغفرتش کند به تحریک این راقم الحروف چند غزلیات متفرقه ریخته نیز گفته - روزے در قصبه بسولی هم محفل بودیم که ذکر مطلع خواجه میر درد بمیاں آمد :

---

۱ - جلیسر = بروزن منگیتر

گذری شب و آفتاب نکلا
توگھر سے بھلا شتاب نکلا

شاعر مسطور مطلع بہم رسانیدہ :

مکتب سے جو لے کتاب نکلا
جوں مصرع انتخاب نکلا

در رسانیدن اشعار فی البدیہہ ، قدرت تمام داشت ۔ حاضر جواب بود و با ایں جانب (۲۶۰ الف) دوستی دلی داشت ایں چند ابیات از فیض سخن اوست :

دل ، تاب و تواں ، طاقت و دیں ، صبر و سکونت
سب لوٹ کی ظالم نے بہ بنگاہ کسی کی

قرباں ہے اس کی بانکی نگاہوں پہ جی مرا
پر دل ترے بھی سامنے آنے کو عشق ہے

مانند نشے کے چڑھ کے آخر
نظروں سے تری اتر گئے ہم

---

(۲۱۰) امام بخش

امام بخش عطار بچہ بود در شاہ جہاں پور ، بسیار جوان وجیہ و نہایت حسین ، و معشوق عاشق مزاج اشعار متفرقات او اکثر بزبانی بعضے آشنا بسمع رسیدہ ، یک فرد ازو یاد دارم :

جوں غنچہ اب اس چمن میں آ کر
کچھ اپنی گرہ کا کھو گئے ہم

---

(۲۱۱) مفتون

مفتون تخلص ، متوطن بلدۂ لکھنئو ، احوالش معلوم من نیست

یک مطلع او از نظر گذشته ، ازوست :

صبح پر وصل یار کی ٹھہری
آہ پھر انتظار کی ٹھہری

در تتبع این ، مطلع بے جان نہایت خوشتر است :

روز گلی و مار کی ٹھہری
واہ کیا رسم پیار کی ٹھہری

---

(۲۱۲) سید غالب علی

سید غالب علی متوطن قصبہ کندرکی[1] ، مردے بود سپاہی وضع ، (۲۶۰ ب) فاما لباس درویشی برتن خود اختیار نمودہ ، شوق شکار طائران صید افکن ہم چو باز و جرہ و شکرہ و باشہ برطبعش بدرجہ تمام غالب بود و در فن موسیقی دسترس و قدرت کمال داشت و طبعش بسیار مناسب و درست بود یک فرد او کہ بوقت رقص پری وشے بھکت باز ، در حالت رقاصی گفتہ ، بنظر رسیدہ ، ازوست :

پھنس گیا دل جا کے اس ابروے بسمہ دار میں
رکھ دیا شیشہ یہ کس طاق طلائی کار میں

---

(۲۱۳) سید محمد زماں

سید محمد زماں ساکن بلدہ امروھہ ، شاعرے است فارسی گو، بسیار خوش فکر و خوش گفتگو ، گاہے بہ تقریبے یک دو فرد ریختہ ازو صادر می شود ، بزبانی اختر برج مروت و اخلاص ، گوھردرج صداقت و اختصاص محب خفی و جلی میاں فیض علی کہ برادر زادۂ اوست

---

۱ - کندرکی بروزن گذرکی -

چند اشعار متفرقه بسمع رسیده یک مطلع ازو به تحریر می آید ۔ ازوست :

دل تجھ سے جدا ہو کر زلفوں کے پڑا بس ہی
اب کیوں نہ پریشاں ہو ، ہر سلکے و ہر رسمے

اگرچه دریں مطلع در قافیه نقصان صریح است (۲۶۱ الف) فاما چوں محاوره درست بسته ازیں سبب معاف داشته باشد ۔ والعلم عندالله ۔

---

(۳۰۲) حیات‌الله

حیات الله ساکن قصبهٔ بدایوں ، جوان قابل ، خوش گپ ، یار باش ، صاحب استعداد عربی و فارسی ۔ گاہے یک دو شعر هندی بطور میر سوز موزوں می کند و با ایں راقم الحروف از قدیم الایام ربط تام و کمال است ، حق تعالیٰ خوش و خرم دارد ، ازوست :

کچھ تو ایدھر بھی پھینکنا پیارے
ٹوٹی عشوہ ھی ، ابرواں کی خیر
یا کوئی بوسه فی سبیل الله
بھیجنا دوست اپنی جاں کی خیر

---

(۵۰۲) عشرت

عشرت مردے است عجیب و غریب ، از ملازمان سرکار نواب محمد یار خاں ، طبع موزوں دارد ، فاما معنی اشعارش دور از خیال عاقلاں ، معهذا غرهٔ شاعری در دلش به سبب حمق ذاتی چناں ، که هم چو خود کسے را نه پندارد و از سامعاں منتظر تحسین می باشد ، و اگر از راه استهزاء از زبان کسے تحسین بر می آید ، به‌سبب عدم امتیاز تعریف و تمسخر در پیرهن نمی‌گنجد ۔ تحفه معجونے

که قابل مضحکه(۲۶۱ب) امرا و خلف رشید الکڑلیس می توان گفت، از مضحکات او یک فرد یاد آمد :

عشرت کا سخن سرو چمن سے بھی ہے بلند
انصاف کرو یارو نہیں تاڑ میں تڑ بینگ

خدا داند که چه معنی اراده نموده است ، این چنین شخص مہمل گو تا حال بنظر نیامده ، قابل زیارت است ۔

---

(۲۱۹) گوھری

گوھری قوم کایتھ ساکن بلدۂ بدایون ، طبع موزون و مناسب داشت و بطرز ولی دکھنی می گفت ، در اوائل مشق و ابتدا ے جوانی کار او بآخر رسید ، اگرچه بظاهر مشرف اسلام نشده بود فاما کلمۂ توحید و دیگر عقائد اسلام اکثر اوقات بر زبان او می آمد و در جناب محبوب سبحانی ، قطب ربانی ، حضرت غوث الاعظم گیلانی رسوخیت و اعتقاد تمام داشت ، شاید که از یمن توجهش ناجی شده باشد دیوان ضخیم پر از رطب و یابس دارد ، این چند ابیات او که بنظر رسیده ، قلمی می گردد ، ازوست :

باغباں تجھ کو بھی گر چھوڑوں پشیماں تو سہی
لا خزاں کی فوج لٹواؤں گلستاں تو سہی

(۲۶۲الف) آہ سے گردوں کا سینہ چاک کردوں تو سہی
اخگر خورشید کو بھی خاک کردوں تو سہی
اس زمین کے تئیں که جس میں دفن کرتے ہو مجھے
آہ کے دے کر ستوں ، افلاک کردوں تو سہی

روبہرو پلکاں لگے مت جا ، بس کے بالوں کو نہ چھیڑ
آفت آوے گی تو ان زنبور خالوں کو نہ چھیڑ
آخر اس کے ہاتھ سے اے گوھری مارا پڑا
میں نہ کہتا تھا کہ ان بالکے پٹھالوں کو نہ چھیڑ

میں کہا : اے غنچہ لب آفت ہے تجھ مسکان میں
اُن کہا ، سچ کہہ ، خدا کی سوں ، دھن یا پان میں
میں کہا : تیری گلی میں ہے گذر میرا مدام
ان کہا ، بلبل کو لازم ہے گذر بستان میں
میں کہا : مارے اگر تجھ کو تو کے ہتھیار لے
ان کہا ، اے گوھری ، اک غمزۂ فتان میں

در مدح غوث الاعظم گفته

ہے مرے جی میں ، جگر میں،دل میں ، تن میں،روح میں
اس مبارک قبلہ و پاکیزہ داماں[1] کی ثنا
کہہ نہیں سکتا ہے اے مرشد تصور عقل سے
گوھری تیرے مریدوں کے غلاماں کی ثنا

---

(۷۰۲) نیازی

نیازی مخلص ، بطرف ضلع پورب (۲۹۶ب) شنیده می شود ،
خدا داند که از کجاست ، چند ابیات او بنظر رسیده ، ازوست :

زلف کو عارض دلبر پہ پریشاں دیکھا
روز اور شب کو بہم دست و گریباں دیکھا

---

۱ - در الاصل : دینا

اٹھ گیا سر کو پٹکتا مرے بالیں سے طبیب
کیا کرے ایک بھی جینے کا نہ ساماں دیکھا

---

(۲۱۸) مولوی مظہر علی

مولوی مظہر علی متوطن جوار گوپامئو ، مرد فاضل ، از مدتے به سبب رسیدن زخم شمشیر بر پیشانی ، بصارت او رفته است مطلع او بسمع رسیده ، ازوست :

سر پہ بوندی وار چیرہ سج ، مجھے مفتوں کیا
ہائے اس کافر بندیلے نے مرا دل خوں کیا

---

(۲۱۹) غلام حسن

غلام حسن جوانے به خلق پیراسته ، از احفاد سید شاه حسین ترمذی سرهندی ، طبع مناسب و موزوں دارد چند اشعار بزبانی او بسمع رسیده ، ازوست :

اس ترے تیر نگہ نے جسے مارا ظالم
پھر کبھی اس کے تئیں میں نہ سنبھلتا دیکھا

اے جان ، مری جان ، تری جان کے صدقے
جس دھج سے تو آتا ہے میں اس آن کے صدقے
(۲۶۳ الف) کیا جان کے گالی مجھے دیتا ہے تو ظالم
شاباش ہے تجھ کو ، تری پہچان کے صدقے
لیلیٰ نے کبھیں توڑا تھا لے کاسۂ مجنوں
کہنے لگا وہ اپنے قدردان[1] کے صدقے

---

۱ ۔ قدردان ، بفتح دوم نظم ہوا ہے۔

(۲۲۰) گوپال ناتھ

گوپال ناتھ پسر راجا رام ناتھ بقال اگروال ، که از دیوان خالصهٔ پادشاهی است ، جوان خوبصورت خوش خلق و خوش سیرت طبع موزون دارد ، یک مطلع او که در تتبع غزل مرزا رفیع السودا گفته ، بهم رسیده هر دو نگاشته می شوند ، ازوست :

تری تقصیر هم نے کون سی اے یار ایسی کی
که یوں دل لیکے تو نے دشمنی یک بار ایسی

از مرزا رفیع است :

تری آنکھوں نے نرگس سے چمن میں یار ایسی کی
که بچتی ہی نظر آتی نہیں ، بیمار ایسی کی
وفا کا اگلی شاکر ہوں ، جفا کا اب کی شکوہ کا
بہت روزوں جو ویسی کی تو دن دو چار ایسی کی

---

(۲۲۱) حسرت

احمد علی حسرت برادر صغیر حکیم محمد کبیر موصوف ، جوان خوش خلق ، در علم حکمت دسترس دارد ، دیوان ریخته ترتیب داده ، طبعش موزون است ، این چند ابیات انتخاب دیوان اوست :

شاید وہ شوخ آج پھر اغیار پاس ہے (۲۶۳ب)
جو دل پر اضطراب ہے اور جی اداس ہے
مدت سے ڈھونڈتا ہوا پھرتا ہوں دل کو میں
ہنستا جو تو پھرے ہے، مگر تیرے پاس ہے

تمھاری قدر[1] لوگ کم جانتے ھیں
جو تم ھو پیارے سو ھم جانتے ھیں

یہ چیز تو نہیں ہے پھینٹے کا سرخ سجنا
کس کا یہ خون قاتل سر پر ترے چڑھا ہے

---

(۲۲۲) دل

محمد عابد متخلص بہ دل ، مردے است قابل و فاضل متوطن عظیم آباد ، دیگر بر احوالش اطلاعم نیست ایں چند ابیات ازوست :

بوسہ طلب کیا تھا میں با وفا سمجھ کر
تم نے جو گالیاں دیں ناحق، سو کیا سمجھ کر

اس کو بھی شوق ، مجھ کو بھی یاں اشتیاق ہے
پر اب تلک ملے نہیں یہ اتفاق ہے

اغیار چھوڑنے کے نہیں بد شعاریاں
جب تک کہ ایک دن نہ چلیں گی کٹاریاں

تو جو کہتا ہے عشق سے آ باز
کون عاشق ہے اے غریب نواز

غلطاں ھیں مرے دیدۂ گریاں کے موتی
لیتی ہے اٹھا خلق جیسے جان کے موتی

---

۱ - قدر بروزن نظر ، نظم ھوا ہے ۔

مشہور ترا حسن انھیں اور بھی کرتا (۲۶۴ الف)
گر شمس و قمر ہوتے ترے کان کے موتی

اس دل کے پار کس کی نگہ کا خدنگ ہے
آنسو جو دیکھتا ہوں تو لوہو کے رنگ ہے

جو داربان[1] نے ترے ، میری آستیں پکڑی
بہ‌رنگ نقش قدم میں نے بھی زمیں پکڑی

---

(۲۲۳) جوشش

محمد روشن جوشش برادر خورد دل است ، این چند ابیات دال‌بر جوشش دلئی اوست ؛

مرنا تو بہتر ہے کہ مر جائیے
دل سے کسی کے نہ اتر جائیے

دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے
اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا
مری طرح نہ کوئی تجھ کو یار چاہے گا

ہجوم عاشقاں دیکھوں ہوں اپنے یار کے در پر
مجھے چلتی نظر آتی ہے اب تلوار آپس میں

---

۱ ۔ داربان ، باضافۂ الف (دربان)

تمہاری قدر¹ لوگ کم جانتے ہیں
جو تم ہو پیارے سو ہم جانتے ہیں

یہ چیز تو نہیں ہے پھینٹے کا سرخ سجنا
کس کا یہ خون قاتل سر پر ترے چڑھا ہے

---

(۲۲۲) دل

محمد عابد متخلص بہ دل ، مردے است قابل و فاضل متوطن عظیم آباد ، دیگر بر احوالش اطلاعم نیست این چند ابیات ازوست :

بوسہ طلب کیا تھا میں با وفا سمجھ کر
تم نے جو گالیاں دیں ناحق سو کیا سمجھ کر

اس کو بھی شوق ، مجھ کو بھی یاں اشتیاق ہے
پر اب تلک ملے نہیں یہ اتفاق ہے

اغیار چھوڑنے کے نہیں بد شعاریاں
جب تک کہ ایک دن نہ چلیں گی کٹاریاں

تو جو کہتا ہے عشق سے آ باز
کون عاشق ہے اے غریب نواز

غلطاں ہیں مرے دیدۂ گریاں کے موتی
لیتی ہے اٹھا خلق جیسے جان کے موتی

---

۱ - قدر بروزن نظر ، نظم ہوا ہے ۔

مشہور ترا حسن انھیں اور بھی کرتا (۲۶۴ الف)
گر شمس و قمر ہوتے ترے کان کے موتی

اس دل کے پار کس کی نگہ کا خدنگ ہے
آنسو جو دیکھتا ہوں تو لوہو کے رنگ ہے

جو داربان[1] نے ترے ، میری آستیں پکڑی
بہ‌رنگ نقش قدم میں نے بھی زمیں پکڑی

(۲۲۳) جوشش

محمد روشن جوشش برادر خورد دل است ، این چند ابیات دال‌بر جوشش دلی اوست :

مرنا تو بہتر ہے کہ مر جائیے
دل سے کسی کے نہ اتر جائیے

دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے
اس میں سودائی کہے یا کوئی دیوانہ مجھے

ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا
مری طرح نہ کوئی تجھ کو یار چاہے گا

ہجوم عاشقاں دیکھوں ہوں اپنے یار کے در پر
مجھے چلتی نظر آتی ہے اب تلوار آپس میں

۱ ـ داربان ، باضافۂ الف (دربان)

اٹکیلا[1] سنگ آستانۂ یار
اپنی لوح مزار کی خاطر
بے مروت، مجھے عزیز ہوئی
تیری خاطر، مزار کی خاطر ہے

ہم گئے کبھی نہ کعبہ، نہ لی راہ دیر کی
جس وقت وحشت آ گئی، صحرا کی سیر کی

گو ہاتھ نہ آویں مرے نیسان کے موتی
ہیں اشک ہی مجھ بے سرو سامان کے موتی (۴۲۶ب)

مرے جب تک کہ دم میں دم رہے گا
یہی رونا، یہی ماتم رہے گا
کہاں تک یہ غرور حسن ظالم
ہمیشہ کیا یہی عالم رہے گا

کیا بہار حسن پر موقوف میرا عشق ہے
جب تلک جیتا ہوں، میں ہوں اور تیرا عشق ہے

ایک بوسہ جو لب سے دو گے تم
اے مری جان مول لو گے تم

---

(۴۲۴) رند

رند تخلص جوانے است صاحب جمال، باکمال، متوطن

---

۱ - اٹکلا = نکالا

شاہ جہان آباد ، یک فرد او بسمع رسیدہ : ازوست

بے پر و بال ھی رھنے کا خیال اپنا ھے
مور کی طرح پر و بال وبال اپنا ھے

---

(۲۲۵) شورش

میر بھینا شورش متوطن عظم آباد ، مردے است حریف و ظریف ، چند ابیات او بنظر رسیدہ ، ازوست :

پڑا بدمست سوتا ھے ، اٹھائے جس کا جی چاھے
ادب مانع ھے ، جا اس کو جگائے جس کا جی چاھے

قافلہ جاتا رھا ، تو رہ گیا
اٹھ کھڑا ھو بے خبر سوتا ھے کیا

---

(۲۲۶) سلیم

میر سلیم اللہ شاہ جہان آبادی طبعش سلیم و ذھنش مستقیم ، یک فرد او بسمع رسیدہ :

(۲۶۵ الف) سلیم ، تو نے جو قاتل کو دی مبارک باد
ھلال عید مگر تیغ کو خیال کیا

---

(۲۲۷) خواجہ امین الدین

خواجہ امین الدین شاعر زبردست فارسی گو ، متوطن کشمیر از چندے در عظیم آباد استقامت دارد این چند ابیات ازوست :

پردے سے جو وہ شھرۂ ایام نکلتا
تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا

صبح اور شام سب بہانا ہے
آئیے جو آنا ہے

چشم گریاں کی دیکھنا خوبی
ساتھ اپنے مجھے بھی لے ڈوبی

آئی بہار ہوگئے ہر خار راہ سبز
لیکن ہوا نہ آہ یہ بخت سیاہ سبز

---

(۲۲۸) بجے سنگھ

بجے سنگھ کھتری ، ساکن شاہ جہان آباد ، جوان قابل ، خوش‌نویس، از رفقاے اکبر علی خاں خسر پورۂ بادشاہ ، یک فرد او بسمع رسیدہ :

ایک دن دیکھی تھی وہ نرگس شہلا ہم نے
اب تلک شوق میں اس کیفی کے مدہ ماتے ہیں

---

(۲۲۹) شائق

نذیر الدین شائق سرہندی ، ابن غلام محی‌الدین اویسی موصوف، جوان سعادت مند ، طبع موزوں دارد ، ازوست :

ہجراں میں تری ، لاکھ ہوئے جان کے ٹکڑے
دیدار دکھا اب تو ، مری جان کے ٹکڑے
(۲۶۵ب) گلشن میں اگر ناز سے ہووے وہ خراماں
غنچے بھی کریں اپنے گریبان کے ٹکڑے

یہ دل ہے بے سروسامان تجھ بن
پہنچ او لٹ پٹی دستار والے
نہ ہو اس حسن پر مغرور اے گل
یہ سن لے : ہر کمالے را زوالے
لگے بے طرح دل پر داغ ہجراں
پڑے ہیں مجھ کو اب جینے کے لالے
کبھی تو وصل کا وعدہ وفا ہو
کہاں تک دو گے جاناں ٹالے بالے
اگر شائق تو چاہے لذت عشق
بتوں سے بھاگ اور راہ خدا لے

باری مرے طالع کی تو اب دیکھ نجومی
کس چاند میں مہ رو سے ملوں گا تو بتا رے
آرے بھی چلے غم کے ترے عشق میں سر پر
جاں آئی بہ لب اب تو مرے پاس تو آ رے

---

(۲۳۰) شہید :
سیدی سندی سید محمد شہید متوطن شاہ جہان آباد ، از فرزندان سید محمد قنوجی ، این چند ابیات انتخب دیوان او کہ دال بر موزونیت و رسائی طبع اوست :

کیا ہے خوبرویوں پر بحل دل نے مرے خوں کو
شہید آکو مرے مت نام لے ایسے فسادی کا

آتا ہے مجھ پہ درد کو بے اختیار درد (۲۶۹الف)
روتا ہے دیکھ حال مرا زار زار درد

چھاتی امڈ چلی ہے ترے ماجرے کو دیکھ
میرا بھی گوش دل سے سن اے آبشار درد

بار سے پھولوں کے اپنا سر فرو لاتی نہیں
دیکھ کر اس ساعد گلگوں کو شرماتی ہے شاخ
شوق میں تیری ہم آغوشی کے اے نازک نہال
ہر گھڑی خمیازہ لے کر ہاتھ پھیلاتی ہے شاخ

تیرے قامت پہ در افشاں ہوں کہاں تک آنکھیں
مایہ درکار ہے اس مصرف بالائی کو

تسبیح لے کے شیخ بتاں کی طرف نہ تک
سر رشتہ اپنے ہاتھ میں رکھ بے حیا ، نگاہ
دیتا ہوں انتظار میں وعدے کے کیوں کہ جی
اس وقت تو ٹک آ کے کر اے بے وفا نگاہ

خوش کہاں اس طور آتی تھی یہ رسوائی مجھے
کردیا لیک اس دل وحشی نے سودائی مجھے
میں نہ دیتا بلبلوں کے آشیاں ہونے خراب
کچھ بھی ہوتی باغباں سے گر شناسائی مجھے

---

(۲۳۱) شیفتہ

حافظ بدھا شیفتہ تخلص ، از نجباء و روساء قصبہ تھالہ ، مردے است مہذب صورت ، پاکیزہ سیرت ، بہ تہذیب اخلاق آراستہ (۲۶۶ب) و بحلیۂ جواہر قابلیت پیراستہ ، در نظم و نثر و فن

تیراندازی و بانک و پٹه ، مهارتے تمام دارد و در غزل ریخته تلاش معانی تازه می نماید ذهنش بسیار رسا و فکرش نهایت بجا ، اکثر برحال این عاصی شفقت می فرماید ۔ پیشتر اکثر مسودات او برباد رفته ، دریں ایام چند غزلیات که به تحریک بعضے یاران خصوصاً این هیچمداں به‌تحریر آورده، پارهٔ اشعار ازاں انتخاب نموده نوشته می شود ، این چند اشعار دال بر جودت طبع رسائے اوست ۔ ازوست :

دل سے سب دور کیا فکر ، غم و شادی کا
چشم بد دور ، میں مرہون هوں آزادی کا
جادۂ راہ عدم نکلے ترے کوچے سے
رتبه پهنچا هے کهاں تک تری جلادی کا

اس شوخ سے مری جو کسی نے چلائی بات
کهنے لگا که اپنی کهو یا پرائی بات
منصور سے بهی هو نه سکا ضبط سرّ حق
سر دے چکا ولے نه تهمی منه په آئی بات
باتوں میں جانیں جاتی هیں غافل که کوہ کن
سنتے هی مر گیا وہ کسی کی بنائی بات
ایسے تو تم بگڑتے نه تهے بات بات پر (۲۶۷الف)
سچ کهیو آج کس نے تمهیں یه سکهائی بات
تشهیر خلق تجه سا بهی هے شیفته کوئی
شرم و حیا کی ذات سے تو تیں سب اڑائی بات

گر دل اس آہ رسا کو آسماں فرسا کرے
عالم ملکوت[1] میں کیا کیا ته و بالا کرے

---

۱ ۔ ملکوت بسکون دوم نظم هوا هے ۔

جیب چھٹ اپنے، نہ پہنچا یار کے داماں تلک
بسکہ دست نارسا کو ہائے کوئی کیا کرے
ماہ نو سے خوش نما تر ہے ہر اک کی آنکھ میں
جو کوئی ناخن کہ عقدے مشکلوں کے وا کرے

سر کو جھکایا ہم نے سو بار تا بہ گردن
لیکن تری نہ پہنچی تلوار تا بہ گردن
ہے کس کے آج ظالم پھر قتل کا ارادہ
ہر دم جو تولتا ہے تلوار تا بہ گردن
اودھر تو زلف و کاکل دل کو لپیٹتے ہیں
ایدھر یہ لٹ پٹی ہے دستار تا بہ گردن
گر تجھ کو امتحاں ہی منظور ہے تو ظالم
کس دن کیا ہے ہم نے انکار تا بہ گردن
ساقی یہ آرزو ہے اس شیفتہ کو مے سے
مینا کی طرح کردے سرشار تا بہ گردن

(۲۶۷ب) شاہیِ حسن مسلم ہے بتاں، راج کرو
پر یہ دل ملک تمھارا ہے نہ تاراج کرو
خواہش تخت رکھو، یا طلب تاج کرو
دوستو ہیچ ہے سب، فکر شب داج کرو
دختر رز کو بھری، بیٹھے ہو محفل میں لیے
مے کشو تاک کی حرمت کی تو کچھ لاج کرو
شیفتہ، جانو ہو درپیش سفر ہے کل کو
زاد کی فکر جو کچھ کرتے ہو سو آج کرو

دم بہ دم گھر سے نکل آنے میں وہ بے باک ہے
ڈر ہے چشم زخم کا ، عالم کی اس پر تاک ہے

رخ سے جس وقت وہ برقع کو اٹھا دیتا ہے
رنگ کچھ اور ہی عالم کا دکھا دیتا ہے
بعد گریے کے مناسب ہے اگر آہ کروں
جنس بھیگی کو ہر اک شخص ہوا دیتا ہے
شب کہاں تھے؟ کہ جو ہیں چشم خمار آلودہ
کسمساٹ آپ کا کچھ اور پتا دیتا ہے
شمع رو ، گرمیِ صحبت یہ تری غیروں سے
ایک شعلہ ہے کہ بس دل کو جلا دیتا ہے

قطعہ

ضعف خلقت پہ یہ انساں کا تحمل[1] یارو
سن کے سو بات ، ووہیں دل سے بھلا دیتا ہے
دیکھیو اتنی جسامت پہ تنک ظرفیٔ کوہ
جو کہ تم اس کو کہو ، ووہیں سنا دیتا ہے

ہیں گراں اپنے جو اب یار کی ہم چشموں میں (۲۶۸ الف)
کیا سبک پاتے ہیں ہم آپ کو ہم چشموں میں
کیا بلا سحر تھا اس چشم میں ، کرتے ہی نگاہ
دل ادھر تڑپے ہے اور اشک ادھر چشموں میں
ایک تجھ کو ہی نہیں قدر ہماری بے قدر
ورنہ جا پاتے ہیں سب اہل ہنر چشموں میں

---

۱ ۔ فی الاصل : تجمل ۔

ہوکے عالم سے جدا ، تجھ سے ہوں یک رنگ ولے
ہے دورنگی ہی تری شام و سحر چشموں میں

ہے خون کسی سوختہ دل کا ترے لب پر
سودا ہے جو کہیے کہ یہ مسّی کی دھڑی ہے
ہر عضو جو گل دستہ سا آتا ہے نظر میں
یارو یہ کوئی قد ہے کہ پھولوں کی چھڑی ہے

---

(۲۳۲) عزیز

واحد علی عزیز شاہجہان پوری، جوانے است قابل و در علم رمل نہایت کامل - شعر فارسی و ہندی ہر دو می گوید و در علم طبابت نیز دخلے دارد فاما از اخلاق نصیبے ندارد ، این چند ابیات او بنظر رسیدہ ازوست :

نگار سے جو ہمارا سلام کہتا تھا
سو اپنی چاہ کا پہلے پیام کہتا تھا

(۲۶۸ب) جو ہوس ہے دل جیراں کی سو سب کرتے ہو
پر غضب ہے یہی ناحق جو غضب کرتے ہو
بے گنہ مجھ پہ رقیبوں کے بھڑانے سے عزیز
نہ کیا جو کہ کبھی تم نے سو اب کرتے ہو

---

(۲۳۳) اعلیٰ علی

اعلیٰ علی ، خلف رشید میر ولایت اللہ خاں کہ برادر کلاں محتشم علی خاں حشمت مسطور بود ، جوانے است قابل ، طبع مناسب دارد و اکثر ریختہ شعرا در مخمس تضمین می نماید و غزل ہدایت مسطور را در مخمس تضمین نمودہ ، یک بند آن یاد است :

کبھی جو کلبۂ احزاں میں میرے آتے ہو
عجب طرح سیتی آنکھیں ہمیں دکھاتے ہو
یہ تیغ ابرو سے اپنی کسے ڈراتے ہو
گھڑی گھڑی ہمیں کیوں اتنا آزماتے ہو
میاں یہی نہ کہ مر جائیں گے ، سو کیا ہوگا

نہ چھوڑا میں جھنجھلا کے تار گریباں
رہے تا نہ گردن پہ بار گریباں

---

(۲۳۴) مرزا فدوی بیگ :

مرزا فدوی بیگ[۱] . در بلدۂ عظیم آباد عرف پٹنہ ، شنیدہ می شود کہ طبع عالی و فکر رسا دارد یک فرد او بزبانی بعضے یاران بسمع رسیدہ ، ازوست :

ساتھ پھرتے ہیں بہت مائل لگے
دیکھتا کیا ہے، مرے قاتل ، لگے

---

(۲۳۵) نثار

ملا منو نثار ، تخلص ، (۲۶۹الف) از متوطنان شاہجہان پور ، طبع موزوں داشت ، مدتے شد کہ ازیں جہان فانی در گذشتہ ، بزبانی برادر کلاں او کہ شاہ عبدالرحمان است یک فرد بسمع رسیدہ ازوست :

آنسوؤں کے در لکلتے ہیں نثار
چشم ہے میری کہ موتی جھیل ہے

---

۱ - فی الاصل : مرزا فدوی لٹ -

(۲۳۶) ولی الله

ولی‌الله ، ساکن قصبهٔ سندیله ، جوانے است مجنون وضع ، طبع شور انگیز دارد و سخن او خالی از درد نیست ، روزے باهم اتفاق صحبت سیر افتاده بود که ناگاه از راه دو برادر پری طلعت بلباس فاخره ، دو چار شدند ، فی البدیهه بیتے رساند ، ازوست :

جاتے ہیں جس طرف کو ، لوگ ان کو گھورتیں ہیں
دیکھو یہ دونوں بھائی کیا خوبصورتیں ہیں

---

(۲۳۷) شاه ظهور الله

شاه ظهور الله ، ساکن سندیله ، مردے است رند مشرب ، لامذهب ، باکسے کار ندارد ، اکثر سخنان موحدانه بزبان او صادر می شوند ، گاهے در جوش جنون یک دو مصرعه موزون ، غیرموزون می رساند ، از واردات طبع اوست :

جز دوست دل کے بیچ مرے ماسوا نہیں
صد شکر مجھ میں غیر کی ہرگز ہوا نہیں (۲۶۹ب)
دیکھا تجھی کو دوست، میں‌آنکھوں کو کھول‌مولد
تیرے سوا درون و برون دوسرا نہیں

---

(۲۳۸) حسینی

محمد ماه حسینی ساکن مارهره ، جوانے است خوبصورت ، درویش سیرت ، بسیار جهاندیده ، از قید مذهب و مشرب رمیده ، همیشه در وادی غربت سرگردان و خانه بدوشی را خانهٔ خود مقرر کنان ، در سیر تماشاے جهان می ماند ، اگرچه مرید شاه برکت‌الله[۱] بلگرامی‌است

---

۱ - فی الاصل : برکات الله -

فاما اکثر اوقات سخنان موحدانه از زبانش بر می آیند که درفهمید ما مردمان نا فهم نمی آیند ـ خوب است مارا باینها چه کار ـ طبع موزون دارد و دیوان ضخیم ترتیب داده ، فاما از صحت الفاظ خبر ندارد ـ ازوست :

جب سے دیکھی ہے تری بالی بلا کان کے بیچ
تب سے اے جان مری جان نہیں جان کے بیچ

ہوا سر سبز ہے گھٹا چھائی
جام ساقی پلا ، بہار آئی

کبھی آنکھوں سے دور نم نہ ہوا
اشک خونیں جگر سے کم نہ ہوا
ایسی کیا زندگی کریں گے یاد
ٹک بھی آرام ایک دم نہ ہوا
سرو قمری کو سر پہ بٹھلا کر (۲۷۰الف)
کچھ بلندی سے اپنی کم نہ ہوا
تیرے بالوں تلک بھی اے ظالم
سر حسینی کا ہائے خم نہ ہوا

---

(۲۳۹) واقف

واقف تخلص ، از احوالش خوبتر واقف نیستم که از کجا بوده ، چند ابیات او بسمع رسیده ـ ازوست :

دیکھ قاصد کو جو وہ شاد ہوا ہووے گا
پہلے دشنام ہی ارشاد ہوا ہووے گا

هم اسیروں سے کوئی جور تو معلوم مگر
بیشتر نالہ و فریاد ہوا ہووے گا
اول مشق ادا ، باندھے تھے رستے قاصد
اب تو کیا بات ہے، استاد ہوا ہووے گا
جب نہ تب حق میں مرے لطف و کرم کے بدلے
کوئی ستم تازہ ہی ایجاد ہوا ہووے گا
کہتے ہیں، مر گیا بے یار، کوئی واقف نام
دوستاں ، غم سیتی آزاد ہوا ہووے گا

---

(۲۷۰) پاک باز

پاک باز تخلص سخصے است حسن پرست ، پاک باز ، معلوم نیست که از کجاست ، دو فرد او بسمع رسیده ، ازوست :

تلوار و ڈھال کیوں کہ کریں ایک دم جدا
اس عاشقی میں رکھتے ہیں بتوں سے لاگ ہم

(۲۷۰ ب) چھوڑ دے گھر سے نکلنا ورنہ اے کافر ادا
آج کل تلوار چلتی ہے تری رفتار پر

---

(۲۷۱) والی

شرف الدین رام پوری والی تخلص ، شاعر فارسی گو ، گاہے ریختہ نیز به تقریبے به طریق ابرو می گوید ۔ دو فرد هندی او بہم رسیده ۔ ازوست :

اس زلف حلقه وار کو چھوٹا نہ جانیے[1]
بے طرح کاٹتا ہے بجا سنگ چور کا (کذا)

---

۱ ۔ اصل : چاهیے۔

مت دے بوسہ کو ، پھرا جا ہے رقیب
کیا ہوا ، پھر آ رہے گا چوم کر

(۳۴۲) فرزند پیر دستگیر محمد نصیر

فرزند پیر دستگیر محمد نصیر جوان خوش عنوان ، خوش‌رو و خوش گفتگو ، اہل درد ، ظاہرش بہ کمال تہذیب آراستہ ، متوطن قصبۂ جلیسر ، اکثر اشعار بآواز حزین و درد ناک می خواند و در خواندن بے اختیار اشک جاری می ساخت ۔ با این راقم الحروف نیز آشناست ، بسیار مہربانی و شفقت بر حال این خاکسار می فرماید بعد سالے و ماہے فردے می رساند ۔ از فیض سخن او یک مطلع یاد دارم :

یہ اشک مسلسل ہی رہے تار نہ ٹوٹے
اے چشم مری ، موتیوں کا ہار نہ ٹوٹے

و بعضے گویند کہ این مطلع از کسے شاعر (۲۷۱ الف) دیگر متوطن پورب است ۔

(۳۴۳) محمد صلاح

محمد صلاح (نبیرۂ محمد افضل الہ آبادی)[۱] جوانے بود ، صالح ، فاضل ، مستعد ، متوکل بہرہ وافی از درویشی داشت و در عملیات و تسخیر بے بدل بود ۔ اکثر مردمان و سرداران شہر بہ خدمت او می آمدند اما جز یاد الٰہی با کسے کار نداشت و در فرخ‌آباد وطن اقامت گرفتہ بود ، ہماں جا در گذشت حق تعالیٰ غریق رحمت کند ۔ شعر ریختہ بطرزے کہ می‌گفت بہ تحریر می آید :

---

۱ - عبارت بین القوسین اضافہ بر حاشیہ ۔

کیا صلاح وقت ہے جا میرزا مظہر سے پوچھ
ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار

جنگ کا قصد نہ کر ہم سے ، نہ ٹھہرے گا رقیب
آہ کے سانگ کی جس وقت لگیں گی ہولیں
وحشی عشق کی کیا پوچھتے ہو خیر و صلاح
ڈالتے ہوں گے کسی دشت میں سر پر دھولیں

مرے اس درد دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رہنے کے صدقے
بڑے بے درد کے پالے پڑا ہے
ارے دل تیرے دکھ سہنے کے صدقے

---

(۲۴۴) جولاں

جولاں در سرکار دیوان کانہہ مل برائے تعلیم پسر او نوکر بود، احوالش مفصل (۱۷۲ب) معلوم من نیست ، ایں بیت دال بر جولانئی طبع اوست :

کیا مصیبت زدوں کا جینا ہے
سیکڑوں داغ ایک سینا ہے

---

(۲۴۵) دیدار

دیدار بخش دیدار مردے است حریف و ظریف ، لطیفہ گو ، یار باش ، مرثیہ خواں ، ماہر فن موسیقی طبع موزوں دارد ، از فیضِ سخنِ او یک فرد بگوش خوردہ :

ہوا ہے دل مرا گم مانگ میں ڈھونڈ ہوں کدھر[1]
اب آدھی رات ایدھر ہے اور آدھی رات ہے اودھر (کذا)

---

(۲۴۶) مہاراجہ

راجا بلاس رائے پسر دیوان مان رائے مہاراجہ تخلص ، شخصیے است صاحب اقتدار عالی ہمت ، از شاگردان حسن علی شوق مسطور است ، طبع موزون و مناسب دارد ، از چند روز مشق سخن می کند ۔ چند بیت او بسمع رسیدہ ازوست :

اس واسطے کسی کی نہ تجھ کو نظر لگے
انجم بنے سپند و بنا مجمر آفتاب
سن کر ترے جمال کو اب ڈھونڈھتا پھرا
لے کر سحر سے شام تلک گھر گھر آفتاب
یاں تک ہے تیرے چہرے کا اب دل میں اس کے رشک
. . . . . . آتش میں جل کر آفتاب (کذا ۲)

---

(۲۴۷) رنگین

لالہ ہلاس رائے (۲۲۷ الف) برادر خرد مہاراجا موصوف ، ساکن چکلہ بریلی ، جوان خوب صورت ، خوش سیرت ، صاحب

---

۱ ۔ یہ آوارہ گرد اشعار میں سے ہے اور کم و بیش ایک درجن شاعروں سے منسوب ہوا ہے ، یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ دیدار کا زائیدۂ فکر ہے ۔ اس کی صحیح شکل یہ ہے :

ہوا ہے دل مرا گم مانگ میں اب ڈھونڈھوں کدھر
کہ آدھی رات ادھر ہے اور آدھی رات ادھر

۲ ۔ اصل کے علاوہ ن ۲ و ن ۳ میں بھی اسی طرح

اقتدار اما بموجب ایں مثل ، اونچی دکان پھیکا پکوان ، بسیار بے فیض و نا قدردان ۔ دیوان ریختہ ترتیب دادہ فاما اشعارش خالی از لطف معانی و شاعری است ، ایں چند ابیات انتخاب دیوان اوست :

اس اندھیرے میں جو تو گھر سے نکالے ہے مجھے
یہ تو بتلا کہ میں اب جاؤں کدھر آخر شب

چھب مرے یار کی جس وقت تو دیکھی زاھد
وھیں بھولے گا وظیفہ شب آدینہ کا
طاق ابرو میں ترا شیشۂ دل ہے رنگین
نقش ارژنگ میں بھی کام چلا سینہ کا

ٹک اس سپاہی زادے کی تصویر دیکھنا
کھینچے ہے کس ادا سے وہ شمشیر دیکھنا
رنگین اب تو گالیاں کھاتی تھیں سہہ چکا
آگے جو کچھ دکھاوے گی تقدیر دیکھنا

غیروں کے پاس جانا ہم سے کبھی نہ ملنا
[۲۷۲ ب] افسوس ہے تو یہ ہے ارمان ہے تو یہ ہے

میں تیرے ظلم کو دیکھے ہوئے کہتا ہوں اے ظالم
جو بر تقدیر تو میرا خدا ہوتا تو کیا ہوتا

پہچان لیجو مشہد رنگین کو اے صبا
اٹھتا ہے اس کی خاک سے اب تک غبار سرخ

---

(۲۳۸) قلندر

قلندر فقیرے است سیاح ، اکثر در نواحی فرخ‌آباد اقامت دارد

دیوان ریختہ ترتیب دادہ ، ایں چند ابیات از فیض سخن اوست ،

قلندر عاشقی میں اعتبار البتہ لازم ہے
پریشانی ہماری دیکھ اس ظالم کو عار آئی

اس قدر نادان نہیں ہیں ہم کو دل باتوں میں دیجے
عمر گذری ہے میاں تم ہی سے عیاروں کے بیچ

قلندر وقت مرنے کے جو یار آیا تو کیا حاصل
جو ساری عمر یوں گذری تو یہ بھی دن گذر جاتا

قلندر اب کے فقیروں سے خوبرو بہتر
نگاہ کرم کریں جس اوپر وہیں حق ہو

---

(۹۳۹) بشیر احمد سرہندی

بشیر احمد سرہندی از احفاد شیخ احمد سرہندی نوراللہ مرقدہ مردے است مہذب صورت ، پاکیزہ سیرت ظاہرش بکمال آراستہ ، در اکثر فنون فارسی و عروض (۳۷۲الف) و رمل و نجوم و موسیقی مہارت پیدا کردہ ، بسیار سخت فہم دقت پسند ، گاہے یک دو ریختہ نیز بہ تحریک یاراں موزوں می کرد ، ایں چند ابیات ازوست :

رونق ہے غم کی ہم سے کہ گلشن میں دھر کے
جوں سرو سر بلند میں آہ کشیدہ ہوں

موج آب زندگی ہے جوہر تیغ نگاہ
دے کے سر لے لیجیے یہ آب حیواں پھر کہاں
جب تلک ہے تو کمند زلف مشکیں کا اسیر
خواب راحت کر لے یہ شام غریباں پھر کہاں

عاقلوں کی مت نصیحت مان اے شوریدہ سر
سلطنت اپنی اہ کھو یہ فوج طفلاں پھر کہاں

---

(۲۵۰) احمدی

شیخ احمد ساکن غازی پور زمانیہ ، از شاگردان مرزا رفیع السودا ، متخلص به احمدی ۔ این چند اشعار از وارادات طبع مناسب اوست :

اس باغ سے اب جاتے ہیں با دیدۂ تر ہم
شبنم کی طرح پھر نہیں آنے کے نظر ہم
سچ کہیے تو شب گھر میں تھے کس کے کہ سحر تک
مایوس ہی باہر رہے جوں حلقۂ در ہم
کہتا ہے لکھوں یہ بہ سر تربت مجنوں
(۲۷۲ب) تو مر گیا صحرا میں رہے خاک بسر ہم
محفل میں تری جمع تھے عشاق کے حلقے
لہرائی ادھر زلف آدھر ہوگئے برہم

اے عشق یاں تلک مجھے لے جا تو ہوش سے
گر جائے تا یہ بار خودی اپنے دوش سے
تار نگاہ خون میں تر ہوگئے تمام
شاید لڑی ہے آنکھ کسی سرخ پوش سے

مردم ترے جمال پہ جب چشم وا کریں
آنکھیں اٹھا کے پنجۂ مردم دعا کریں

مرا ہوش و طاقت سبھی لے چلے
اجی تم چلے کیا کہ جی لے چلے

تنہا نہ خال دل کا صیاد ہو رہا ہے
اس فن میں خط بھی کافر استاد ہو رہا ہے

پونچھنا ہے چشم کا ہر دم وہی کار آستیں
ساحل دریا ہے یارب یا کنار آستیں

کیا خودی سے مرے دل کو تونے خالی عشق
تفضّلات ترا اے جناب عالی عشق

---

(۲۵۱) ہر چرن داس

ہر چرن داس قوم کھتری ، متوطن دھلی ، یک فرد او بسمع رسیدہ :

دل گیا ، دین گیا ، صبر گیا ، ہوش گیا
آہ کیا کیا نہ گیا ہم سے تری یاری میں

---

(۲۵۲) صادق

ہیبت[1]رام قانونگوی صادق ، متوطن بریلی ، طبع (۳۴۷الف) موزون دارد ، این چند ابیات او بنظر رسیدہ ، ازوست :

ہے زلف و رخ کا اس کی ہر دم مجھے تصور
کس طرح خوش نہ گذرے لیل و نہار میرا

---

۱ - فی الاصل ; ہیبت رام

میرے دل حزیں کو تم افگار کر چلے
اے واہ وا میاں یہ بھلا پیار کر چلے
دل کے تئیں تو کہتے ہیں سب خانۂ خدا
تم خانۂ خدا کو بھی مسمار کر چلے

---

(۲۵۳) موزوں

موزوں تخلص درشاہ جہان آباد شنیدہ می شود ، از حسب و نسب او اطلاع ندارم ، ایں مطلع دال برموزولیت طبع اوست :

تم دیکھتے ہی رلگ عاشق کا مضموں دو دیدہ تم سمجھے (کذا)
تصریح میاں بے فائدہ ہے کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے

---

(۲۵۴) محمد خلیل

محمد خلیل بدایونی طبع شور انگیزے دارد ، یک فرد او بسمع رسیدہ :

وقت میرے قتل کے ، دامن کو اپنے باندھیو
تیغ فولادی ہے ، مت بکھریں شرر چاروں طرف

---

(۲۵۵) رضا

مرزا محمد رضا متوطن بلدۂ لکھنئو ، از شاگردان مرزا رفیع السودا ، یک غزل او بنظر رسیدہ ، ازوست :

لائی ہے بہار اب کی برس اس قدر آتش
ہے جائے شگوفے کے ہر اک شاخ پر آتش
(۲۷۴ ب) یہ سوز نہانی ہے مرے سینے میں کس کا
جلتا ہے جگر پر نہیں آتی نظر آتش

وہ سوختہ جاں ہوں کہ تب آہ سے جس کے
سلگانے کو لیتا ہے ہمیشہ سفر آتش
مینا کے پڑے سینے میں کیوں کر نہ پھپھولا
ہے بادۂ گلگوں کی لپٹ تیز تر آتش
دوزخ کا بھی کچھ خوف رضا مجھ کو نہیں ہے
کرتی ہے دم سرد سے میرے حذر آتش

(۲۵۶) خاکسار

محمد بلاق خاکسار متوطن بلدۂ مرادآباد ، جوانے است سپاھی وضع ، عاشق مزاج ، گاہے شعر فارسی می گوید ۔ بہ تجویز ایں مؤلف یک دو غزل ریختہ نیز موزوں کردہ ، چند بیت ازاں بہ تحریر می آید ۔ ازوست :

مرے دیدۂ تر بہا کر چلے
دوآبے میں یہ گھر ڈبا کر چلے
کیا تیغ ابرو سے مجھ کو شہید
یہ کیا خوب جوہر دکھا کر چلے
دکھا ساق سیمیں تم اب شمع کو
رلا کر ، گلا کر ، جلا کر چلے
دل و جاں سے حضرت شوق کو
امام اپنا اور پیشوا کر چلے

(۲۵۷) موجد

وھاب‌الدین موجد تخلص ، متوطن بلدۂ بدایوں ، جوانے است سعادت مند ، خوش فکر ، از شاگرداں اکرام اللہ محشر ، ایں چند (۲۷۵ الف) ابیات بزبانی او بسمع رسیدہ ، از وست :

درد سے شمع کے جو شخص خبر رکھتے ہیں
داغ دل ، سوز دروں ، دیدۂ تر رکھتے ہیں
آج سے عشق ستی ھاتھ اٹھایا ہم نے
آپ ملنے کی رقیبوں سے اگر رکھتے ہیں
راہ چلتے ہوئے ہر ایک کو دے ہے گالی
موجد اس شوخ کی بے باکی سے ڈر رکھتے ہیں

مجھے تاثیر الفت نے عوض دل کا دلا چھوڑا
کہ شب کو وصل کی حالت میں لب سے لب ملا چھوڑا
گلوں کی سرخیِ لب سے ہمیں معلوم ہوتا ہے
اثر نے نالۂ بلبل کے خون دل ہلا چھوڑا

---

(۲۵۸) حجام
کلو حجام تخلص ، متوطن شاہ جہان آباد ، از مدتے در بلدۂ فرخ آباد اقامت دارد ـ از شاگردان مرزا رفیع السودا است ـ طبع سلیم و صفا دارد ، یک غزل که مصرع اول و مطلع او از سودا است ، بنظر رسیدہ ؛ ازوست :

آنکھوں کو اس کی سودا ، جس دم غزال باندھے
پھر ایسے وحشیوں کو ، کس کی مجال ، باندھے
ہر مو سے تیرے ظالم وابستہ دل ہے اپنا
ایسا نہ ہو تو کس کر زلفوں کے بال باندھے
(۲۵۷ب) اپنا تو کام پھینٹا سادہ ھی کر چکا ہے
خواھی وہ زرد چیرا خواھی وہ لال باندھے

حجام کیا ہے پیارے چھی کرے نہ شب کو
کچھ اور اس کے دل میں تو ،ب خیال باندھے (کذا)

اس شوخ کے کوچے میں نہ جایا کرو حجام
اک دن کہیں چھن جائیں گے ہتھیار تمھارے

---

(۲۵۹) خواجہ محمد سعید

خواجہ محمد سعید اشعار فارسی خوب می گوید ، این چند ابیات هندی ازو که بتقریبے گفته[1] بسمع رسیده - ازوست :

گڑ گیا یار خجالت سے زمیں میں شمشاد
اس ادا سے جو تجھے باغ میں چلتا دیکھا
داغ حسرت نہیں مہتاب ہی جلوے سے ترے
رشک کی آگ میں سورج کو بھی جلتا دیکھا
عشق آشوب جہاں ، آفت جاں ہے یارو
یہ بلا جس کو لگی پھر نہ سنبھلتا دیکھا

---

(۲۶۰) چندا

خلیفه چندا ساکن بلدهٔ امروهه ، مردے است درویش سیرت ، مسکین صورت ، خوش اخلاق ، شعر فارسی و هندی به طور صوفیانه می گوید ، چند ابیات به زبانی او بسمع رسیده ، ازوست :

عارض تو گل کے صاف ہیں لیکن چمک نہیں
نرگس کی چشم ہے یہ کٹیلی پلک نہیں (۲۶۷الف)

---

۱ - اصل : گونه -

نسبت نہ دو گہر کو مرے آنسوؤں کے ساتھ
ہر چند آبدار ہے ، ایسی ڈھلک نہیں

بسیار آدم بامزہ و درد مند بود ، حق تعالیٰ مغفرتش کند ۔

(۲۶۱) گمان

گمان تخلص ساکن شاہ جہان آباد ، دیوان مختصر پر از اشعار رطب و یابس دارد این چند اشعار او کہ بسمع رسیدہ ، می نگارد :

یاد سے جاتی نہیں صورت کبھی تیری مجھے
دیکھنے سے بھی نہیں ممکن کہ ہو سیری مجھے
ذبح تو کرتا ہے پر قاتل خدا کے واسطے
ٹک گلے پہلے لگا لے اپنے اک پھیری مجھے
جانتا ہے اے گمان مجھ کو وہ اپنا خاکسار
تب کیا ان نے جلا کر راکھ کی ڈھیری مجھے

(۲۶۲) راضی

سلیم‌اللہ راضی ساکن بدایون ، چند اشعار او بزبانی بعضے اعزہ بسمع رسیدہ ، ازوست :

تمھارے لعل کو یاقوت کے دانے سے کیا نسبت
تری اس رس بھری آنکھوں کو پیمانے سے کیا نسبت
یقیں کے ریختے کی ہمسری کیوں کر کرے راضی
تکلف بر طرف بلبل کو پروانے سے کیا نسبت

(۲۶۳) جرأت

پیر محمد مراد آبادی جرأت تخلص ، (۲۷۶ب) از یاران مراد علی حیرت[1] مسطور است ، اشعارش بسمع نہ رسیدہ مگر مثنوی مرغ‌نامہ

۱ - اصل : جرأت ۔

او که اختتام آن از حیرت[1] ، است ، مشهور و معروف است ، چند ابیات او یاد دارم ازوست :

ان دنوں رهتا هے دل پر کچھ ملال
چھٹ گیا هے شعر کہنے کا خیال
شعر کے سامع هوئے هیں مرغ باز
کیجیے مضمون کا کچھ ان سے ساز

در تعریف شائقان مرغ می‌گوید :

مرغ کا پر بر سر و بر چشم هے
گر پر عنقا هے تو بھی پشم هے

ویک فرد او نیز یاد دارم :

بس اے قاصد تری معلوم هوئی لسّانی
رو بہ‌رو اس کے زباں کو بھی هلایا نہ گیا

---

(۲۶۴) صوفی

صوفی محمد اعظم متوطن بلدۂ لکھنئو از چندے در مراد آباد اقامت دارد ، مردے صوفی مشرب ، از اقربائے نواب عظمت الله خان ، پیش ازیں عمدہ روزگار بود ، حالا ترک جاہ نمودہ ، عزلت نشینی اختیار نمود ، فکر صائب دارد ، یک فرد او بسمع رسیدہ ازوست :

حال حاصل هے جیسے قال هوا یا نہ هوا
رخ نیکو پہ خط و خال هوا یا نہ هوا (۲۷۰ الف)

---

۱ - اصل = جرأت

(۲۶۵) حافظ

حافظ کریم الدین صدیقی نبیرۂ شاہ محمد اعظم قدس سرہ ، متوطن پھپھراؤں ، جوان حافظ قرآن ، از یاران محمد قائم موصوف ، طبع مناسب دارد ، بطرز استاد است ، این چند ابیات بزبانی او بسمع رسیده ازوست :

مثال آئینہ ہم سادہ کیسے ہیں غافل
سما رہا ہے نہیں ہم میں وہ تو جاں کی طرح
ہے سر ہرز کی...جس سر میں ضبط وہ حافظ (کذا)
ہمیشہ چرخ میں رہتا ہے آسماں کی طرح

تیرا ہی جلوہ کعبے میں ہے اور کنشت میں
ہے روح ایک صورت زیبا و زشت میں

نابود ہوں ٹک آن میں جوں عکس آئینہ
نظروں سے تیری ہم جو تنک بھی پرے ہوئے

دل لے کے قناعت نہ کی اب قصد ہے جاں کا
لیجے نہ میاں یہ بھی مبارک ہو نذر ہے
ہے صحبت ناکس سے زیاں اہل صفا کو
سوئی کا سدا رشتے کا سوراخ جگر ہے
کیا پوچھو ہو احوال کو حافظ کے ، کہ یارو
اس کا تو کچھ احوال ہر اک لحظہ بتر ہے

---

(۲۶۶) گیانی مل کھتری

گیانی مل کھتری متوطن دھلی (۱۲۷۷ ھ) جوانے ست قابل ،

اوکری پیشه ، شعر فارسی خوب می گوید و در انشاپردازی بے نظیر است ، گاھے یک دو بیت ریختہ نیز موزون می کند ، یک رباعی او بسمع رسیده ازوست :

جو کوئی کسی کو پیار کا پاوے گا
یہ یاد رہے وہ بھی لہ کل پاوے گا
اس دیر مکافات میں ، سن اے غافل
جو کوئی کرے گا آج ، کل پاوے گا

(۲۶۷) فیض اللہ

فیض اللہ[1] متوطن مکن پور شخصے خوب صورت ، خوش طبع از یاران عبدالجلیل سائل موصوف بود درعین عنوان جوانی ازیں جہان فانی بعالم جاودانی رفت ۔ یک مطلع ازو یاد دارم ازوست :

جاتے ھیں لوگ قافلے کے پیش و پس چلے
دنیا عجب سرا ھے جہاں آکے بس چلے

گویند فرمائش تمامی ایں غزل از عہد ملوک احقر نموده بود ، شاعر مسطور ایں دو بیت بہم رسانیده بود کہ او ھم درگذشت ، لہذا برائے یادگاری نوشتہ شد ۔ احقر :

مت چھیڑ باغباں ، کہ جو کوئی آگئی ھوا
ھم آپ ھی سے جائیں گے جوں خار و خس چلے
وقت روا روی ھے اٹھے قافلے کے لوگ (۲۷۸الف)
ساقی چلے پیالہ جہاں تک کہ بس چلے

---

۱ ۔ اصل میں فیض اللہ سے پہلے ھمت سنگھ بھی لکھا ھوا ھے ، یعنی ''ھمت سنگھ فیض اللہ مکن پوری'' لیکن در اصل یہ تذکرہ فیض اللہ ھی کا ھے ۔ ھمت سنگھ کا ذکر آگے آیا ھے ۔

وبعد فوت هر دو این غزل را سائل تمام کرده است وچه خوب گفته ۔

(۲۶۸) مرزا بھولن بیگ

مرزا بھولن بیگ از ملازمان سرکار وزیرالممالک آصف الدولہ است دیگر بر احوالش مطلع نیستم یک فرد اوبسمع رسیدہ ازوست :

چمن ہے ، جام ہے ، مینا ہے ، مے ہے
پر اک تو ھی نہیں ، افسوس ہے ہے

---

(۲۶۹) نکہت

شیخ عبداللہ متخاص بہ نکہت متوطن شہر کہنہ بانس بریلی جوانے است قابل ، یار باش گرم جوش ، شگفتہ رو ، تازہ گو، اگرچہ نومشق است فاما فکر رسا و فہم بجا دارد ۔ از شاگردان معین الدین عباسی است ۔ این چند اشعار بزبانی اوستادش بسمع رسیدہ ازوست :

دل لے کے پھر ستانا ، ہے طرز دلربائی
اے شوخ کن نے تجھ کو یہ رسم بد سکھائی
ہے زیست عاشقوں کی خوباں کے ھاتھ یارو
معشوق ھی جہاں میں کرتے ھیں سب خدائی
(۲۷۸ب) رفتار میں قیامت ، گفتار میں یہ شوخی
ہے ختم تجھ پہ پیارے انداز خوش ادائی
ھمدم نہ پوچھ مجھ سے احوال دل کہ کیا ہے
جو بات منہ سے نکلی ھوتی ہے اب پرائی
رنگیں کیا ہے کس کے خون جگر مین تم نے
پنجہ جو ھو رہا ہے صاحب کا اب حنائی

نکہت سا تم کو خادم ملنا بہت ہے مشکل
کیوں چھوڑ مہر و الفت کرتے ہو بے وفائی

---

(۲۷۰) واله

مرحمت خان واله تخلص ، پسر میمنت خان کشمیری ، که پیشکار خانسامان بادشاهی بوده .طبع رسا و فکر بجا دارد دیگر بر حسب و نسب او اطلاع ندارم ، این فرد دال برخوش تلاشی اوست ، ازوست :

اور تو سب اڑ گئے جو واسطے تھے یار کے
اے جدائی بیچ میں پڑنے کو تو باقی رهی

---

(۲۷۱) عبرت

احمدالدین خان عبرت تخلص ، خلف رستم هند ، تهور و شجاعت نشان ، قطب الدین خان نبیرهٔ نواب عظمت الله خان مراد آبادی جوانے است صاحب حوصله و اهل مروت و در شجاعت کم از پدر خود نیست ، فاما گردش فلکی با او مساعد نیست ، بسیار قابل ، از بسکه طبع سلیم و ذهن مستقیم (۲۷۹ الف) دارد گاه گاهے متوجه فن شعر ریخته هم می شود ، دیوان ضخیم دارد ـ این چند ابیات او که بنظر رسیده به تحریر می آید ـ ازوست :

فقط دل هی نه دلبر کا مکاں ہے
جہاں دیکھو وہ هر جائی وهاں ہے

محبت یار کی جی میں بسی ہے
جفا سہنے میں ناصح بے بسی ہے

همیں کیا کام آئینے سے لیکن
مجھے ملنے میں اس کے عار سی ہے

گو ہم کو ترے بن نہین آرام ، نہ ہووے
پر پاس یہی ہے کہ تو بدنام نہ ہووے
چاھوں ہوں بلا لاوے کوئی اس کو مرے پاس
اس طور سے لیکن کہ مرا نام نہ ہووے
کہہ دو کہ نہ جا بزم میں اغیار کی زنہار
پر میری طرف سے اسے پیغام نہ ہووے

نہ مجھ کو آہ کی طاقت نہ اس کو مہربانی ہے
کٹے ہیں اس طرح دن بھی ، کوئی یہ زندگانی ہے
تسلی کس طرح سے ہجر میں ہو اس جفا کش کے
نہ نامہ ہے ، نہ قاصد ہے ، نہ پیغام زبانی ہے

باعث خواری تری یاری ہوئی
ورنہ کیا ہم سے گنہ گاری ہوئی
(۲۷۹ ب) عشق کا غم دل سے جاتا ہی نہیں
کون سی ساعت یہ بیماری ہوئی

بلا ہے ، فتنہ ہے ، آفت ہے یا یہ تیرا قامت ہے
کہ جس کے ہاتھ سے سرو گلستاں پر قیامت ہے
خدا ہرگز نہ دکھلاوے کسی آزردہ خاطر کو
شب ہجراں جسے کہتے ہیں سو روز قیامت ہے

درد کے اظہار سے چپ نہ رہا چاہیے
وہ نہ سنے یا سنے کچھ تو کہا چاہیے

خستہ جاں،اشک نشاں،خاک بسر آتا ہے
نامہ بر شہر سے دلبر کے مگر آتا ہے

کیا ہوا دل نے اگر درد کو پایا میرے
لیک کچھ کام وہ بےدرد نہ آیا میرے

---

(۲۷۲) شوریدہ

محمد شجاع الدین خاں شوریدہ خلف وجیہ الدین خاں ، نبیرۂ نواب عظمت اللہ خاں موصوف ، جوان قابل ، خوش اخلاق و در جمیع اوصاف حمیدہ طاق ۔ طبع مناسب و ذہن صائب دارد ایں چند ابیات متفرقات او بسمع رسیدہ ؛ ازوست :

بسکہ پر خون دل ہمارا درد سے لبریز ہے
ہر فغاں ہے غم فزا ہر نالہ وحشت خیز ہے
عشق کے کوچے میں یکساں ہے فقیرو بادشاہ (۲۸۰الف)
کون ۔ مجھے واں کہ یہ فرہاد وہ پرویز ہے
کچھ ادب مانع ہے کچھ تیرا شکوہ حسن و ناز
ورنہ دل شکووں سے تیرے بے وفا لبریز ہے
عشق آتش باز نے پھونکی ہے از بس تن میں آگ
استخواں ہر عضو کا میرے گویا گریز ہے

گو نہ ہو کوئی یہاں غم خور و ہمدم اپنا
غم‌گسار اپنا ہے بس ہم کو یہی غم اپنا

آبلے پڑتے ہیں دم لیتے زبان پر اپنی
کب بیاں کرسکے یہ سوز دروں ہم اپنا
بے کسی میں نہیں یاری کی کسی سے امید
دل سلامت رہے اور دیدۂ پرنم اپنا
صبح تک شمع جلی ، دیکھ سرا سوز و گداز
داغ فرقت سے ہوا رات وہ عالم اپنا

---

(۲۷۳) راجا بہادر سنگھ

راجا بہادر سنگھ کشمیری ، از شاگردان میر انشاء اللہ موصوف جوان قابل ، حریف و ظریف بسیار خوش تلاش و خوش فکر است، و تلاش معانی تازہ می کند ۔ این چند ابیات دال بر فکر صائب اوست ، ازوست :

اے مشفق من ہم ہیں فقط بوسوں کے نوکر
(۲۸۰ب) تم چاہو کہ تن خواہ کرو بندے کی سب سوخت
سو دور رکھو دل سے ، ابھی لیں گے بٹھا کر
نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت
جب جاتا ہوں آئینہ ہی دیکھے ہے وہ خود بیں
اس طرف نہ دیکھے ہے مجھے ہے یہ عجب سوخت
یہ عرض مری سن لے تو اے یار خدایا
یک بار سنوں میں کہ ہوا شہر حلب سوخت

---

(۲۷۴) حسرت

ذوق رام حسرت قوم بقال ، متوطن شاہ جہان آباد ، از مدتے بسبب افراط و تفریط روزگار در بلدۂ مرادآباد سکونت دارد ۔ جوان قابل ،

قابل ، درد مند ، و خوش سلیقه است ۔ فاما گردش فلک با او مساعد نیست ۔ اکثر اشعار فارسی خوب می گوید ، از چندے به سبب تحریک بعضے صاحبان در شعر ریختہ هم چند غزل موزون نمودہ ، ذهن رسا و فکر بجا دارد ۔ این چند ابیات دال بر تلاش سخن و خوش گفتگوئی اوست ۔ ازوست :

گرا کوئی لیتا ہے میرا نام اس کے رو به رو
دے ہے مجھ کو سیکڑوں دشنام اس کے رو بہ‌رو
کون کون اس دلربا کا یاں نہیں ہے عشقباز
اک میں ہی ہو گیا بدنام اس کے رو به رو (۲۸۱الف)
کیا بیاں مستی کروں اس نرگس مخمور کی
پانی پانی شرم سے ہے جام اس کے رو بہ‌رو
روز و شب چلتا رہے ہے یاں تو حسرت دور جام
یاد کب ہے گردش ایام اس کے رو بہ‌رو

محبت کے نشہ والوں کو مے خانے سے کیا نسبت
پئیں جو خون دل ہی ان کو پیمانے سے کیا نسبت
مری خانہ خرابی وہ دکھاتا ہے رقیبوں کو
نہیں تو اس کو یارو میرے گھر آنے سے کیا نسبت
رقیب سنگ دل کی سر گرانی نہیں اٹھا سکتا
نہیں تو مجھ کو تیرے در کے اٹھ جانے سے کیا نسبت

---

۱ ۔ اصل نسخے میں ورق ۲۸۰ ب کے بعد ذوق کے انتخاب کا کچھ حصہ غائب ہے ، شعر ۳ : کیا بیاں مستی کروں الخ سے " کیا کسی کو نہ اپنا لد ہم کسی کے ہوئے" یہ انتخاب سنٹرل ریکارڈس کے نسخے سے یہاں اضافہ ہوا ہے ۔ آخر کے چار شعر سنٹرل ریکارڈس کے نسخے میں بھی نہیں ہیں ۔

نہ حسرت کی نصیحت میں کرو اوقات کو ضائع
تمہیں اے عاقلو ہے ایسے دیوانے سے کیا نسبت

عیب معشوق کا کب اہل وفا کہتے ہیں
خوب نہیں کرتے جو خوبوں کو برا کہتے ہیں
وقت پا کر کبھی تجھ سے کہیں اپنا احوال
تو سنے یا نہ سنے ہم تجھے کیا کہتے ہیں
کبھی تو نکہت گل میرے قفس تک پہنچا
بات رہ جائے گی ہم تجھ سے صبا کہتے ہیں
رونا آتا ہے مجھے جب کبھی میرے آگے
دل فلانے نے فلانے کو دیا کہتے ہیں

نصیب ایسے تو ناکارہ کم کسی کے ہوئے
کیا کسی کو نہ اپنا نہ ہم کسی کے ہوئے

(۲۸۱الف) قبا پہنے اگر وہ سیمبر سبز
نہ ہو سرو و سمن زنہار سر سبز
ترا رخ خط سے دونا خوش نما ہے
کھلے ہے خوب رنگ سرخ پر سبز

خوبرو پاس ہوں جن کے انہیں ہے خوب بہار
ہے خزاں اپنے تئیں بے رخ محبوب ، بہار

سر اٹھا سکتی نہیں شاخ گاوں کی مطلق
بسکہ ہے حسن سے اس شوخ کے محجوب بہار

---

(۲۷۵) همت سنگھ

همت سنگھ ، کایتھ ، ساکن شیخوپورہ ، معمولۂ بدایوان ، طبع موزون دارد ۔ دو بیت ازو بنظر رسیدہ ، ازوست :

دل ساتھ لے چلو ہو ، خبردار دیکھنا
ہرگز نہ کیجیو اسے بیزار دیکھنا
زاہد گلی میں رندوں کی آتا تو ہے ولے
رسوا نہ ہو یہ جبہ و دستار دیکھنا

---

(۲۷۶) ظہوراللہ

ظہور اللہ ، متوطن نگینہ ، جوانے است سعادت مند ، خوش‌رو و طبع موزون دارد ، ازوست :

چمن میں دل کے میرے اے فلک کیا تخم بویا تھا
اُگا جو اس زمیں سے آہ و نالہ کا گل و بوٹا

الٰہی کیا گنہ صادر ہوا ہے میرے ہاتھوں سے (۲۸۱ب)
کہ ہر کانٹا سرو کا مری آنکھوں میں کھٹکے ہے

---

(۲۷۷) گستاخ

مرزا اشرف علی گستاخ پسر عطا علی خان کہ از وکلاے صاحبان فرنگ در بلدۂ رامپور است ، جوانی است وجیہ ، طبع رسا و فکر بجا دارد . و از شاگردان حکیم صدرالدین خان موصوف ۔ یک فرد او بنظر رسیدہ ، ازوست :

دل سے کہہ دو کہ بزم خوباں میں
سانس ٹھنڈی کبھی لیا نہ کرے

---

(۲۷۸) برکت علی

برکت علی ، جوانے بود ، اوباش وضع ، از شاگردان فیض‌الله بیگ ندوی مسطور ، دو فرد او بسمع رسیده ، ازوست :

شور دریا میں کیا قیامت ہے
سر برھنه حباب آتا ہے
جن نے یہ میکدہ اجاڑا تھا
پھر وہ خانه خراب آتا ہے
ھاتھ میں جام ، شیشه زیر بغل
یار مست شراب آتا ہے

کر تو نیزے کا وار ، دیکھیں تو
ھووے سینے کے پار ، دیکھیں تو

---

(۲۷۹) گنج سنگھ

منشی گنج سنگھ ، قوم کھتری ، متوطن دھلی ، شخصے بود مجمع قابلیت و ھنر ، خوش خلق و خوش خوی ، و خوش تقریر ۔ شعر فارسی خوب می گفت و در نظم و نثر مہارتے داشت ؛
(۲۸۲ الف) یک فرد او که به تقریبے گفته ، یاد دارم :

کیا مجنوں و فرھاد سے ھم کم ھیں ، طلب میں
آغاز کسی کا ھوا ، انجام کسی کا

---

(۲۸۰) محمد صدر عباسی

محمد صدر عباسی ، متوطن بدایوں ، جوان سعادتمند ، طبع موزوں دارد ، ازوست :

آہ اس درد کی کوئی بھی دوا جانے ہے
جس سے پوچھوں ہوں سو کہتا ہے ، خدا جانے ہے

ق

یار سے میں نے کہا کل جو پکڑ کر دامن
ایک بوسہ دے ، یہ رہ جائے گا احساں باقی
تب وہ کہنے لگا ، پھر میں ملوں گا تجھ سے
یار باقی ہے میاں صحبت یاراں باقی

(۲۸۱) نورن

شاہ نورن رامپوری ، مردے بود صاحب درد ، درویش سیرت عاشق مزاج ، طبع موزوں و جنون ساختہ داشت ۔ دیوان ضخیم ترتیب دادہ بود فاما ، بسبب عدم علم از صحت الفاظ و ربط کلام خبرنداشت ۔ گاہے اشعار دلچسپ و مربوط او بسمع نہ رسیدہ ۔ در وقت احمد شاہ ازیں جہاں درگذشت ۔ قبرش در رامپور مشہور است زبانش بطرز ولی دِکھنی است ۔ چند ابیات او برائے یادگار بہ تحریر می آید (۲۸۲ ب) ازوست :

کر لے نورن شادمانی ، وقت فرصت پھر نہیں
موسم گل ، مُل ، صدا بربط کی ، یاراں[1] پھر کہاں
آج کرنا ہے تو کرلے مل کے باہم چہچہے
دم غنیمت بوجھ اے دل ، بزم یاراں پھر کہاں

(۲۸۲) غم

غلام رسول غم، متوطن قصبہ لکھنہ، طبع موزوں دارد ۔ ازوست :

۱ ۔ اصل : باراں

یہ وصیت یاد رکھ صیاد ، بعد از مرگ من
پھینک دیجو باغ میں یہ بال و پر چاروں طرف

---

(۲۸۳) عشرت

غلام علی عشرت ، متوطن بلدۂ بریلی ، جوانے است سعادت‌مند مالند قابل (کذا) ، طبع رسا و فہم بجا دارد ، ایں چند ابیات بزبانی او بسمع رسیدہ ، ازوست :

کرے تھا صید ماھی اس طرح خوں ریز پانی میں
کہ جوں لڑنے کو آیا ھو کوئی انگریز پانی میں
سنے گر ماجرا اس چشم گریاں کا مری یارو
نہ ھووے ابر نیساں پھر کبھی در ریز پانی میں

تیرے کوچے سے ھر اک آوے ھے یوں من‌مارے
جوں مسافر کو کوئی راہ میں رہزن مارے
تیغ کاندھے پہ لیے آئے ھے ، دامن مارے
(۲۱۳الف) آج کس کس کے تئیں دیکھیے گردن مارے
جنبش ابروے خم دار ھی ھے قتل کو بس
ٹک دکھادے تو اسے جس کو تو گردن مارے

بخت نے یوں کیا مجھ کو ترے در سے باھر
جیسے کرتے ھیں گنہ گار کو گھر سے باھر
در نایاب تھا ، ھر چند کہ ڈھونڈھا نہ ملا
اشک جو میرے گرا دیدۂ تر سے باھر

---

(۲۸۳) مرزا قاسم بیگ

مرزا قاسم بیگ متوطن شاہجہان آباد، جوانے است سپاہی وضع، صاحب طبع ، اگرچہ نو مشق است فاما فکر سایم و فہم مستقیم دارد ۔ از شاگردان حکیم صدرالدین موصوف است ۔ این چند ابیات غزلیات از مسودات او بقلم آوردہ شدہ، ازوست :

کیا عہد ہم نے یہ اب دلربا سے
جو تجھ سے پھرے تو پھرے وہ خدا سے
عجب موجزن حسن ہوتا ہے تیرا
جو پڑتی ہے چین جبیں سنگ پا سے
تب ہی ہم تو کہتے تھے تم فتنہ ہوگے
نظر ہم کو پڑتے تھے جب تم ذرا سے

کیا قتل ہم کو جو تیغ جفا سے
تجھے خوف ہے کچھ بھی کافر ، خدا سے
دلا ، حلقۂ زلف میں گر پھنسا تو
نہ نکلے گا پھر جیتے جی اس بلا سے
وہ بیمار ہوں میں ارے ہم نشینو (۲۸۳ب)
مسیحا بھی عاجز ہے جس کی دوا سے

بسر اوقات کی ہم نے جہاں میں آہ و افغاں سے
نہ پایا ایک دن آرام اس گردون گرداں سے
ترے کوچے میں میں دیوانہ ساں جس وقت آتا ہوں
تو اک مینہ سا برس جاتا ہے مجھ پر سنگ طفلاں سے

جدا ہو ہاتھ مشاطہ کا یا رب اب تو شانے سے
چھڑایا دل کو میرے ان نے اس زلف پریشاں سے

ہیں مثل حباب گرچہ فانی
مشکل ہے ہماری تھاہ پانی
ٹک آنکھ اٹھا کے دیکھ لینا
او جان ، ہماری جان ، جانی
صورت تری دیکھ او بت چین
مانی نے بھی اب تو ہار مانی

فرمایا طبیبوں نے جینے کا نہیں ہرگز
بیمار یہ جاتا ہے آثار سے پہچانا
کچھ عیب و ہنر ہرگز رہتے نہیں پوشیدہ
انسان تو جاتا ہے گفتار سے پہچانا
آنکھیں مندی جاتی ہیں ، انگڑائیاں لیتے ہو
شب آپ رہے ہیں گے بیدار سے ، پہچانا
بانکے ہو ، بہادر ہو ، راوت ، سپاہی ہو
اس آپ کے شملے سے ، دستار سے پہچانا

---

(۲۸۵) سرور

میر ملھو متخلص بہ سرور متوطن شاہ جہان آباد ، از چندے در بلدۂ رامپور استقامت دارد ، از شاگردان مولوی (۲۸۴ الف) غلام جیلانی رفعت مسطور است ، جوانے است مجنون وضع ، خوش فکر و صاحب طبع ، ذہن رسا و فکر بجا دارد ، اگرچہ لوشق است فلما گاہ گاہے بعد سال و ماہے ، برائے خاطر یاران غزلے بہم رساند ، ایں چند ابیات از مسودات او بقلم آوردہ شد ۔ ازوست :

ستم گر تجھے کچھ بھی ڈر ہے خدا سے
ستاتا ہی ہم کو رہا تو سدا سے
نہیں عشق میں آہ ، اک دم بھی فرصت
الم سے، مصیبت سے، غم سے ، بلا سے ،
عبث رنج اٹھاتے ہو نا حق طبیبو
نہ ہوں ایسے بیمار چنگے دوا سے
کیا زلف نے اس کی ، برباد عالم
بچے کیا کوئی ایسی کالی بلا سے
غرض ہم کو دنیا سے ، نے دیں سے مطلب
ہمیں کام ہے اپنے اس آشنا سے
نہ دیکھا کوئی ایسا بے رحم اب تک
جیے یا مرے کوئی اس کی بلا سے

یاد اس بت کی جو کوئی ہم کو دلا دیتا ہے
غم و اندوہ جہاں دل سے بھلا دیتا ہے
سرخرو محفل عشاق میں ہوتا ہے وہی
شمع ساں عشق میں جو سر کو کٹا دیتا ہے
زلف و عارض وہ بلا ، چشم و مژہ وہ آفت (۲۸۴ب)
کن بلاؤں سے یہ دل ہم کو بھڑا دیتا ہے
محفل یار میں یہ کچھ تو ہے اپنا رتبہ
بیٹھنے بھی نہیں پاتے کہ اٹھا دیتا ہے
کیا ہی رکھتا ہے وہ اللہ رے دماغ نازک
بوئے گل سے بھی تو وہ ناک چڑھا دیتا ہے
شدت زلزلہ گو دے ہے زمیں کو جنبش
اپنا یہ نالۂ دل عرش ہلا دیتا ہے

آگ ہو جاتا ہے ہر دم مری صورت سے جو وہ
شاید اس سے کوئی کچھ[1] جا کے لگا دیتا ہے
یاد میں اس کے لب لعل مصفا کی سرور
رنگ کیا دیدۂ خوں بار دکھا دیتا ہے

گریں آنکھوں سے اب لخت جگر یوں ہو تو بہتر ہے
بنے گلریز ساں مژگاں تر یوں ہو تو بہتر ہے
سبو ہو ، بادہ ہو ، ساقی ہو ، ساغر ہو، لب جو ہو
اگر اوقات کچھ اپنی بسر یوں ہو تو بہتر ہے
دل بریاں ہو ، چشم خوں فشاں ہو ، آہ سوزاں ہو
اگر عاشق کی عالم میں گذر یوں ہو تو بہتر ہے
نشے میں چور ہو اور ہاتھ میں مینائے پر مے ہو
ہمارے گھر میں گر وہ جلوہ گر یوں ہو تو بہتر ہے
سرور اپنے تن بےجاں میں وہیں جان پڑ جائے (۲۸۵ الف)
پھڑاوے لب سے لب وہ سیم بر یوں ہو تو بہتر ہے

تری اس اچپلی صورت کو کھینچے کس طرح مانی
ترا نقشہ کسی دل پر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
مرے نالے سے اڑ جاوے اگر زاہد عجب کیا ہے
ہوائے تیز میں مچھر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
بھلا ہو کس طرح ذرہ مقابل مہر تاباں کے
ترے منہ پر شہ خاور نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا

---

۱ ـ اصل : اول سے کوئی ـ

اب ایسی ہی گر تیغ تری ہم پہ علم ہے
گر ہم بھی نہ سردیں تو میاں ہم کو قسم ہے
بے رحم مرا ، نزع کی حالت میں مجھے دیکھ
کس ناز سے بولا کہ ابھی اس میں تو دم ہے
استاد تھا گو قیس فن عشق میں یارو
پر ہم سا بھی دیوانہ جہاں میں کوئی کم ہے
چھٹ اس کے رخ و زلف کے کچھ یاد نہیں ہے
ہر روز یہی فکر ہے ، ہر شب یہی غم ہے
کیا خاک سرور اس دل محزوں کو مرے ہو
جس کے تئیں ہر روز نیا درد و الم ہے

---

(۲۸۶) آشنا

محمد اکرم آشنا متوطن شاہ جہان آباد ، اکنون در بلدۂ رامپور استقامت دارد ـ جوانے است وجیہ ، مرزا منش خوش صورت (۲۸۵ ب) و خوش سیرت و با تمکنت و وقار ، نہایت خوش خلق و خوش خو و مخزن اہلیت بردبار طبع رسا و فہم بجا دارد ـ اگرچہ مشق سخن از چند روز می کند فاما تلاش معنی تازہ و الفاظ رنگین می نماید و داد سخن می دہد ـ این چند ابیات از مسودہ اش بقلم آوردہ شد ـ ازوست :

کب میں کہتا ہوں کہ تم مجھ پہ نہ بیداد کرو
بلکہ ہر روز نیا اک ستم ایجاد کرو
آؤ ، مت جاؤ ، شب تار ہے ، مانو کہنا
بندہ خانہ ہي بھلا آج تو آباد کرو

بوسے کے لینے کو منہ چاہیے، سچ کہتے ہو
مجھ کو گالی بھی غنیمت ہے جو امداد کرو
کل کہا اس سے کہ کیوں مجھ سے خفا ہوتے ہو
میں نے تقصیر جو کچھ کی ہو تو ارشاد کرو

سن کے جھنجھلا کے کہا، منہ نہ کھلاؤ میرا
مجھ سے کل کہتے نہ تھے تم، مجھے آزاد کرو
مجھ کو یہ بات نہ بھولے گی چلے جاؤ ادھر
آشنا اپنا کوئی اور پری زاد کرو

رہے آنکھوں میں وہ نور بصر یوں ہو تو بہتر ہے
یہ باقی عمر اب اپنی بسر یوں ہو تو بہتر ہے
گلے لگ لگ کے سونا مجھ کو تیرے ساتھ کا بھاوے[1]
خدا ایسا کرے اے سیم بر یوں ہو تو بہتر ہے

سر کو ادھر کو، یوں کہا مجھ کو، آگ لگے اس سونے کو (١٨٢ الف)
سونے میں میرے بالوں سے سر کے الجھی جو اس کی بالی رات
زلف کو اس کی ہاتھ لگا کر، بیٹھے بٹھائے رنجش کی
سر پر ہم نے اپنے یارو، ناحق کی یہ سلالی رات
بن تیرے کٹتی ہے جو شب، رہتا ہے مجھے یہ کام ہی اب
ہر دم ہر پل پوچھوں ہوں جا جا کتنی ہے گھڑی بالی رات
پھیر بدل کر قافیہ کہہ تو، آشنا کوئی اور غزل
کٹتی نہیں ہے اور طرح سے ہجر کی یہ منہ کالی رات

---

۱ - اس مصرع کے بعد سے انتخاب کلام نسخہ سنٹرل رکارڈس سے اضافہ کیا گیا ہے۔

روتے روتے ہچکی بندھی[1] اور دکھنے لگ گئی چھاتی رات
یاد جو آئی مجھ کو کسی کی صورت وہ مدھ ماتی رات
موے سہ اس مہر جبیں کے کھل جانے گر مجلس میں
ہو کے خجل کر نیچی آنکھیں پالو دے بے آلھ جاتی رات
بعد از مدت مل بیٹھے تھے دکھ سکھ اپنا کہنے کو
اک پل بھی تو اور نہ ٹھہری تونے کی بد ذاتی رات
فرقت کا اس ماہ جبیں کی تجھ کو نہ ہوتا گر کچھ غم
(۲۷۲ ب) کالے کپڑے سارے اپنے کاہے کو تو رنگاتی رات
زلف تمھاری پابوسی پر اتنی تو آمادہ تھی
ٹک بھی اگر تم چھوڑتے اس کو پانوں سے منہ وہ لگاتی رات
یاد نہ ہوتی اس کو جو میری آشنا تو اتنا تو سمجھ
نام اسی کا لیتے اپنی ہچکی کیوں تھم جاتی رات[1]

مہ تاباں ترے منہ پر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
مقابل شمس کے اختر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
یہ طفل اشک آنکھوں سے نکلتے وقت کہتا ہے
صدف میں نت کوئی گوہر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
دم آخر سحر کو شمع رو رو کر یہ کہتی ہے
کسی سر پر یہ تاج زر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا
اگر ٹھہرے تو کوئی آشنا ٹھہرے غلامی میں
میاں نوکر تو اس خو پر نہ ٹھہرا ہے نہ ٹھہرے گا

---

۱ - یہ دو غزلہ نسخہ سنٹرل رکارڈس میں نہیں ہے ، ہمارے متن مبنی علیہ میں موجود ہے -

جس شخص کی تربت پہ ترا نقش قدم ہے
الحق کہ آپ سلطنت ملک قدم ہے
ہر دم اسے مت ہاتھ سے دے اے دل نالاں
یہ آہ مری ، لشکر ماتم کا علم ہے
آنکھوں کو تری کیوں کہ خمر ساتھ دوں نسبت
اپنا یہ مقولہ ہے وہ اس کیف سے کم ہے

ق

گر جاوے وہ بت کعبہ میں تو بولے برہمن
ہردوار ہے یہ ، اور کہے شیخ حرم ہے
اس وقت اگر مجھ سے وے پوچھیں تو کہوں میں
مومن کا یہ ایمان ہے ، ہندو کا دھرم ہے

مت جانے کو پوچھ ہم سے جانی
کس کو بھاتی ہے جان جانی
جز داغ جگر نہ دے گئے کچھ
جانی ، اپنی مجھے نشانی
ہے آئینہ بد نظر پری رو
خوب اس سے نہیں نظر ملانی
رخ دیکھ ترا یہ صاف دیدہ
بھر بھر لاتا ہے منہ میں پانی
کوئی نہیں آشنا کسی کا
بہتر ہے خدا سے لو لگانی

غرض کچھ نہیں ہم کو شاہ و گدا سے
ہمیں کام ہے اپنے اس میرزا سے

ترے هجر میں هم نے اے دشمن جاں
رکھا جی کو دے دے کے کیا کیا دلاسے
هنسا کھکھلا کس ادا سے وہ گلرو
هوئی گدگدی جب آسے سنگ پاسے
میں حیرت سے جب دیکھ رهتا هوں اس کو
وہ نظریں چرانے لگے هے حیا سے
غرض زندگی هے غنیمت کوئی دم
جو ملنا هے مل لو کسی آشنا سے

نہ کچھ سرگشتگی هے هم کو اس گردون گرداں سے
پریشانی همارى هے تری زلف پریشاں سے

ابھی بیٹھے نہیں هو تم کہ پھر دامن سنھبالا هے
تمھاری جاؤں جاؤں نے تو میرا دم نکالا هے
تمھیں سب دیکھ کر کہتے هیں یوسف هوگا ایسا هی
یہ ڈوبا نام اس کا تم نے مدت میں اچھالا هے
نہ هو مجھ سے جدا اس وقت دونوں وقت ملتے هیں
مرے اس خانۂ تاریک کا تو هی اُجالا هے

---

(۲۸۷) شوق

محمد قدرت‌الله صدیقی شوق، متوطن موضع موی عمله قصبۂ کابر توابع سرکار سنبھل ، این چند ابیات واهیات از نتائج فکر ناقص این مولف است ، اگرچه قابل نوشتن و درج نمودن کتاب نبود فاما محض برائے خاطر داشت بعضے یاران و داخل شدن در زمرۂ پنج‌سواران نوشته شد ، امیدکه به نظر هر صاحب سخنے که درآید از

نظر شفقت بکشاید و بدعاے خیر یاد نماید ۔ ازوست : (۲۸۷ الف)

موسیٰ کے طور ہو تو مقید نہ طور کا
جلوہ ہر ایک جا ہے خدا کے ظہور کا
کچھ دور مرتبہ ہے وہ فہمید عقل کے
پہنچے جہاں نہ وہم نہ قاصد شعور کا
ہاں اتنا جانتا ہوں نہ ہوتی یہ خلق خلق
عاشق جو وہ نہ ہوتا محمد کے نور کا
کر لے ثنا و مدح تو اس حوروش کی شوق
دل لے گیا ترا جو وہ افغان قصور کا

کوچۂ زلف سوا دل کہیں آیا نہ گیا
اس بچارے کا تو پر کھوج بھی پایا نہ گیا
دین و دل صبر و قرار و خرد و تاب وتواں
گھر کا گھر لٹ گیا پر ہم سے بچایا نہ گیا
کیا کریں کرتے تو کر بیٹھے یہ ہم اس سے بگاڑ
ایسا روٹھا وہ کہ پھر ہم سے منایا نہ گیا
سو جتن، لاکھ فسوں، سحر ہزاروں میں کیے
اس پری‌رو کا یہ سر سے مرے سایا نہ گیا
اپنے بیگانے تری یاد میں سب بھول گئے
پر تری یاد کو ٹک دل سے بھلایا نہ گیا
کل خبر اس کے سفر کی میں سنی تھی اے شوق
چل کے دیکھیں تو بھلا آج گیا یا نہ گیا

(۲۸۷ب) کون کاکل کو تری دیکھ کے مارا نہ گیا
لاکھ افسوں پڑھے پر زہر اتارا نہ گیا

پیاری پیاری تری بلاؤں کے تئیں سن پیارے
کون سا شخص ہے جس کے تئیں پیار، آ لہ گیا

جب کھیلنے پٹہ گل وہ رشک ماہ نکلا
سورج چھڑی[1] و گنکا لے صبح گاہ نکلا
دنیا وہ جا ہے یارو ،آ جس میں ایک منزل
آرام سے نہ کوئی طے کرکے راہ نکلا
وا ماندگاں پہ دیکھیں کیا گزرے پیچھے حالت
عمر اپنی ہر طرح سے قدرت نباہ نکلا

گھر سے کر قصد وہ قاتل یہ کدھر کا نکلا
کھینچ کر میان سے خنجر جو کمر کا نکلا
مہر کی طرح سدا پھرنے سے ہے کام اسے
شام تک گھر میں نہ بیٹھا وہ سحر کا نکلا
جان و دل سن کے ہوئے راہ فنا کے راھی
قصد جب گھر سے کر اپنے وہ سفر کا نکلا
در بہ در خاک بسر پھرتے ھی دیکھا شب و روز
مثل خورشید جو طالب کوئی زر کا نکلا
دین تو کھویا ھی، دنیا بھی نہ کی کچھ حاصل
شوق ناکارہ ادھر کا نہ ادھر کا نکلا

جالیے میری طرح سے دشت میں نت یہ گردباد (۲۸۸الف)
کس کو پھرے ہے ڈھونڈھتا خاک بسر برہنہ پا

---

۱ - پھری اصل ؛

جز راہ عدم اور نہ پڑتا ہے نظر کچھ
کرتا ہوں تصور میں اگر اس کے دہاں کے
اس ضعف کو پہنچا ہے ترے ہجر میں قدرت
نے نالہ و نے آہ و نہ فریاد و فغاں کا

مثل خس کشاکش میں ہوں اک مدت سے میں اب تو
بہا یہ قلزم غم میرے تئیں دیکھیں کدھر لے جا

رکھا مجھے تربت میں بھی آن نے تہ و بالا
کیا دل ہے مرا سلمہ اللہ تعالیٰ
خط آتے ہی یوں اڑ گئی مکھڑے کی وہ خوبی
جیسے کہ نکل جائے مہاجن کا دوالا

منہ سے ذرا اٹھا لے تو آنچل نقاب کا
بازار بہت گرم ہے کچھ آفتاب کا
حیراں ہے کس کو دیکھ کہ نہیں مارتا یہ دم
ابھرا پھرے ہے تسپہ لپٹ دل حباب کا

کچھ پوچھ نہ ظالم مرا احوال کہ دل پر
دن رات ترا ذکر ہے اور نام خدا کا
کیا عشق ہی ہوتا تھا الٰہی مرض الموت
جس رنج کو سنتے ہیں نہ دارو نہ دوا کا

گر اسی طور لت ستائیے گا
کس توقع پہ دل لگائیے گا (۲۸۸)

بسکہ دل تنگ ہوں میں عالم سے
اب جہاں سیتی دل اٹھائیے گا
وسعت دل یہ چاہتی ہے مری
لامکاں پر مکاں بنائیے گا

جب تک مری بالیں پہ ڈلا رام نہ آیا
اس کشتۂ الفت کو تو آرام نہ آیا
گر شب کو ملوں اس سے تو ٹالے ہے سحر پر
ہو صبح تو کہتا ہے سر شام نہ آیا

ہر کہیں جان تو نہ جا بے جا
رکھ لحاظ اپنے دل میں جا بے جا
میں جو رخصت طلب ہوا اس سے
بولا جھنجھلا کے وہ کہ جا بے جا
شوق تیرا خدا ہی ناصر ہے
اب کی تو یار جا پھنسا بے جا

دل زنخداں کی چاہ میں ڈوبا
کیسے بحر اتھاہ میں ڈوبا
ماہ نو رشک سے کس ابرو کے
اچھلے ہے ایک ماہ میں ڈوبا
اس طرح خط میں چھپ گیا مکھڑا
ماہ گویا یہ راہ میں ڈوبا

جس کی جالب سے ٹک بھی چاہ نہیں
شوق عبث اس کی چاہ میں ڈوبا

یہ دل اسیر غم مدعا نہیں ہوتا
غرض کسی سے غرض آشنا نہیں آتا
پہنچتی ہو جیسے بن نامہ بر ھی بوے نگار
رھین منت باد صبا نہیں ہوتا

یاروں نے گو اناالحق اس منہ سے بول دیکھا
ھیں سرّ حق سے غافل سب کو ٹٹول دیکھا
یوسف کا مول ہوا تھا بازار مصر میں جا
پر یہ عزیز اپنا ھم نے امول دیکھا
آنکھیں تھیں وا یہ میری حسرت میں کس کی واں تک
یاروں نے وقت تدفیں چہرے کو کھول دیکھا
جب دل پھنسے ھے ۔ اگر چھٹنا ھے اس کا مشکل
یاں جی تلک تو یارو رکھ کر میں اول دیکھا
آھو بھی وو ھیں اپنی سب چوکڑی کو بھولے
جب من ھرن کا گھوڑا کرتے الول دیکھا
کن چہچہوں میں تھا وہ معلوم کچھ نہیں آہ
قدرت کو آج پھر کچھ کرتے کلول دیکھا

(۲۸۹ الف) نہیں مسجد کی اب تاب عبادت
تری ابرو ھے محراب عبادت

وضو کرتا ہوں آنسو سے میں دن رات
مرا یہ اشک ہے آب عبادت

ہے یہ اس کج کلاہ کی حشمت
جیسے ہو بادشاہ کی حشمت
مہر جھپکے ہے آنکھ جس کے حضور[۱]
دیکھو اس رشک ماہ کی حشمت
معفرت ہاتھ باندھ کر آئی
دیکھ میرے گناہ کی حشمت
ہو گئی شوق عرش کے بھی پرے
کیا کہوں اپنی آہ کی حشمت

ہنسی آتی ہے اس کی بات پر مجھ کو کہ کہتا ہے
فلانا روتا رہتا ہے (ذرا) پوچھو ہے کیا باعث

کیا ہے بعد مدت میں سوال آج
نہ کر بوسے سے پیارے ٹال ہال آج
کیا زخمی مجھے تیر نگہ سے
صریحاً جان بوجھ اور دیکھ بھال آج
چلے ہو کس کو جانی پیچ دینے
یہ کنڈے دار چیرہ سج کے لال آج

سن آہ و فغاں میری کو کہا کر وہ جواں درد
پوچھے تھا مجھے آن کے ہوتا ہے کہاں درد

---

۱ - اصل : ظہور

(۹۲۸ب) حافظ ہے خدا اس کا کہ ہوں جس پہ یہ آفات
غم ، جور و الم ، ظلم و ستم ، آہ و فغاں ، درد
اے شوق ترے شعر کی کیا کچھ ہے یہ تاثیر
رونے لگے ترے بیتوں کو سن مرد فغاں درد

پھرا ہے تجھ گلی سے کوئی اپنا کام کم لے کر
مگر اک مرگ کا آتا ہے نت پیغام غم لے کر
میں اک مدت سے مثل غنچہ محو بوسۂ لب ہوں
بھڑا دے آج تو منہ سے مرے گلفام خم لے کر
ہوا ہوں بسمل تیغ نگہ مت کھول زلفوں کو
خدا کے واسطے ٹک ڈالیو تو دام دم لے کر
مجھے دونوں جہاں ہیں منکشف پیمانۂ دل میں
رکھے کیسہ میں اپنے جا کے اب یہ جام جم لے کر

خط نے اس منہ پہ کی دوچند بہار
کیوں نہ اس کو کہیں خط گلزار

شب بیٹھ مرے سامنے زلفوں کو دے کے بل
کرتا تھا کیسے پیچ میں وہ مہربان ناز
دل ایک اور آفتیں درپیش سیکڑوں
غمزہ ، ادا ، نگاہ ، تبسم اور آن ، ناز
آغاز خط تو چہرے پر اس کے ہوا نمود
اب تک کرے ہے شوق سے وہ نوجوان ناز

آیا جو میرے سر پہ وہ گل کھینچ کے شمشیر (۲۰۹الف)
رو کر میں کہا ماریے ، هنس کر یہ کہا بس

آتا ہے جب پہن کے وہ گل پیرهن لباس
پھاڑیں ہیں اپنا رشک سے اهل چمن لباس
آنکھیں تو کھول ، دیکھ کہ ہے کون جلوہ گر
معلوم ہو ہے مجھ کو یہ سب ما و من لباس
پہنوں گا اب میں جامۂ عریانی جوں حباب
دل پر مرے همیشه ہے قید کٹھن لباس

آتی ہے جو ظالم تجھے یہ جور و جفا خوش
میں خوش مرا دل خوش ہے مرے یار خدا خوش
مارا مجھے دے کرکے فریب ان نے پہ صد حیف
اس بات سے ہونے ہیں یہ میرے رفقا خوس

شمع مزار کچھ نہیں درکار ہے مجھے
جلتے ہیں دل غریبوں کے مجھ پر بجائے شمع
شبنم کی طرح هستیٔ موهوم گل پہ رو
یک شب کی زندگی پہ یہ سر مت اٹھائے شمع
دونوں هی اپنے فن میں یہ کامل بتا تو شوق (کذا)
پروانے هی پہ جلیے کہ روویں برائے شمع

جو سر اٹھاوے ، هو ہے تہ تیغ آسماں
کٹتی ہے ، جب کہ کرتی ہے گردن دراز شمع

(۰۹۲ب) اپنے ہی داغ دل سے جلی سر سے پالوں تک
لیکن سر غرور سے آئی نہ باز شمع

ہے تجھ گلی میں شور و فغاں جان ہم تلک
یہ دھومیں دیکھتے ہو مرے دم قدم تلک
جوں شمع ہم بھی جیتے ہیں جب تک ہے سوز دل
ہے رشتۂ حیات ہمارا یہ غم تلک

ق

اس کو نہیں ہے قول کا میرے تک اعتبار
پہنچے ہے بات بات پہ نوبت قسم تلک
ہے تسپہ یہ غضب کہ نہیں مانتا وہ شوخ
لے جاؤں کاش ہاتھ بھی اس کے قدم تلک
اے شوق تیرے شعر کی اب تو پڑی ہے دھوم
سودا و میر و قائم و درد و الم تلک

اشک کو کر دیدۂ پرنم تمام
آج ہی کرنا ہے کیا سب غم تمام
آ تو آ ورنہ تری رہ دیکھ دیکھ
جی ہوا جاتا ہے آخر دم تمام
ایک دن پہنچی نہ اس دامن تلک
در ہوس برباد شد خاکم تمام

ہے اس کے دھن کا بھی یوھیں ذکر زباں پر
جوں رکھتی ہے افواہ میں عالم کے کمر نام

جی سکھ کبھی دل سکھ کبھی تن سکھ کبھی من سکھ
جپتا ہوں پڑا دل سے پیارے ترا ہر نام
گر شوق سے قدرت تو اب اس کوچے کی جا سیر (۱۹۱۲الف)
جب دل ہی دیا جان، کہاں ننگ، کدھر نام

لیتی ہے انگڑائیاں لت سایۂ ابرو میں بیٹھ
کس سے سیکھی ہے بھلا بتلاؤ یہ آداب چشم
ایک دن کھینچے گی آخر، دیکھیو اس کا خمار
کرتی ہے کیا مستیاں تو بر در محراب چشم

سب سے الفت اسے کیا کہتے ہیں
ہم سے نفرت، اسے کیا کہتے ہیں
میرے ملنے سیتی اتنا پرہیز
بل بے غیرت، اسے کیا کہتے ہیں
دن میں لاتا ہے وہ قامت مجھ پر
سو قیامت، اسے کیا کہتے ہیں
چھوڑ کر مجھ کو تو اوروں سے ملے
بے مروت، اسے کیا کہتے ہیں
اب تو دل قید تعین سے نکل
اتنی غفلت، اسے کیا کہتے ہیں

کرے ہے اک عالم کا خوں ہر گھڑی
بہت منہ لگایا ہے تیں پان کو
فلک رات دن رہتا ہے چرخ میں
نظر کر ترے دور داماں کو

کیا شوق اپنا تیں خانہ خراب
نہ دینا تھا یہ دل اس افغان کو

(۱۹۲ب) دل نے لیا ہے زلف سا مکان علیحدہ
مسکن ہے اس کا اب تو جہان علیحدہ
جنبش میں ابرواں کی کرے ہے نگاہ کام
اس تیر کی ہے جگ سے کمان علیحدہ
دیکھا تو جی اٹھے جو نہ دیکھا تو مر گئے
اس عشق کا ہے سود و زیان علیحدہ
دل ہے سو داغ داغ جگر ہے سو چھید چھید
ہم لے چلے ہیں داں سے نشان علیحدہ
اے شوق ترے شوق کا انداز کیا کہوں
عالم سے تو رکھے ہے زبان علیحدہ

آہ اک دم نہ رہی صحبت یاراں باقی
رہ گئے دل میں مرے داغ ہزاراں باقی
بعد مرگ اب بھی نہیں چرخ کے ہاتھوں سے نجات
خاک میری کو ہے وہ گردش داماں باقی
کارواں لد گیا ، قدرت کا خدا حافظ ہے
یوہیں جاتا ہے رہا بے سر و ساماں باقی

چاہیے روم ہی جاگیر نہ یاں شام مجھے
منصب عشق میں زلف اس کی ہے لکھ دام مجھے
زلف کوتہ نے ڈسا یوں کہ نہ آئی یک لہر
مار بے دم ہوئی یہ زلف سیہ فام مجھے

آب شمشیر کا لے اس کی کروں پاشویہ (۲۹۲ الف)
گرمئی عشق سے ہے بازو پہ سرسام مجھے

جھڑکی ہے ہر اک بات پہ اور دل شکنی ہے
ایسا بھی یہ کیا لائق گردن زدنی ہے (کذا)
آنے سے مجھے کوچے میں اپنے نہ ہو مانع
رہ کیوں کہ سکوں یاں سے کہ حب الوطنی ہے
پھر اشک مرا سخت ہوا ہے کچھ ابتر
طوفانی ہے یہ طفل بڑا ناشدنی ہے

آہ سحر کی سالک اگر کوئی چل گئی
سن لیجیو جگر سے فلک کے نکل گئی
گو زلف موبہ‌مو تری رکھتی ہے لاکھ بل
پر کھا کے پیچ و تاب ترے منہ پہ بل گئی

کس کی مشتاق شب و روز صبا پھرتی ہے
گل جدا، رنگ جدا، بوے جدا پھرتی ہے
کج نگاہی سے نہیں دیکھتی وہ چشم سیاہ
باز گشتی کا لیے تیر گویا پھرتی ہے
آج کل ہاتھ میں کر اپنے دل اس قاتل کا
خون پینے کو مرا دزد حنا پھرتی ہے
کس کا من ڈسنے کو یوں جھالکتی وہ زلف سیاہ
دونوں جانب سیتی اب رو بہ قفا پھرتی ہے
دیکھیے کیا ہو، ہر اک سو وہ نگاہ کافر
بر سر ظلم و ستم جور و جفا پھرتی ہے (۲۹۲ ب)

زلف اس کی کھلی ہے ناگہانی
اتری یہ بلاے ناگہانی
دل گم ہوا دیکھ اس دہن کو
لے ڈوبی مجھے یہ نکتہ دانی

غافل مجھے گھڑیال یہ کرتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹادی

کس سہی قد کی پھر آمد ہے گلستاں کی طرف
سرو جھانکے ہے کھڑا باغ کی دیواروں سے
مل کے غیروں سے یہ کیا چال نکالی جسے دیکھ
آپ سے جا ہیں چلے ہم تری رفتاروں سے

لکھوں زلف کو مار یا مشک تاتار
جو خو تھی کسی کی تو بو تھی کسی کی

شیشے میں مئے ناب کی پیارے یہ دمک ہے
عارض پہ ترے یا کوئی جوبن کی جھلک ہے
دل اچھلے ہے بے طرح، جگر ہوتا ہے دھک دھک
لیجو تو خبر کس کے یہ پانوں کی دھمک ہے
یہ قاعدہ تم کس سے پڑھے ہو مرے پیارے
گالی کے سوا اور بھی کچھ تم کو سبق ہے (کذا)

اسی ہوس میں مہ نو تلک خمیدہ ہے
رکاب اس کی اس عالم میں کن نہیں پکڑی

نہیں ہے چرخ پہ یہ مہر، دیکھنے کو ترے (۹۳ الف)
فلک نے ہاتھ میں اے ماہ دوربیں پکڑی

زمین و آسماں ، سب دشت اور کہسار لے ڈوبی
اک عالم اشک کے طوفاں میں چشم زار لے ڈوبی

ہے چشم مری یا کوئی ساون کی جھڑی ہے
عالم کے ڈبانے کے مگر پیچھے پڑی ہے
سیل اس کے میں بہ گئے در و دیوار یہ سب آج
کل دیکھیو آ کر کہ نہ تختہ نہ کڑی ہے
اس کالی گھٹا بیچ نہیں بگلوں کی یہ ڈار
اندر کی پری موتی کی دے مالک کھڑی ہے
اب اشک حنائی سے کتھی رہتی ہے دن رات
مژگاں ہے مری یا کوئی پھولوں کی چھڑی ہے
شب تنگ و درپیش ہے افسانۂ کاکل
کیوں کر کروں کوتاہ حکایت یہ بڑی ہے
سودا و یقیں ، درد و حزیں سن کے ہوئے دنگ
قدرت ترے اشعار کی کیا دھوم پڑی ہے

دل تری دید کو تڑپے ہے سحر سے باہر
کیا تغافل ہے ذرا نکلو تو گھر سے باہر

رباعی

بن بن میں پھروں ہوں اس کے پیچھے ڈولا
اک دن بھی خوشی سے وہ نہ وحشی بولا

(۳۹۲ب) جوں گل نہ ملا کشادہ پیشانی ہو
نے غنچہ صفت لب اُن نے ہنس کر کھولا

نہ جانے کس ارادے پر وہ لے تیر و کماں نکلا
پھر اب بن ٹھن کے گھر سے فتنۂ آخر زماں نکلا
مرا دل ہاتھ میں کر شوخ اب پانوں سے ملتا ہے
یہ جنس بے بہا میری کا کیا ہی قدرداں نکلا
دل و دیں ، تاب و طاقت ، صبر و آرام و شکیبائی
دیا میں اس کو اور اپنا جلا کر خانماں نکلا

مرے نالے کو سن ،ہو پرغضب گھر سے نکل آیا
لگا کہنے : اب کیا نیند میں کرنے خلل آیا
اکڑتی ہیں سدا مجھ یہ با ایں پریشانی (کذا)
تری زلفوں میں کیا جانے کہاں سے اتنا بل آیا
کرے ہے آج کل مدت سےوہ وعدہ‌خلاف اب تک
کٹی عمر انتظاری میں ، نہ آج آیا نہ کل آیا

کب سہوں میں تری جفا بیٹھا[۱]
کیا کروں اب تو دل لگا بیٹھا
اس قدر زخم ناتوانی ہے
مجھ سے جاتا نہیں اٹھا بیٹھا
کیا کہوں شوخ کج روش کی بات
کل وہ سیدھی مجھے سنا بیٹھا

---

۱ - اس غزل کا مطلع اور شعر ۲ کا مصرع ۱ ، ن ۲ سے اضافہ -

خاتمه

بدان که ریخته برچند اقسام است ـ اول آن که یک مصرعه اش فارسی و یک هندی ـ دوم آن که نیم مصرع فارسی و نیم هندی ـ و قسم ثالث که مناسبت تمام با کلمهٔ ریخته دارد آن که کلمه فارسی و کلمهٔ عربی و کلمهٔ هندی بود ، فاما الفاظ مستعمل باید آورد و کلمهٔ عجیب و غریب نیارد ، چنان‌چه روزمرهٔ هندوستان که عبارت است از شاه جهان آباد و محاوره عوام و خواص آنجاست ـ و همین قسم ثالث در استعمال شعرائے این زمان مستحسن و معتبر است ـ اما شاعر این فن را این قدر امتیاز لابدی است که از آوردن حروف مفردهٔ فارسی بدون متعلق آن ، در ریخته اجتناب نماید ، چنان‌چه لفظ در یا با بر باز وغیره ذلک ـ و تراکیبے که موجب ثقل تلفظ زبانی باشد باز ماندن ازان هم ضرور ، بل واجب است ، اگرچه مرکب از کلمات فصیح باشد و رعایت عیوبات شعر (۳۹۲الف) و اوزان و قوافی و ردیف وغیره که مفصل در رسالهٔ عروض مذکور است ، البته شاعر ازان خبردار خواهد شد ـ پس درین مختصر نوشتن فضولی است ـ والله اعلم بالصواب ـ

چون این نسخهٔ "طبقات‌الشعرا" باعانت ایزدی و برهنمونئی شوق که راه بر جمیع مقاصد است به حسب‌فرمایش بعضے اعزہ که فن شعر ریخته را باوجود بےجانی عزیز از جان می داشتند با تمام رسید و صورت اختتام یافت ـ تمت تمام شد ـ

ترقیمه

بعون الملک الوهاب نسخه "طبقات الشعرا" بموجب فرمایش خان مهربان دوست محمد خان خلف الصدق خان صاحب نصرت خان حاکم -
بخط بندۂ احقر العباد فیض علی بتاریخ نهم شهر رجب بروز پنجشنبه وقت سه پہر ۱۲۰۱ ھ

ضميمهٔ طبقات الشعراء

استدراک

ہم نے مقدمے میں لکھا ہے کہ طبقات الشعراء کا ایک قلمی نسخہ پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی کے ذخیرۂ کتب میں تھا ، اور یہ اب لاہور پہنچ چکا ہے (رک مقدمہ ۲۴ : ۳) ، اور ہم نے اسی مقدمے میں یہ بھی کہا ہے کہ "اس تذکرے کے وجود خارجی کا علم غالباً سب سے پہلے پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی کو ہوا اور انھوں نے ہمیں باخبر کیا" (رک ۳۱ : ۱۱) - لیکن یہ دونوں بیانات اصلاح کے محتاج ہیں - اصل میں طبقات الشعراء کا خطی نسخہ لالہ سری رام دہلوی مؤلف خمخانۂ جاوید کے کتب خانے میں تھا اور انھوں نے خمخانۂ جاوید کی جلد اول (سال انطباع ۱۹۰۸ع) میں اس کے حوالے دیے ہیں - ان کے انتقال کے بعد یہ کتب خانہ پنڈت کیفی کی تحویل میں رہا - پھر اس کا کچھ حصہ بنارس ہندو یونیورسٹی کو دے دیا گیا ، کچھ ضائع ہوگیا - ہم نے مقدمے میں (۳۱ : ۱۳) جو عبارت نقل کی ہے وہ خمخانۂ جاوید جلد پنجم سے مقتبس ہے ، جس کا بیشتر مواد لالہ سری رام کا فراہم کردہ ہے - اسے پنڈت کیفی نے مرتب کرکے (۱۹۴۰ع میں) چھاپا تھا - اسی صورت میں اس عبارت کا پنڈت کیفی سے انتساب درست نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت کیفی نے تذکرے کے وجود سے پہلی بار ہمیں باخبر کیا - قطع نظر اس سے کہ خمخانۂ جاوید کی جلد اول میں اس کے حوالے موجود ہیں ، جلد پنجم کی طباعت سے پہلے اردو والے اس سے واقف ہو چکے تھے (ملاحظہ ہو خطبات گارساں دتاسی : ۱۰۵ - دستورالفصاحت : ۱۷-

مقالات شبلی جلد دوم ۔ رسالۂ ہندوستانی الہ آباد ، جنوری ۱۹۳۶ع)
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لالہ سری رام کے کتب خانے کا یہ نسخہ طبقات الشعراء کی روایت ثانی ہے اور اس میں بعض شعراء کے ایسے تراجم موجود ہیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں ہیں ۔ چوں کہ کوشش کے باوجود اس تذکرے سے استفادہ ممکن نہیں ہو سکا ، اس لیے خمخانۂ جاوید سے وہ تراجم یہاں پیش کیے جاتے ہیں جو تذکرۂ شوق کے حوالے سے آئے ہیں اور دستیاب خطی نسخوں سے غیر حاضر ہیں (مرتب) :

(۱) آشفتہ :

شاعر با کمال عنبرشاہ خاں[1] باشندۂ رام پور شاگرد قائم چاند پوری جوان وجیہہ تھے ۔ شگفتگیِ طبع ، خوش روئی ، لطیفہ گوئی ، بذلہ سنجی میں مشہور تھے ۔ ۶۷ برس کی عمر پائی ۔ فن انشا پردازی سے بہ خوبی واقف و ماہر اور نظم و نثر دونوں میں دستگاہ کامل حاصل تھی ۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے ۔ فارسی میں قدرت اللہ شوق سے اصلاح لیتے تھے ۔ ۱۲۲۷ھ تک زندہ تھے ۔ مزاج میں ظرافت حد سے زیادہ تھی ۔ قدرت اللہ شوق اپنے تذکرے میں انھیں حافظ بڈھا کا شاگرد لکھتے ہیں ۔ فارسی کا زیادہ شوق تھا ، ریختہ کی طرف کم توجہ تھی ۔ کبھی کبھی مشاعروں میں دوستوں

---

۱ ۔ مراجع : شیفتہ ۱۳ ، ھندی ۲۸ ، خندۂ گل ۱۴ ، شمیم ۸۹ ۔
عنبر شاہ خاں آشفتہ ، قائم چاند پوری کے شاگرد تھے ۔ بعض نے قدرت اللہ شوق کا شاگرد ہونا بھی بیان کیا ہے ۔ اُن کی تصانیف ریاض عنبر ، نشریق الخیال اور تدقیق الخیال کے نسخے رام پور میں موجود ہیں ۔ ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ع میں انتقال کیا ۔ گھیر سید خاں (مراد آباد) میں دفن ہیں ۔

کے اصرار سے غزل پڑھ دیا کرتے تھے ۔ ان کا اکثر کلام نظر سے گذرا ۔ محاورات کہنہ اور زبان قدیم کا بہت استعمال کیا ہے ۔ کبھی کبھی صاحبقراں کے رنگ میں ریختی بھی کہہ لیا کرتے تھے ۔ رنگین عبارت لکھنے میں فرد تھے ۔ بہت سی کتابیں انھوں نے تالیف و تصنیف کیں : منشآت میں گلشن فیض ، جوش ہوش ، گلزار عنبر ، اشراق الخیال ، سویدائے عنبر ؛ اور فارسی قواعد میں جوہر عنبر ، ایذان الاوزان ، نوادرالمصادر ؛ اور مصطلحات میں مرآۃالاصطلاحات ؛ اور ذکر شعرائے ہندوعجم میں ایک بیاض ریاض عنبر اور دو دیوان ان کی یادگار ہیں ۔ اردو دیوان کا نام تدقیق الخیال اور فارسی دیوان کا نام تشریق الخیال ہے ۔ فارسی میں اپنا تخلص عنبر رکھتے تھے ۔ مراد آباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے کھیر میں دفن ہوئے ۔ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے : (خمخانہ ۱/ ٦٧ - ٦٩)

زندہ مانندِ شمع پھر نہ اٹھا
اس کی محفل میں جا کے جو بیٹھا
نہ پھرا شرمِ نارسائی سے
خط مرا نامہ بر کو کھو بیٹھا

کس لیے کرتے ہو تم نہ نظرِ ہوش ربا
بس ہے عشاق کو اس کا اثرِ ہوش ربا
قتل عشاق کی خاطر نہ نکالو خنجر
ہم کو کافی ہے تمھاری نظرِ ہوش ربا
دل ہے وامانده اور اس زلف کی ہے راہ دراز
سخت پیش آیا ہے اس کو سفرِ ہوش ربا

زباں سے اس نے نگاہ بتاں کا کام لیا
حضور قلب سے جس نے خدا کا نام لیا
سبک رواں نہیں منت پذیر اہل کرم
تہی حباب نے دریا سے اپنا جام لیا
رہائی دل کی ہے مشکل کہ قید کو اس کی
مژہ نے اس کی قفس ، گیسوؤں نے دام لیا
کبھی نہ بات بھی ہنگام دلستانی کی
دیا دل اس کو اور اس نے بھی لا کلام لیا
رہائی اس کے رخ و زلف سے ہے بس دشوار
دل اپنا یار نے آشفتہ صبح و شام لیا

نکال منہ سے نہ آشفتہ نام قامت یار
جہاں میں شورِ قیامت کو تو نہ کر برپا

ہر باغ میں ہے شورش آواز عندلیب
فصل بہار پھر ہوئی دمساز عندلیب
خوباں بغیر کون ہے عاشق کا راز داں
گل کے سوا نہیں کوئی ہم راز عندلیب

ہے ہجوم داغ سوزاں اور دل مایوس ایک
ہرطرف جلوہ چراغاں کا ہے اور فانوس ایک
دل جگر تاب و تواں فرقت میں اس کی چل بسے
رہ گئی زنداں تن میں جان غم مانوس ایک
وصل کی شب خوف سے اس کے رہے اس سے جدا
روز ہجراں دل میں ہے اپنے یہی افسوس ایک

عشق گل رویاں میں بلبل اور ہم یک رنگ ہیں
جس کو ہم سر پر چڑھاویں وہ گلے کا ہار ہو
آفتاب حشر تارک پر ترے روشن ہوا
اب تو اے آشفتہ مستی سے ذرا ہشیار ہو

مثل حباب بحر جہاں میں الم کے ساتھ
وابستہ اپنی زندگی ہے ایک دم کے ساتھ
دو کف پہ آبلہ ہے صدف ساں پہ مثل بحر
اہل سخا کو کام ہے ہر دم کرم کے ساتھ
پاس نفس سے راہ رواں جوں حباب و بحر
اک دم میں آشنا ہے وجود و عدم کے ساتھ

آشفتہ نام عشق نہ لے پھر تمام عمر
دیکھے جو کوئی میرے دل زار کی شبیہ

قاصد مرے نامے میں عبارت نہیں رنگیں
ملفوف ہیں اس میں دل مہجور کے ٹکڑے

اپنا دل ملول ہے وہ غنچہ اے نسیم
گلشن میں جو کھلا نہ ہو باد بہار سے

دشور عشق میں ہے اپنا مکاں برسرراہ
جو غم و درد ہے سو آ کے یہاں رہتا ہے

بہ رنگ نقش پا دائم ہو افتادہ کہ آشفتہ
بگولے کی طرح نت سر کشوں کے خاک برسر ہے
بھبھوت اُس حسن سنیاسی پسر کا زیب پرور ہے
رخِ آئینہ خاکستر ہے پیوستہ منور ہے
حذر تردامنوں سے صاف دل کے حق میں بہتر ہے
کہ چشمِ آئنہ پانی کی صحبت سے مکدر ہے

آیا نہ کچھ نظر ہمیں بیداری میں مگر
سب خواب میں تھی اُس کی کمر دست کے تلے

---

(۲) احقر :

منشی محمد ملوک[۱] ۔ عبدالجلیل سائل اور منشی فیض اللہ مکن پوری کے دوستوں میں تھے ۔ تذکرۂ شوق کی تیاری سے قبل انتقال کرچکے تھے ۔ یہ دو شعر ان کے نتائج افکار سے ہیں :

[خمخانہ ۱/۱۸۰]

مت چھیڑ باغباں ، جو کوئی آ گئی ہوا
ہم آپ ہی سے جائیں گے جوں خار و خس چلے
وقتِ رواروی ہے ، اٹھے قافلے کے لوگ
ساقی چلے پیالہ ، جہاں تک کہ بس چلے

---

(۳) احمدی :

خواجہ احمد علی[۲] مرحوم دہلوی ۔ آخر عمر میں لکھنؤ جا رہے

---

۱ و ۲ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

تھے اور جرأت کے شاگردوں میں ممتاز تھے ۔ قدرت اور شوق کے تذکرے میں ان کا کلام نظر سے گزرا ، اس میں سے چند شعر انتخاب ہو کر درج کیے جاتے ہیں ۔کلام سے موزونیِ فکر اور خوش اسلوبیِ بیان آشکارا ہے : [خمخانہ،۱/۱۹۵]

محکوم عشق ہو کے میں آرام سے گیا
سونپا مجھے وہ کام کہ سب کام سے گیا
ساقی تری نگاہ نے ایسا چھکا دیا
غم دو جہاں کا بس ترے اک جام سے گیا
حیران کھڑے ہیں پشت بہ دیوار سیکڑوں
مکھڑا دکھا کے کوئی لبِ بام سے گیا

———

اپنے عاشق کے پاس جانے کی
روز فرصت نہ ہو تو گاہے جا
مجھ کو جو وہ برا کہے تو کہے
پر دلا ! اس کو تو سراہے جا

———

تری چشم نے پہلے بیمار ڈالا
پھر اس زلف کافر نے بس مار ڈالا

———

آپ کے کوچے میں ہم گزریں گے دن میں لاکھ بار
کچھ اجارہ یاں نہیں ، رستہ ہے یہ بازار کا

———

اگرچہ دل میں باتیں یاد کر کر یاں میں آتا ہوں
پر اس کی دیکھتے ہی شکل سب کچھ بھول جاتا ہوں

مجھے گلشن میں آتا دیکھ کر وہ غنچہ لب بولا
ذرا آنے دو اس کو چٹکیوں میں کیا اڑاتا ہوں
اسے پروا نہیں کچھ، سر اگر لاکھوں کے کٹ جائیں
جو پوچھو تو کہے ہے وہ کہ میں تیغ آزماتا ہوں
جو اس در سے چلوں ہوں احمدی! ہوتی ہے یہ حالت
بہانہ ضعف کا کر ہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں

جاتے ہی بزم میں اس نے یہ دکھائیں آنکھیں
جب تلک بیٹھے ہم، اوپر نہ اٹھائیں آنکھیں
دیکھے دیکھے سے پری روؤں کے کیا کیا طوفاں
تس پہ بھی دیکھنے سے باز نہ آئیں آنکھیں

بس گیا گل‌عذار آنکھوں میں
کیا ہی پھولی بہار آنکھوں میں

ان مخفی باتوں کو پیارے کب کوئی نامحرم سمجھے
جو رمزیں ہو گئیں نظروں میں کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
مت جھوٹی جھوٹی باتوں سے بہلا ہم کو لے راہ اپنی
تو لا دے گا اس کو ہمدم ہم خوب یہ تیرا دم سمجھے

جو وہ یہاں آ کے ز راہِ کرم ذرا پھر جائے
تو مجھ مریض کی آئی ہوئی قضا پھر جائے
ہے اس سے گرمیِ صحبت نہ کھینچ تو دمِ سرد
مجھے یہ ڈر ہے مبادا کہیں ہوا پھر جائے

گھر اپنے آئے وہاں سے خدا خدا کر کر
گلی میں اس بت قاتل کی کوئی کیا پھر جائے

---

(۳) ارمان :

شاہ علی[1] ارمان، بقول نساخ جعفر علی حسرت کے علاتی بھائی اور جرأت کے شاگرد تھے اور بہ قول جناب شیفتہ حسرت کے بیٹے تھے۔ تذکرۂ قدرت اللہ شوق میں کچھ کلام نظر سے گزرا۔ زبان اگرچہ پرانی ہے مگر مضامین کی موزونیت کے اعتبار سے کلام دلکش اور پرلطف ہے۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات زندگی معلوم نہیں ہوئے۔ مختلف تذکروں سے ان کے اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے :

[خمخانہ ۱/۲۸۱-۲۸۲]

کون کہتا ہے ابھی تم سے نہ گھر جاؤ تم
پر کوئی بات تسلی کی تو کر جاؤ تم

دل لے کے دیوں نہ ظاہر اس کی دکھائیاں ہوں
ظاہر ہے بےوفا سے پھر بےوفائیاں ہوں
کر وصل میں نہ آوے وہ راہ پر غضب ہے
جس نے نہ ہم کو برسوں راہیں دکھائیاں ہوں
واصد نے جھوٹ سچ تو کچھ کچھ کہا یہ ڈر ہے
ایسا نہ ہو کہ دل سے باتیں بنائیاں ہوں

---

۱ - مجموعۂ نغز ۱/۵۸، سرور ۵۱، شیفتہ ۲۲، اشپرنگر ۲۲، شمیم ۸۷-
"مرزا شاہ علی برادر بیات (کذا) میاں حسرت مرحوم و مغفور، ارمان مخلص، شاگرد مرزا قلندر بخش جرأت صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نومشق است مگر طبیعت بسیار رسا دارد۔"
[مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۷۳ ب]

پابوس اس کا ہووے کیوں کر ہمیں میسر
نقشِ قدم پہ جس کے نت جبہہ سائیاں ہوں
کیوں آج کل نہ بے کل میں ہوں کہ مجھ کو یارو
کل آئے جب نظر وے آئیں کلائیاں ہوں

چرچا ہوا ہے گھر گھر اب دیکھیے کہ کیا ہو
دو دن نہ چھپ سکی تو ، چاہت ترا برا ہو

تا سر بالیں آیے آنا قیامت شاق ہے
یہ دلِ بیمار جس کا نزع میں مشتاق ہے

دلا تو بسترِ غم پر جو یوں کراہے ہے
بتا تو چاہے ہے وہ بھی جسے تو چاہے ہے ؟

---

(۵) انتظار :

حکیم عطاء اللہ قریشی[۱] شاگرد قدرت اللہ بلیغ[۲] ۔ ان کے والد حکیم غلام رسول حکمت[۳] (بعد میں غمیں تخلص رکھ لیا تھا) بڑے جید عالم اور ایک خوش تقریر بزرگ کشمیری الاصل تھے اور نواب غازی الدین خاں[۴] فیروز جنگ کی مصاحبت کی بدولت بڑے کروفر

---

۱ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔
۲ ۔ رک : ۱۴۰ کے حواشی ۳۰۹ : ۱۷
۳ ۔ رک : تذکرۂ کاملان رام پور ۔ وقائع عبدالقادر خانی ۔
۴ ۔ رک : ۱۵۷ کے حواشی ۴۰۲ : ۱۴

سے زندگی بسر کرتے تھے ۔ کچھ دنوں نواب فیض اللہ خان[1] والیِ رام پور کے یہاں بھی ملازمت کی ۔ انجام کار دہلی میں انتقال کیا ۔ ان کے مورث محمد حسن فانی (کذا) کشمیر کے شعرائے مشاہیر میں گزرے ہیں[2] ۔ انتظار رام پور میں پیدا ہوئے ، وہیں تعلیم پائی اور نواب فیض اللہ خاں کے صاحبزادوں کے مصاحب رہے ۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں داد سخن وری دیتے تھے ۔ ذوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت جوان تھے ۔ [خمخانہ ۱/۳۵۲ - ۳۵۳]

چھا گیا گل عذار آنکھوں میں
کیا ہی پھولی بہار آنکھوں میں[3]
مثل عینک کے اٹھ گیا ہے حجاب
تو ہی ہے وار پار آنکھوں میں

گر ستاوے گی یونہیں تیری جدائی مجھ کو
کل موا ، آج اگر موت نہ آئی مجھ کو
پہنچے گا ہاتھ نہیں اپنا کبھی زلف تلک
خوب معلوم ہے طالع کی رسائی مجھ کو

ان آنکھوں سے میں دیکھوں تیرا بھی جگر خوں ہو
اللہ کرے ظالم تو بھی کہیں مفتوں ہو

---

۱ - رک : ۱۸۱ کے حواشی ۴۷۵ : ۱۴
۲ - رک : مرآۃ الخیال ، ریاض الافکار ، نتائج الافکار ، صبح گلشن ، کلمات الشعراء ، مجمع النفائس وغیرہ ۔ نیز مقدمہ مثنویات فانی کشمیری مرتبہ ڈاکٹر امیر حسن عابدی ، سری نگر ، ۱۹۶۴ع ۔
۳ - خمخانہ جاوید جلد ۱/۱۹۶ میں یہ شعر خواجہ احمد علی احمدی دہلوی سے بھی منسوب ہوا ہے ۔

یاں تک تو ہوئی ہے ناتوانی
کرنے لگی روح بھی گرانی
شاید کہ ہوا مرا جگر خوں
آتے ہیں جو اشک ارغوانی

ایک تہمت پر آن رکھتا ہے
مجھ پہ تو دیا گماں رکھتا ہے
مت ستا، دیکھ، مان لے کہنا
اور کوئی بھی جان رکھتا ہے
مٹ چکا ہے یہ مثل نقش قدم
نام کو اک نشان رکھتا ہے
کل تو تھی ہی بہار کافر پر
آج کچھ اور آن رکھتا ہے
ہو چکا انتظار، تو مطلق
زندگی کا گماں رکھتا ہے

نہ شکوہ تیغ ابرو سے نہ رنجش تیر مژگاں سے
مری خاطر پریشاں ہے تری زلف پریشاں سے
خدا سے ڈر، جھٹک مت، رحم کر ہم خاکساروں پر
کہ رکھتے ہیں علاقہ کچھ تو ظالم تیرے داماں سے
نہیں مفتوں کسی پر، انتظار اس کی بلا جانے
کہ کیا گزرا دل نالاں پہ میرے درد ہجراں سے

مت اٹھا ہاتھ، مرے دل کی دوا ہونے دے
ہے یہ بیمار بہت، اس کو شفا ہونے دے

آہ و نالہ کا نہ مانع ہو کہ دل ٹوٹا ہے
توڑتا ہے جو تو شیشہ تو صدا ہونے دے
ڈرتے ڈرتے جو کیا دردِ دل اُس سے ظاہر
ہاتھ رکھ دل پہ مرے کہنے لگا ، ہونے دے

در قفس کا تو عبث بند کرے ہے صیاد
ہم گرفتاروں کو کب خواہشِ آزادی ہے

---

(۶) تجمل :

کسی[۱] لکھنؤ کے خوش فکر شاعر کا تخلص ہے جو قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی تیاری کے وقت وہاں بہ اطمینان زندگی بسر کرتے تھے۔ کلام سے زبان کی صفائی اور خوش گوئی ظاہر ہے ، کیا خوب کہتے ہیں : [خمخانہ ۲/۳۹]

چلے سیرِ باغ کو وہ کوئی جسے رنج و غم سے فراغ ہو
مجھے لالہ زار سے کام کیا ، جسے سینہ اپنا ہی داغ ہو
شبِ ماہتاب میں ساقیا ! لبِ آبِ جوئے رواں لگا
عجب اک بہار ہو گر تجھے سرِ ذوقِ شربِ ایاغ ہو
گلِ داغ داغ سے ہجر کے ، مرا سینہ رشکِ بہار ہے
ذرا تو بھی آن کے سیر کر جو ہوائے گلشن و باغ ہو
یہ وہ عشقِ خانہ خراب ہے کہ زمیں پہ اہلِ غرور کو
کوئی دن میں خاک نشیں کرے اگر آسماں پہ دماغ ہو
نہ کر اے تجملِ خوش سخن کسی بد زباں سے برابری
نہیں خوب بلبلِ خوش نوا جو چمن میں ہم سرِ زاغ ہو

---

۱ - مجموعۂ نغز ۱/۱۳۷ ، سرور ۱۶۴ ، شیفتہ ۴۱ -

(۷) تصور :

منشی[1] سید احسان تصور ، سادات زیدیہ مقیم بنکوڑا ۔ ایک شریف خاندان کی یادگار ، حیدر حسین خاں کے بیٹے اور حضرت جرأت کے تلامذہ میں مشہور تھے ۔ جناب شیفتہ نے ان کا نام حیدر حسین لکھا ہے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت زندہ و سلامت موجود تھے ۔ ۱۸۴۸ء تک زندہ تھے ۔ فیلن صاحب نے اپنے تذکرے میں ان کا نام حیدر علی لکھا ہے ۔ معاملہ خوب کہتے تھے ۔ مہذب ، متین ، با علم نوجوان تھے ۔ ایک قلمی بیاض میں کچھ کلام نظر سے گزرا ، اس کا انتخاب درج ذیل ہے :

ناصح تو کسی بت سے تو جا آنکھ لڑا دیکھ
سن میری نصیحت یہ ، ٹک اس کا بھی مزا دیکھ
کیا اس کے تصور میں تری بن گئی صورت
لے آئنہ شکل اپنی تصور تو ذرا دیکھ

دیکھے جو تری چشم سیہ مست کو اک بار
پھر حشر تلک وہ کبھی ہوشیار نہ ہووے

---

۱ ۔ مجموعۂ نغز/۱۴۱ ، سرور ۱۶۴ ، ہندی ۴۵[سید حیدر حسین نام بتایا ہے]شیفتہ ۳۴ ، اشپرنگر ۵۳ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۱۴۰ الف ۔
''تصور ۔ میر احسان حسین...ولد سید حیدر حسین خان ، شاگرد میاں جرأت.. از فقیر بسیار ربط و اتحاد دارد ، بہ جمیع صفت موصوف ۔ فقیر در لکھنؤ گزاشتہ آمدہ است ، حق تعالیٰ سلامت دارد ۔ و در مسودہ فقیر بسیار غزلہاے میر مہزالیہ بودند مگر گم شدہ ۔ حالا یک مخمس و چند شعر کہ از تذکرۂ مذکور یاد بود بہ قید قلم در آوردہ...'' [مجمع الانتخاب ورق ۱۴۰ الف]

لے گئے یوں ترے کوچے سے تصور کو لوگ
جیوں اٹھاویں کسی بدمست کو مےخانے سے

شب ہم جو ذکر ہجراں، وصل میں ہونے لگے
وہ اُدھر رونے لگے اور ہم اِدھر رونے لگے

مجھے بے تاب آتے دیکھ کر کوچے میں یوں بولا
بھلا کیوں دوڑ دوڑ آتا ہے یہ، کیا اس کی شامت ہے
تصور گرم جوشی یار کی مجھ کو رُلاوے گی
بہت گرمی کا ہونا مینہ برسنے کی علامت ہے

رونا کوئی موقوف کریں ہیں مری آنکھیں
جب تک نہ تسلی کو دل آئے، جگر آئے

(م) نسخۂ :

صدمۂ غم متصل جب تیرے مائل پر رہے
[illegible] کیوں [illegible] دل پر رہے

[illegible]

[illegible] لگ [illegible]

[illegible]

[illegible]

۸) تمکین : [illegible]

میاں صلاح الدین دہلوی [illegible] عصیاں اور شعرائے [illegible]

[illegible]

۱ - [illegible] اردو تذکرے ۹۵، گلشن سخن ۸۳، مجموعۂ نغز ۱/۱۳۶، [illegible]
سرور ۱۶۳، شیفتہ ۳۳، ریاض الفصحا ۶۳، اشپرنگر ۵۳، مخزن ۵۴،
نکات ۱۳۷، گردیزی ۳۳، حسن ۳۵، چمنستان ۵۳۳، مسرت افزا ۱[illegible]
مجمع الانتخاب (قلمی) ورق [illegible]

قدیم میں تھے ۔ طبعت تعلقات دنیوی سے آزاد تھی اور فقیرانہ وضع رکھتے تھے ۔ ایک قلمی تذکرے سے ان کا کلام منتخب ہو کر درج ذیل ہے :

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجھ کو دیوانہ کیا تجھ کو پری زاد کیا

نامے کا میرے لے کر اس سے جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے
اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

[خمخانہ ۲/۱۲۵

---

(۹) تمکین :

میر ہدایت علی[1] متوطن قصبہ کندرکی ضلع مراد آباد ، نہادت ذہین اور طباع اور علوم و فنون عربی و فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے ۔ خوش نویسی میں بھی یدطولٰی حاصل تھا ۔ چناں چہ اکثر خطوط متداولہ نہایت عمدگی سے لکھتے تھے ۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی ۔ فارسی شعر اکثر اور ریختہ بہت کم کہتے تھے ۔ متقی ، پرہیزگار و ادیب کامل تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرے کی ترتیب کے وقت ، یعنی بارھویں صدی کے آخر تک زندہ تھے ۔ چند شعر انھی کے تذکرے سے انتخاب کرکے درج کیے جاتے ہیں ، جن سے تلاشِ الفاظ و مضامین اور رنگین بیانی کا پتا چلتا ہے

---

۱ - ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

ملاحظہ ہوں : [خمخانہ ۲/۱۲۵]

وہ مہ جبین یوسف کنعاں ہے دوسرا
اس کے مقابلے کوئی انساں ہے دوسرا ؟
پھر شورش جنوں ہے بھلا چاک کیا کروں
داماں ہے دو سرا نہ گریباں ہے دوسرا
مشہد ہے دوسرا کا دلا کوچۂ صنم
تڑپے ہے ایک واں پہ تو بےجاں ہے دوسرا (کذا)
ہر چند شب کے رہنے کی ہے گھر جگہ ولے
تمکین ! کوے یار شبستاں ہے دوسرا
اس عرصۂ جہاں میں ترے ہاتھ سے میاں
خنداں اگر ہے ایک تو گریاں ہے دوسرا

دل حزیں میرا مثل غنچہ شگفتہ ہو جائے ایک دم میں
گر اس کے کوچے میں کاش لے جائے اے صبا تو غبار میرا
لیا نہیں ہے گر اس پری نے، بتا تو تمکیں کدھر گیا ہے
وہ صبر میرا ، شکیب میرا ، قرار اور اختیار میرا

اب نہ وہ بلبل ہے نے گلزار ، کیا تھا کیا ہوا
کچھ نہیں آتا نظر جز خار ، کیا تھا کیا ہوا

---

(۱۰) ثروت :

نواب بخش اللہ خاں مرحوم[۱] ، خلف الرشید وزیر صاحب تدبیر نواب عمادالملک غازی الدین خاں وزیر احمد شاہ عالمگیر ثانی (کذا)۔

---

۱ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

خود جوان قابل ، صاحب اخلاق و مروت اور رسائی ذہن اور عالی ہمتی کے باعث اقران و اماثل میں ممتاز تھے ۔ کبھی کبھی بہ اقتضاے موزونی طبع زبان اردو میں بھی شعر کہا کرتے تھے۔ قدرت اللہ شوق کا بیان ہے کہ صاحب دیوان تھے ۔ جو کچھ کلام نظر سے گزرا ، اس میں سے تبرکاً چند شعر یہاں انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں :

[خمخانہ ۱۸۲/۲]

ادا و ناز و شوخی میں ہے وہ آتش کا پرکالہ
نگہ برق درخشاں اور رو آتش کا پرکالہ
ترا چلنا ، ٹھہرنا ، دیکھنا مڑ مڑ کے اے ظالم
جسے دیکھو سو ہے سب مو بہ مو آتش کا پرکالہ
نہ ہو اس شمع رو سے ہر گھڑی بروت تو ہم محفل
غضب ہے وہ ستم گر شمع رو آتش کا پرکالہ

صنم کی بزم میں جو مے کا جام چلتا ہے
تو یاں بھی خون جگر پی کے کام چلتا ہے

---

(۱۱) جمیل :

جمیل الدین نام[۱] ، شیخ پورہ نواح فرخ آباد کے رہنے والے تھے ۔ خوش کلام اور اچھا کہنے والوں میں تھے۔ میر احسان الدین موزوں کے شاگرد تھے اور بعض تذکرہ نویسوں کے قول کے بہ موجب میر نظام الدین ممنون سے بھی اصلاح لی تھی ۔ جوان قابل ، وجیہ ، عاشق مزاج اور خوش اخلاق ، رند مشرب تھے ۔ قدرت اللہ شوق کے تذکرے میں ان کا کلام نظر سے گزرا ۔ اس میں سے چند شعر

---

۱ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

انتخاب ہو کر درج تذکرہ کیے جاتے ہیں ۔ بعض غزلوں میں تمنا تخلص بھی کرتے تھے : [خمخانہ ۲/۲۶۵]

جبہہ‌سا دیکھ مجھے نقش قدم پر اپنے
سرگراں ہو کے کہا ، خاک پہ سرمار پڑا
رونا آتا ہے ہمیں دیکھ کے احوال جمیل
حالت نزع میں ہے کل سے وہ بیمار پڑا

نہ اُٹھا ، گو چوایا منہ میں پانی اس کے شبنم نے
ہوا بے ہوش یاں تک دیکھ کر غنچہ دہن تیرا

آنکھوں کا اس پری کی پھڑکنا نہ جائے گا
وحشی ہیں یہ غزال ، پھڑکنا نہ جائے گا
بارش کو چشم تر کی کروں ضبط گو جمیل
بجلی کا آہ کی یہ کڑکنا نہ جائے گا

ہم سے یوں نظریں چرانا ، غیر سے ہو چار چشم
آپ سے ہم کو بھی ہے اے بت عیار چشم

محو صید مرغ دل ازبس وہ صید انداز ہے
پنجۂ مژگان جس کا چنگل شہباز ہے
پا بہ گل حیرت سے ہے سرو گلستاں راست کہہ
کس قیامت قد کا یاں قمری خرام ناز ہے
اس کی فوج غمزہ سے ہر روز ہے یہ دو بہ دو
کچھ جمیل خستہ جاں بھی زور ہی جاں باز ہے

شرمندہ اس مژہ سے فقط اب نہ تیر ہے
ابرو کے دور میں بنی کماں گوشہ گیر ہے
دامن سے لگ گیا ہے مگر اس کی اے نسیم
مشت غبار اپنا جو رشک عبیر ہے
کاہیدہ اس قدر ہے یہ بیمار ہجر میں
آتا جو دیکھنے کو صغیر و کبیر ہے
بستر پہ جسم زار کو اس کے فتادہ دیکھ
لے جائے ہے گماں کہ تار حریر ہے

---

(۱۲) جوہر:

کوئی بزرگ[۱] بریلی کے باشندے اور اوائل انیسویں صدی میں حیات تھے۔ ایک قدیم تذکرے میں آپ کا کچھ کلام نظر سے گزرا۔ اس میں سے یہ دو شعر پسند آئے، درج تذکرہ کیے گئے:

[خمخانہ ۲/۲۹۶]

ہے دست شانہ زلف بت حود بسد پر
یا یہ چڑھا ہے چور لپٹ کر کمند پر

تجھ بن ہے خراب زندگانی
دل پر ہے عذاب زندگانی

۱۔ سرور ۱۸۹ (نام دیوالی سنگھ بتایا ہے)، اشپرنگر ۶۵۔

(۱۳) جھمن :

جھمن ناتھ ،[1] قوم کے کایستھ اور دہلی کے قدیم باشندے تھے۔ ان کے بزرگ ہمیشہ سرکار شاہی میں ملازم رہے۔ نواب امیرالامراء ضابطہ خاں بہادر کی سرکار میں ان کے بڑے بھائی عہدۂ منشی گری پر مامور تھے۔ فن سخن میں لالہ جھمن ناتھ کی طبیعت نہایت موزوں و مناسب واقع ہوئی تھی۔ فارسی ، اردو دونوں زبانوں میں فکر سخن کیا کرتے تھے اور اکثر صنائع و بدائع میں شعر کہا کرتے تھے۔ اکثر غزلیں اور قطعے مدح امرا میں دو بحریں کہے ہیں۔ بعضوں کی مدح ایسی کی ہے کہ ہر مصرع سے اگر ایک ایک حرف لیے جاؤ تو نام ممدوح کا نکل آتا ہے اور ہر مصرع سے تاریخ سال نکلتی ہے۔ اور کچھ غزلیں صنعت عاطلہ اور منقوطہ میں بھی کہی ہیں۔ بہار دانش کو بھی منظوم کیا ہے۔ افسوس ہے کہ بایں ہمہ کمال نان شبینہ سے بھی محتاج تھے۔ راجا اجیت سنگھ بہادر ہر چند چاہتے تھے کہ ان کا افلاس مبدل بہ فلاح ہو مگر ان کی وارستہ مزاجی اور بے پروا طبیعت نے قبول نہ کیا۔ خلقۃً نہایت مسکین اور غریب نہاد طبیعت پائی تھی۔ کبھی کبھی اپنے اشعار خواجہ میر درد کو بہ غرض اصلاح دکھا لیتے تھے۔ سنہ ۱۱۹۰ھ میں موجود تھے ، یہ ان کا کلام ہے : [خمخانہ ۲/۳۲]

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا
اک آہ کھینچنے میں مرا دم نکل گیا

---

۱ - مراجع : مجموعۂ نغز ۱/۱۷۶ [قاسم ان کا نام جھمن لال بتاتا ہے ، مرا قیاس ہے کہ مؤلف خمخانہ کا ماخذ مجموعہ نغز ہی ہے] - سرور ۱۸۳ ، اشپرنگر ۶۶ -

اشک ہونے ہی تولد اس قدر رسوا ہوا
یہ تو لڑکا حضرت مجنوں کا بھی باوا ہوا

قطعہ

یہاں مختار جو با جاہ آیا
برائے قتل خلق اللہ آیا
نہ تھے کچھ شاہ جی، نے شاہ حاجی
وہ نادر شاہ تھے یہ شاہ آیا

یہ مسند والا گلاب رائے
تکیہ رکھے ہے لالہ گلاب رائے
سب بسنت دے جو چڑھیں لوگ اس کے گھر
کف میں اولو لالہ گلاب رائے
بلبل پری محل سرا اس کی میں مدام
لال ماں نے یہ پالا گلاب رائے
مالک جو کوئی موتی کا دانہ تو اس کو پھر
دیتے ہیں اپنے موتی کی مالا گلاب رائے
شاباش اس کی ماں کو جو ایسا جنا ہے پوت
جیوے ہمیشہ اس کا دکھانے والا گلاب رائے

(۱۴) خلق:

میر احسن علی خلق، خلف الرشید میر حسن، صاحب بدر منیر

۸۰ - مراجع: مجموعہ نغز [illegible]، سرور ۲۵۳، شیفتہ ۶۶، ہندی ۸۹،
اشپرنگر ۸۲، شمیم ۱۲۰ -

سیم فیض آباد لکھنؤ۔ اپنے والد مرحوم کے شاگرد اور صاحب دیوان تھے۔ ترتیب تذکرۂ شوق کے زمانے میں وجیہ و خوب رو جوان تھے۔ خاندانی رسم کے بہ موجب مرثیہ کہتے تھے۔ میر خلیق ان کے حقیقی بھائی تھے۔ ۱۸۰۳ع کے بعد سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ [خمخانہ ۳/۳۰]

عجب عالم میں بےہوشی کے وہ مجھ کو نظر آیا
کہ اتنا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کدھر آیا

بے قراری میں کٹی رات تو یاں اپنے تئیں
چین سے زلف میں دل کیوں کے رہا ہووے گا
دل لگاتے تو لگایا پہ نہ تھا کچھ معلوم
جی پہ کیا گزرے گی اور جان پہ کیا ہووے گا

---

(۱۵) راغب :

حافظ یار خاں خلف الصدق[1] نواب ذوالفقار خاں ابن حافظ الملک حافظ رحمت خاں نصیرجنگ۔ جوان وجیہ، صاحب حوصلہ، مجمع قابلیت، صاحب علم و فن، خوش نویس، انشا پرداز۔ کبھی کبھی شعر فارسی اور ریختہ میں کہہ لیتے تھے۔ یہ چند شعر ان کے کلام سے تذکرۂ قدرت اللہ شوق سے منتخب ہوئے:

[خمخانہ ۳/۳۴۷]

بسانِ شانہ گر کوئی درے سو ٹکڑے اپنا دل
وہ جانے مو بہ مو احوال اس زلفِ پریشاں کا

---

۱ - ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا -

کل مجھے دیکھ کر مرا گل‌رو
اپنی مجلس میں کیا ہی لال ہوا

میں تو اس کے عشق میں ہر لحظہ دکھ پاتا رہا
اور وہ بے درد اک بوسے پہ ترساتا رہا

مجھے محفل میں اپنی گر بٹھاؤ گے تو کیا ہوگا
گھڑی دو چار اگر مکھڑا دکھاؤ گے تو کیا ہوگا
نہ ہوگا فرق کچھ صاحب تمھاری قدر و عزت میں
کسی روٹھے کو اپنے گر مناؤ گے تو کیا ہوگا

ہم ہوں اور تم ہو اور شب مہتاب
ہو گزک اور شراب خواری ہو
وہ ہو اور ناز و غمزہ و عشوہ
میں ہوں اور درد و آہ و زاری ہو

غیر سے چاہ جب تمھاری ہو
دیکھیے شکل کیا ہماری ہو

کیا تم سے کہوں میں نے دیا دل آپسے کیسے
الفت سے، مروت سے، محبت سے، نہ ایسے

(۱۶) راقم[۱] :

لالہ بندرا بن صاحب راقم دہلوی۔ ان کے سلسلۂ شاگردی کی

---

۱ ۔ مراجع : دو تذکرے ۱/۳۲۵ ، ۳۲۶ ، گلشن‌سخن ۱۳۶ ،
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۔ نسبت تذکرہ نویسوں میں اختلاف ہے ۔ اکثر ان کو مرزا رفیع سودا کا اور بعض مرزا مظہر کا شاگرد بتاتے ہیں ۔ مگر مرزا مظہر کی شاگردی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ البتہ اوائل مشق میں انھوں نے میر صاحب سے ضرور اصلاح لی تھی جس کی بابت خود میر تقی میر اپنے تذکرے میں اشارہ کرتے ہیں کہ :

"بندرا بن راقم از شاہ جہاں آباد است ، مشق سخن از مرزا رفیع می کند ، قبل ازیں بافقیر نیز مشورت شعر می کرد ۔"

میر صاحب کی تحریر کی تائید قدرت اللہ خاں نے بھی اپنے تذکرے میں کی ہے[۱] ۔ راقم فن سخن میں کامل دست گاہ رکھتے

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

مجموعۂ نغز ۱/۲۶۵ ، مخزن ۵۵ ، حسن ۳۷ ، گلزار ۱۲۷ ، قاضی عبدالودود : (بندرابن راقم ، تحریک (دہلی) جلد ۵ ، شمارہ ۶ ، ستمبر ۱۹۵۷ع)

چمنستان ۲۱۵ ، سرور ۲۹۹ ، شیفتہ ۸۳ ، اشپرنگر ۹۵ ، بیاض سخن ۱۶ ، مجمع الانتخاب قلمی ورق ۳۲۳ ب ۔

۱ ۔ طبقات الشعرا (قلمی) نسخۂ دارالمصنفین اعظم گڈھ میں بندرا بن راقم کا ترجمہ موجود ہے ، مگر نسخۂ سنٹرل رکارڈس سے غیر حاضر ہے ۔ یہاں ناظر کتب خانۂ دارالمصنفین کے شکریے کے ساتھ درج کیا جاتا ہے :

"منشی بندرا بن راقم : متوطن شاہ جہان آباد ۔ شاگرد مرزارفیع السودا و پیشتر از میر محمد تقی اصلاح می گرفت ۔ می گویند کہ در فن انشاپردازی و عبارت آرائی و رقم انشا و املا بےنظیر و خارج از دائرۂ تحریر بود ۔ راقم مرقوم و محمد قائم کہ احوالش خواہد آمد ، ہر دو ہم طرح اند ۔ چند اشعار نگاشتہ قلم شیریں رقم او بہ تحریر می آید ، ازوست..."

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تھے اور شعر خوب کہتے تھے۔ چناں چہ میر حسن نے بھی اپنے تذکرے میں ان کی رسائی طبع کا بدیں الفاظ اعتراف کیا ہے:

''بندرا بن راقم بسیار پست قد و لیکن بلند فکر است۔''

ان کا انداز کلام خود اس بات کا شاہد ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو:

[خمخانہ ۳/۳۵۴]

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ)

اس میں ۱۵ شعر انتخاب ہوئے ہیں جن میں وہ بھی شامل ہیں جن پر ہم نے اوپر متن میں ستارہ (*)کا نشان بنا دیا ہے۔ باقی ۵ شعر یہ ہیں:

میرے اعضا میں تجھ کمر سے میاں
فرق ہرگز نہیں سر مو کا

کس کے گلے کے قطرۂ خوں ہیں یہ زمیں
جیوں تکمہ روکتے ہیں گل اورنگ اب نلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یا رب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

سنتے ہیں کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صبح
ہوگی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

رونے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر
دیکھا نہ تو نے کچھ کہ دل و دیدہ کیا ہوئے

''بندرا بن راقم: از ساکنین شاہ جہاں آباد، شاگرد سودا، فکر خوش دارد و متردف بہ قید تنظیم درآوردہ اکثر در مشاعرہ غزل طرحی می خواند۔ چندے می گذرد کہ از بود و باش وے آگاہی ندارم واللہ اعلم، حالا کجا استقامت پذیر است و چگونگی اوقات گذاری دارد۔''

(عیارالشعراء (قلمی) خوب چند ذکا)

مخزن نکات (قلمی) نسخۂ انڈیا آفس کے ترجمۂ راقم میں اتنا اضافہ ہے:

''از چندے برفاقت مرہٹہ بہ دکھن رفتہ۔''

★ نامے کا میرے اس سے لے کر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا
اک وہ بھی دن تھے راقم جو تھا ہمیں میسر
گلشن میں ساتھ اس کے پیتے شراب پھرنا

★ کہے کیا درد دل بلبل گلوں سے
اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر

★ اے عشق مجھے تو اس طرح مار
تا یار کہے کہ ہائے عاشق

★ کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کی ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں
★ کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یاں کہیں مذکور ہی نہیں

ق

★ اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
مجھ سے قسم لے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں
★ اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

مری بدشرابیوں سے کریں توبہ میرے گساراں
زہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں
سنا کن نے حال میرا کہ جوں ابر وہ نہ رویا
رکھے ہے مگر یہ قصہ اثر ہوائے باراں

★ یاں تک قبول خاطر کیجے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

ق

★ مژگاں سے دل بچے تو ٹکڑے کرے ہے ابرو
یہ کہہ کے میں نے اس سے جب اپنی داد چاہی
★ کہنے لگا کہ ترکش جس دم کہ ہووے خالی
تلوار گر نہ کھینچے پھر کیا کرے سپاہی

---

(۱۷) سامان :

میر محمد ناصر[1] آپ کا اصلی وطن جون‌پور تھا ۔ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں وارد شاہ جہاں آباد ہوئے تھے ۔ تذکرہ شعرائے ہند شوق میں ان کے دو شعر درج ہیں جو یہ ہیں : [خمخانہ ۵۴/۴]

اٹھیں کیوں کر نہ اس دل میں بھبھوکے
کبھو سی آشنا تھے ہم کسو کے
رقیب اس طرح جلتے ہیں ہمیں دیکھ
گویا رشتے میں ہیں آس شمع رو کے

---

۱ - مراجع : دو تذکرے ۴۳۵/۱ - ۴۳۶ ، سرور ۳۴۲ ، شیفتہ ۱۹۴
اشپرنگر ۱۰۵ ، حسن ۹۷ ، گردیزی ۹۸ ، چمنستان ۳۹۷ ،
مسرت افزا ۱۰۶ ریاض حسنی ۱۴۴ ، بے خزاں ۱۰۲ ، نشتر عشق
(قلمی) ورق ۳۱۷ ، گل رعنا (قلمی) ورق ۲۵۱ ب
شفیق اورنگ آبادی نے سامان کا سنہ وفات ۱۱۴۷ھ بتایا ہے ۔
(رک : گل رعنا ، نیز خوشگو)

(۱۸) سبقت :

میرزا مغل[1] خلف میرزا علی اکبر کشمیری - آپ دہلی میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں پیدا ہوئے اور یہیں رہے - شباب میں لکھنؤ گئے تھے - شیریں گفتار ، خوش فکر ، معاملہ بند شاعر تھے - حضرت جرأت سے فیض سخن حاصل تھا - چند دم آن کی جدت طرازی اور معاملہ بندی کا تصور ان کے ہاں بھی اپنی جھلک دکھا رہا ہے - قدرت اللہ شوق اور شرف الدین میرٹھی کے قدیم غیر مطبوعہ تذکروں میں میرزا صاحب کا کلام بنظر سے گزرا - اس کا انتخاب سرمۂ چشم ناظرین کیا جاتا ہے : [خمخانہ ۴/٦٩] -

خوباں رخ پر ڈالے زلفیں سانجھ سویرے پھرتے ہیں
دل کو اے نادان چھپا رکھ ، یاں تو لٹیرے پھرتے ہیں
دیکھ کے مجھ کو کہتا ہے وہ ، کس کس پر میں رحم کروں
مجھ سے پریشاں حال دکھاتے یاں بہتیرے پھرتے ہیں
زلف کو لے کر ہاتھ میں پیارے کھیلا مت کر یوں ہر ساعت
منتر پڑھتے اس ناگن .. بہت سپیرے پھرتے ہیں

غم نہیں کچھ ، شیشۂ دل گر بنے اور ٹوٹ جائے
ہے الم اس کا جو سے پتھر بنے اور ٹوٹ جائے
قصد مجھ سے بے گنہ کے ذبح کا جب دل میں ہو
کیوں نہ پھر قاتل کا نت خنجر بنے اور ٹوٹ جائے
روئے نت جوں ابر نیساں کیوں نہ پھر یہ چشم زار
اس کا ہر اک اشک جب گوہر بنے اور ٹوٹ جائے

---

۱ - نغز ۱/۲۸۸ - ۲۸۹ ، سرور ۳۵٦ ، شیفتہ ۹۴ ، ہندی ۱۳۲ ، اشپرنگر ۱۰٦ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۳٦۱ ب -

ڈر ہے احوال دل ظاہر نہ تھوڑا سا مرا
ہو حباب بحر کیوں آنکھ بنے اور ٹوٹ جائے
دیکھ کر رخ کی صفائی تیری اے آئینہ رو
کیا عجب ہے آئینہ ششدر بنے اور ٹوٹ جائے
پوچھے اس سے کوئی حالت کو ہمارے دل کی آہ
ایک مدت بعد جس کا گھر بنے اور ٹوٹ جائے
سوچ میں رہے نہ کیوں کر قالب انساں کو دیکھ
خاک کے پتلے کا یوں بگڑ بنے اور ٹوٹ جائے

عالم کو کیوں نہ اس کی گفتار مار ڈالے
جنبش نے لب کی جس کے ، دو چار مار ڈالے

سوز پروانہ ہویدا ہے سبھوں پر سبقت
پر کسی پر نہیں ظاہر غمِ پنہانیِ شمع

ٹھنی ہے اب یہی دل میں کہ کم کسی سے ملیں
نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

اٹھا دیتی ہے بے تابی تڑپنے میں ہم جہاں بیٹھیں
کہیں لگتا نہیں ہے جی کدھر جاویں کہاں بیٹھیں
قیامت ہو ابھی برپا اٹھے ہنگامۂ محشر
سرِ اپنا رکھ کے زانو پر جو ہم کرنے فغاں بیٹھیں

مت یاد دلاؤ وصل کی راتوں کو
پوچھو کوئی [illegible] کو

پھروں ہے نہیں بات نکلتی منہ سے
کرتا ہوں جب اس کی یاد میں بانوں کو

---

(۹) سکندر :

خلیفہ محمد علی دہلوی[1] ، تلمیذ ناجی ۔ مرثیہ خوانی میں نامور تھے ۔ ۱۸۰۰ء میں وفات ہوئی ۔ ساٹھ برس کی عمر پائی ۔ شاہ مرداں دہلی میں دفن ہوئے ۔ فن شاعری کے ماہر ، نکتہ طراز ، معنی آفریں سخن ور تھے ۔ قدرت اللہ شوق کا قول ہے کہ پنجاب کے باشندوں میں نہایت خوش طبع . ظریف مزاج تھے ۔ شبانہ روز مخمور رہتے تھے۔ مرثیہ گوئی میں اچھی شہرت حاصل کی تھی ۔ کلام یہ ہے :
[خمخانہ ۴/۲۲۲]

قیس صحرا میں رہا ، کوہ میں فرہاد رہا
میں بگولے کی طرح دشت میں برباد رہا

گرا مانگ میں دل میرا ، آہ ڈھونڈوں کدھر
کہ آدھی رات اُدھر ہے اور آدھی رات ادھر[2]

---

۱ ۔ مراجع : دو تذکرے ، ۱/۳۸۴،گلشن سخن ۱۵۸،مجموعۂ نغز ۱/۲۹۹، سرور ۳۵۰ ، شیفتہ ۹۸ ، ہندی ۱۱۶ ، اشپرنگر ۱۰۹ ، حسن ۹۳
''سکندر کہ در مرثیہ گوئی اشتہار دارد ، شاگرد میاں ناجی از فقیر در لکھنؤ اکثر ملاقات می شد در ہمیں شہر حیدر آباد از لکھنؤ آمدہ انتقال کرد. . . .''
۲ ۔ اس شعر کے سلسلے میں ملاحظہ ہو ، ۵۹۱ : ۱ کا حاشیہ ۔
(مجمع الانتخاب قلمی ، ورق ۳۵۷ الف)

نہ دیکھا ہو جو کسی نے حباب دریا میں
وہ دیکھ لے مری چشم پُر آب دریا میں[1]

سحر گزرا چمن میں کون سا خورشید رُو یا رب!
کہ شبنم گل کے منہ میں اب تلک پانی چھڑکتی ہے
کبھی فرقت میں شب کو آنکھ کر میری جھپکتی ہے
اسی دم روح کوچے میں ترے جا کر بھٹکتی ہے
مبادا آگ لگ جاوے مرے دل کی ترے دل کو
گلے لگنے سے اس دل سوز کی چھاتی دھڑکتی ہے

(۲۰) شور:

مرزا محمود بیگ[2] ۔ دہلی کے قدیم باشندے تھے ۔ مرزا منش اور بہت خوش مزاج شخص تھے ۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں قدرت اللہ شوق سے دہلی میں ملاقات کی تھی ۔ بہت ہی پُرگو تھے۔ خیال کی رفعت، شوخی اور متانت کے ساتھ دست و گریباں ہوتی ہے ۔ یہ نمونۂ کلام ہے : [خمخانہ ۶۹/۵]

پاس خاطر سے نہ چوسر کھیلنے میں کچھ کہا
جیت لی کل ہم سے بازی آپ نے ہاری ہوئی
آہ کھینچوں تو جلے عالم، نہ کھینچوں میں جلوں
زندگی اس کشمکش میں اپنی اب بھاری ہوئی
لالۂ حمرا زمیں پر، آسماں پر ہے شفق
یاں تلک اس چشم تر اپنی سے خوں باری ہوئی

---

۱ ۔ اس شعر کے سلسلے میں ملاحظہ ہو ۱۸۱ : ۱۶ کا حاشیہ ۔
۲ ۔ مجموعہ نغز ۳۵۲/۱، سرور ۳۸۲، شیفتہ ۱۱۳، اشپرنگر ۱۲۰ ۔

تیری خواہش جس نے کی تو اس کے سر پر چڑھ گئی
کیوں وی اے بنت العنب تو ایسی مستانی ہوئی

۲) شیدا :

کسی گمنام شاعر کا تخلص ہے[1]، جو شاہجہاں آباد میں شاہ عالم کے عہد میں حلقہ بندی کا کام کرکے اپنی بسر اوقات کیا کرتا ـ میر مہندی بیدار (کذا) سے تلمذ تھا ـ اس کے سوا حال معلوم ہوا ـ شوق کے تذکرے کی ترتیب سے قبل انتقال کر چکا تھا : مخانہ ۱۴۷/۵] ـ

لے کے دل کو دل ربا کیوں اب قسم کھاتے ہو تم
ہم نظر بازوں کے آگے سے کہاں جاتے ہو تم
اک نرالے شہر میں بانکے تمھیں پیدا ہوئے
ہر گھڑی تیغ و سپر لے لے کے دھمکاتے ہو تم
آگے تم سے کیا توقع ہو کہ شیدا کو میاں
ایک بوسے پر چھری تلوار نتلاتے ہو تم

---

۲) طالب :

طالب حسین خاں[2] ابن ملا حسین عسکری ـ جوان رعنا ، سیدہ قامت ، خوش اخلاق ، خوش تقریر ، طبع بلند رکھتے تھے ـ

---

۱ ـ مراجع : دو تذکرے ۱۸/۲ ، مجموعہ نغز ۳۵۳/۱ ، سرور ۳۶۸ ، شیفتہ ۱۱۵ ، ہندی ۱۳۳ ، اشپرنگر ۱۲۳ ، شمیم ۱۴۷ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۵۲۶ ب ـ

۲ ـ مجموعہ نغز ۳۶۷/۱ ، سرور ۳۱۰ ، ہندی ۱۳۸ ، شیفتہ ۱۲۸ ، اشپرنگر ۱۳۰ ، مجمع الانتخاب (قلمی) ورق ۵۵۲ ب ـ

مرشد زادہ مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں خاصیے کی داروغائی پر معمور (مامور) تھے۔ فن شعر میں سید انشا سے تلمذ تھا ۔ کلام میں روانی اور صفائی پائی جاتی ہے ۔ تذکرہ شوق سے اشعار کا انتخاب کیا جاتا ہے : [خمخانہ ۵/۳۰۷]

دشت میں نالہ کیا یار جو طالب نے ترے
ایک شعلہ سا گیا خار مغیلاں سے لپٹ

غیر سے مل کے شعلہ‌خو ناحق
کیوں جلے کے تئیں جلاتا ہے
مژدہ اے قیس تیری وادی میں
ناقہ لیلٰی کا آج آتا ہے
آج طالب کا عشق میں تیرے
جلد آ ، ورنہ جی ہی جاتا ہے

---

(۲۳) طالب :

عاشور بیگ خان[۱] ، پسر دولت خاں بیگ دہلوی ۔ ان کے بزرگ توران سے ہندوستان آئے تھے ۔ یہ فن سخن میں میر تقی میر کے شاگرد تھے ۔ پرلطف شعر کہتے تھے ۔ معاملہ بندی ، روزمرہ ، صفائی زبان ان کے کلام کے جوہر ہیں ۔ ایک قدیم قلمی تذکرے سے چند شعر انتخاب کیے جاتے ہیں : [خمخانہ ۵/۳۹۳]

رہا تجھ کو وہاں خود کام اپنا
ہوا یاں کام اے خودکام اپنا

---

۳ ۔ مجموعہ نغز ۱/۳۶۶ ، سرور ۴۱۰ ، اشپرنگر ۱۳۰ ۔

کہاں ملتا ہے طالب ہم سے وہ شوخ
یوہیں بدنام ہے یہ نام اپنا

رقص بسمل ہے طپش ہاے دل
تو بھی آ دیکھ تماشاے دل
ایک دم چین نہیں دیتا ہے
کاش سینے سے نکل جائے دل

---

(۴۲) عاجز :

اسمعیل خاں[1] نبیرۂ ملا ساہ نواز خاں ، متوطن موضع پنسلی ۔ قدرت اللہ شوق اپنے تذکرے میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ :

"جوان خوش خلق ، یار باش ، شایستہ مزاج ہیں ۔ اگرچہ نومشق ہیں مگر ذہن سلیم اور طبع مستقیم پائی ہے ۔ یہ آن کا کلام ہے : [خمخانہ ۵/۵۰۴]

رکھتا ہے حمیت جو کوئی آل نبی سے
عجز ! نہیں کچھ خوف آسے روز پسیں کا

جب سے لگن لگائی اس خوبرو سے ہم نے
جوں شمع جلتے جلتے با چشم نم رہے ہیں
آ کر کے جلد اپنے بیمار کی خبر لے
گنتی کے اب تو اس کے دو چار دم رہے ہیں

نہ ہو جاوے کہیں طوق جنوں گردن میں قمری کی
چمن میں سیر کرنے کو نہ اے سرو رواں جاؤ

---

۱ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملتا ۔

جو کچھ مجھ پر شب فرقت میں گزرے گا ، سو گزرے گا
یہی گر جاؤں جاؤں ہے ، تو پھر تم اے میاں جاؤ

(۲۵) عاشق :

لالہ گوکل چند قوم کایستھ ، ساکن محلہ اشرف آباد لکھنؤ۔ کبھی کبھی ریختہ بھی کہہ لیتے تھے ۔ مندرجہ ذیل چند اشعار تذکرۂ شوق سے انتخاب کیے جاتے ہیں : [خمخانہ ۵/۳۹د]

آپ کا دل ہم سے شاید کچھ میاں بیزار ہے
ورنہ کیا تشریف لانا اک قدم دشوار ہے
آنکھ سے نیند اڑ گئی اور چین بھی دل کو نہیں
اے طبیبو ! دیکھیو یہ کون سا آزار ہے

اری اے آہ ، ہر دم شعلہ ساں اٹھتی ہے کیوں دل سے
خدا کا ڈر نہیں تجھ کو ، کسی کا گھر جلائے گی !

---

۲ ۔ ان کا ترجمہ متداول تذکروں میں نہیں ملا ۔

اشاريه طبقات الشعراء

(جن اشخاص کے نام فہرست میں شامل ہیں انھیں اشاریے میں شامل نہیں کیا گیا)

(مقدمہ)

اشخاص

الف

مقامات

کتابیں

(متن)

اشخاص

(جن اشخاص کے نام فہرست میں شامل ہیں انھیں اشاریے میں
شامل نہیں کیا گیا)

مقامات

مقامات

اصطلاحات

کتابیں

اختتامیہ

اس کتاب کی اشاعت میں قدرے تاخیر ہو گئی ہے اور شاید غلطیاں بھی معمول سے کچھ زیادہ ہیں ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء کے نصف آخر میں ، جب یہ کتاب طباعت کے مرحلوں سے گزر رہی تھی ، غیر معمولی سیاسی حالات نے مرتّب کو نہ اس کے پروف دیکھنے کا موقع دیا اور نہ ادارے سے رابطہ قائم رہ سکا ۔

اس تذکرے کے ابتدائی ڈیڑھ سو صفحات پر کہیں کہیں "ادارہ" کی طرف سے وضاحتی نوٹ یا متقاطع حوالے درج کیے گئے ہیں ۔ میں اس زحمت کا شکر گزار ہوں ، لیکن میرا ان حواشی سے متفق ہونا ضروری نہیں : میں نے متن پر جو حواشی لکھے ہیں وہ ایک علیحدہ جلد کی صورت میں شائع کیے جا رہے ہیں ۔ کوشش کی گئی ہے کہ تمام ضروری اور وضاحت طلب امور سے بحث ہو جائے ۔ پھر بھی بعض امور کے چھوٹ جانے کا احتمال ہے ۔ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مآخذ کے متقاطع حوالے بھی جہاں ضروری ہوا ہے ، فراہم کر دیے گئے ہیں ۔ جن شعراء کے سلسلے میں وقتاً فوقتاً کچھ کارآمد مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں اُن کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے تا کہ زیادہ تفصیل سے کسی شاعر کا مطالعہ کرنے والے کو کارآمد اور بنیادی مصادر تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو ۔ جن شعرا کے دیوان چھپ چکے ہیں ، اُن کے کم از کم ایک مشہور ایڈیشن کا ذکر کر دیا گیا ہے اور خطی نسخوں کی نشان دہی میں یہ ملحوظ

رہا ہے کہ چند قدیم ترین یا کسی زیادہ معتبر ایک نسخے کا حوالہ
دے دیا جائے۔

مطبوعہ تذکروں کے صرف حوالے درج ہوئے ہیں ، لیکن جو ماخذ ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں یا کم دستیاب ہوتے ہیں ، اُن سے متعلقہ عبارت کے ضروری حصے بھی درج کر دیے گئے ہیں۔ ممکن ہے ان حواشی میں ، پڑھنے والوں کی اکثریت کے لیے ، بعض امور لئے اور اہم ہوں۔ بعض کتابوں سے مجھے براہ راست استفادے کا موقع نہیں مل سکا ، اُن پر فہرست ماخذ میں ایک نشان (*) بنا دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں املاء کا اختلاف بھی جا بجا نظر آئے گا ؛ یعنی ایک ہی لفظ دو تین مختلف صورتوں میں لکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مجلس ترقیٔ ادب کی بیشتر کتابوں میں ایک خاص املا کی پابندی کی جاتی ہے ، وہ ممکن ہے اس میں کہیں کہیں نہ ہو سکی ہو ، مگر لطف یہ ہے کہ جو میرا اختیار کردہ املا ہے وہ بھی اس میں ہر جگہ نہیں ہے مثلاً پاؤں ، پانوں اور پانو تین طرح لکھا ہوا ملے گا۔ میں پانو ، گانو ، چھانو کو صحیح سمجھتا ہوں اور ان کی جمع دو واووں سے لکھتا ہوں ، یعنی پانو کی جمع پانووں وغیرہ۔ اسی طرح فرمائش ، آرائش ، گنجائش یا آئندہ ، وغیرہ الفاظ میں ہمزے کی جگہ 'ی' ہونی چاہیے ، یعنی فرمایش وغیرہ۔ نیز ایسے الفاظ جیسے مائل ، سائل وغیرہ ان میں 'ی' لکھنا اور اس کے نقطے لگانا درست نہیں ، یہاں ہمزہ درکار ہے۔ یہاں یہ صرف اس لیے لکھا گیا ہے کہ قارئین مرتب کے طریق املا سے واقف رہیں ، غلط نامہ میں اس کی تصحیح نہیں کی گئی ہے۔

شعرا کے منتخب کلام میں جو ایسے الفاظ آئے ہیں جنھیں عام طور سے اب نہیں سمجھا جائے گا ، یا کسی لفظ کی تذکیر و

تالیث یا کوئی قواعد کا نادر استعمال وغیرہ ظاہر کرتے ہیں ، اُن کی بھی ایک مختصر فرہنگ ترتیب دے کر شامل کر دی گئی ہے ۔

مجھے افسوس ہے کہ حواشی بہت قلیل مدت میں لکھے گئے ہیں ۔ اگر اس کے لیے خاطر خواہ فرصت ملتی تو ان کی ترتیب بھی بہتر ہو سکتی تھی اور بعض امور سے زیادہ واضح طور پر بحث کی جاسکتی تھی ۔ اگرچہ کتاب چھپنے کے بعد وقت کی کمی کا عذر غیر مسموع ہوتا ہے ، پڑھنے والے صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اور کیسا لکھا ہے ؟ یہ کوئی نہیں جانتا ، نہ جاننے کی خواہش کرتا ہے کہ کتنی مدت میں اور کن احوال و ظروف میں لکھا ہے ۔ مگر میں یہ بات کہہ کر محض اپنے دل کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں ۔ فقط

مرتب

حرفِ آخر

قدرت اللہ شوق کا تذکرہ "طبقات الشعراء" اردو تذکروں میں اہم مقام رکھتا ہے۔ نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس تذکرے کے صرف چند نسخوں کا اب تک پتا چل سکا ہے۔ شوق نے اپنے معاصرین کے حالات میں زیادہ کاوش سے کام نہیں لیا، پھر بھی مقامی معاصرین (روہیل کھنڈ کمشنری) کے حالات میں یہ تذکرہ اہم دستاویز ہے۔ شوق کو فن تاریخ اور تذکرہ سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس کا ثبوت "طبقات الشعرا" (اردو) اور "تکملۃ الشعرا" (فارسی) اور "جام جہاں نما" (تاریخ فارسی) سے ملتا ہے۔ فاضل مرتب نے اس نسخے کی بنیاد حیدر آبادی نسخے پر رکھی ہے۔ ۱۹۶۵ء میں یہ تذکرہ طباعت کے مراحل طے کر چکا تھا لیکن فاضل مرتب کی نظر ثانی نہ ہونے کے باعث اشاعت مکمل نہ ہوسکی۔ اس نظرثانی کے بعد مرتب کی خواہش کے مطابق تذکرے کی اشاعت اس بنا پر روک دی گئی کہ حواشی لکھے جا سکیں۔ حواشی لکھنے میں فاضل مرتب کا بہت وقت صرف ہوا اور مکمل حواشی آنے کے بعد اندازہ ہوا کہ حواشی کو متن کا حصہ نہیں بنایا جاسکتا۔ حواشی کی علیحدہ ایک جلد بن جاتی ہے۔ حواشی تفصیلی لکھے گئے ہیں اور ان کی افادیت کو دیکھتے ہوئے نظرانداز کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ متن "طبقات الشعرا" جو مکمل ہے، پیش کر دیا جائے اور حواشی جو ایک تذکرے کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، انھیں بطور دوسری

جلد کے چھاپ دیا جائے ۔ شوق نے حالات شعرا میں اختصار سے کام لیا ہے ۔ فاضل مرتب نے دوسرے تذکروں سے اہم معلومات جمع کرکے "طبقات الشعرا" کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے ۔ عنقریب ہی "تعلیقات طبقات الشعرا" دوسری جلد کی صورت میں چھپ کر ارباب علم کی خدمت میں پیش ہوں گے ۔ موجودہ "تذکرہ طبقات الشعراء" جلد اول کی حیثیت سے پیش کیا جا رہا ہے ۔

سید امتیاز علی تاج
ناظم
مجلس ترقی ادب لاہور

تصویب

[از راہ کرم مطالعے سے پہلے ان الفاظ کی صحت کر لیں - یہ لازماً کل غلطیاں نہیں ہیں]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
سرورق	۳	نوشتۂ	نوشتہ (بغیر ہمزہ)
سرورق	٦	ضلع بدایوں	ضلع بریلی

فہرست

۲ : ۱۲	عظام	عطا
۲ : ۱۳	مرزا عبدالقادر فطرت	مرزا معز موسوی فطرت
۳ : ۹	سعادت اللہ	سعادت علی
۴ : ۱۷	متن میں انعام اللہ خاں یقین کا نمبر '٥٦' ہے اور محمد علی حزیں کا '٥٧' ہونا چاہیے مگر غلطی سے یہاں بھی '٥٦' درج ہو گیا ہے - اس سے کل تراجم کے شمار میں ایک عدد کا فرق ہو جاتا ہے - حواشی میں محمد علی حزیں کو '٥٦ الف' کے تحت رکھا گیا ہے -	
٥ : ۱۷	غافل	عاقل

مقدمہ

۱۷ : ۱٥	(حاشیہ)باشندۂ امروہہ ضلع مراد آباد	باشندۂ موضع موی پرگنہ امروہہ ضلع مراد آباد
۲۷ : ۸	رحیم علی خاں	رحم علی خاں (رک: حواشی)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۱	۱۲	تذکرہ ہندی/	شمیم سخن/۸۹
۳۵	۴	سلمہا الرحمن	سلمہا الرحمن
۴۳	۱۴	تالیف اتمام	تالیف کا اتمام
۴۳	۱۵	قرائن کے	قرائن سے
۵۳	۲۴(حاشیہ)	۹ رجب ۱۲۰۱ ھ	۹ رجب ۱۲۱۰ھ
۵۴	۱	۹ رجب ۱۲۰۱ ھ	۹ رجب ۱۲۱۰ ھ
۵۴	۲۱	کھٹیر	کٹیہر (بہ وزن ہری پر)
۵۵	۲۴(حاشیہ)	FRACKL IN	FRANCKLIN
۶۰	۱	گجرات آوردلد	گجرات تشریف آوردلد
۶۲	۲۱	کی کی بنیاد پر	کی بنیاد پر
۶۶	۱۰	اکرم اللہ محشر	اکرام اللہ محشر
۶۹	٦	طبع ۱۹۴۰ء	طبع سہارن پور ۱۹۴۰ء
۷۰	۹	۱۸۴۸ء	۱۸٦۸ء
۷۰	۲۳	FRACKLIN	FRANCKLIN
۷۱	۹	جلد شمارہ جولائی	جلد ۴۲ شمارہ ۷ جولائی
۷۱	۹	عزیز اثری	عزیز اللہ خاں

متن

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۱	تقاطع مصرعین	تقاطع مصرعین
۱	۱٦	اول و آخر (ہمہ ؟) صفات (کذا)	اول و آخر ہر بود صفات (رک : حواشی)
۳	۲۰	طبقہ خاتمہ	طبقہ و خاتمہ
۵	۱۳	ودش	و دلش
٦	۹	انیندے ؟ نین	انیندے نین (رک : فرہنگ)
۷	۲	بوے [بوے] آن	بوے آن
۷	۲۱	سو جیسے وہ	وہ جیسے سو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳	۱۱	خدائی	حدائی
۱۳	۱۲	اس سے پاس	اپنے پاس
۱۳	۱۹	نہ پوچھو	تہ بوجھو
۱۵	(حاشیہ)	بخون دل	بہ خون دل
۱۶	۹	نیل کی ٹیکی	نیل کے ٹیکے (رک : فرہنگ)
۱۷	۱۴	عظام	عطا ۔ (رک : حواشی)
۱۷	۱۸	بہ	بن ۔
۱۸	۷	برق و کلہ	برق ، دگلہ (رک : فرہنگ)
۲۲	۸	نین کی	نین کے (لین بر وزن وطن)
۲۳	۱۶	ذرده اوست	کرده ۔ ازوست
۲۷	۲۷	ادہم	اوہم
۲۴	۱۸	ایہام گو	ایہام گویاں
۲۶	۱۷	ذرالی ہے	رذالے بھی
۲۸	(حاشیہ)	اس کے جو ہوئی	اس کے جو ہوتی
۲۹	۱۵	سچ دم جو ہے	سچ جو ہے
۳۰	۱۹	تم اک ، اک	تم ٹک ، اک
۳۳	۴	موجی ہے اپنے دل کا مجھے ندی سے (کذا)	موجی ہے اپنے دل کا مجھی نہ دے کہے سے
۴۴	۱۰	قصبہ جاجمئو	قصبہ جاجئو (رک : حواشی)
۵۱	۴	جام جم (کذا)	جام جم (رک : فرہنگ)
۵۳	۳	قسمت میں نہیں خاک	قسمت میں نہیں ہے خاک
۶۰	۱۰	رم کیا	رم گیا
۶۰	۱۱	من کے چیتی ہو گئی	من کی چیتی ہو گئی (رک : فرہنگ)
۶۲	۱۴	چونری پنکھا	چونری و پنکھا
۶۶	۲	نہیں کھاتا	نہیں کھاتا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۸ :	(حاشیہ)	اورینٹل کالج میگزین میں دیکھا جائے	'ادبی دنیا' لاہور جلد ۲۳ شمارہ ۱۱ (نومبر ۱۹۴۵ء) میں دیکھا جائے
۷۱ :	۱۸	پوشیدہ آمد	پوشیدہ اید
۷۲ :	۷	کم می شود	گم می شود
۷۲ :	۱۲	پٹنہ بریلی	پٹنہ و بریلی (رک : حواشی)
۷۲ :	(حاشیہ)	گلذار ابراہیم	گلزار ابراہیم
۷۴ :	۱۶	یہ آہ مثل	یہ وہ مثل
۷۵ :	۸	تشنہ (کذا) کردہ	تشنہ کردہ (رک : فرہنگ)
۷۵ :	(حاشیہ)	''تضمین'' ؟	تضمین
۷۷ :	۱۸	اگر ہرگز	اگر مر کر
۸۰ :	(حاشیہ)	گلذار ابراہیم	گلزار ابراہیم
۸۱ :	۴	قبا سے گلگوں	قبائے گلگوں
۸۵ :	۲۰	مزا لیلٰی کے	مزے لے لے کے
۸۸ :	۲۲	پاؤں کے	بالوں کی
۸۹ :	(حاشیہ)	چھبتی ہے	چبھتی ہے
۹۰ :	۱	(۵۶)	'۵۶' الف [یہاں کے نمبر کا اندراج غلط ہو گیا ہے - اس سے فہرست اور متن میں ایک عدد کا فرق رہ جاتا ہے ؛ اسے ملحوظ رکھا جائے]
۹۹ :	۶	ربائی	رباعی
۱۰۰ :	۱۸	چپکا	چنگا
۱۰۳ :	۲۰	حسوں کے برات میں ...ذوالفقار (کذا)	جھوں حیدر کے ہو ہاتھ میں ذوالفقار
۱۰۶ :	۶	مجھے سانس میں	مجھے آس میں
۱۱۰ :	۱۶	در کشیہرا پلاس رائے	در کشیہر ہم آمدہ نوکر ،پلاس رائے

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۱۱۰	۱۸	ہم آمدہ نوکر	قلم زد سمجھیے
۱۱۱	٦	سبک سیری	سبک ساری (رک : حواشی)
۱۱۱	(حاشیہ)	هننا بھی	ہنسنا بھی
۱۱۲	۱۷	بغاوت بردہ	بہ غارت بردہ
۱۱۳	۵	قالب خالی	قالب حاکی
۱۱۷	۲۲	روسہی	روسیہی
۱۱۹	۲	یار رہے	یار رہی
۱۲۲	۸	کاروان تنہا	ہم رہان تنہا
۱۲۴	۱	بیہودہ	بے ہودہ
۱۲۸	۸	پیغام بر کہیں	پیغام ، بر کہیں
۱۲۸	۱۰	ہو کر کہیں	اگر کہیں
۱۲۸	۱۵	گلی نامہ میں	نامہ گلی میں
۱۲۸	۲۱	بہ قضا	بہ قفا
۱۲۹	۱۱	تمنا سے ہم آغوشی	تمناے ہم آغوشی
۱۳۰	۱٦	جدا سائے سے	جدا سائے کے
۱۳۳	۱۰	صف اعداد	صف اعداء
۱۳۵	۱۵	حرص جود	حرص ، جود
۱۳۵	۱۹	نہ ہوں پیدا	نہ ہو پیدا
۱۳۵	۲	آب بخت	آب بحت (رک فرہنگ)
۱۳٦	۳	بہ نام زہر	بہ نام ، زہر
۱۵۱	۸	از میر بہار (کذا)	وزمیۂ بہار
[illegible]	۱٦	وہ کھڑی رہے	وہ کھڑی رکھے
۱۵٦	۱۳	رہتا نہیں ہے	رکھتا نہیں ہے
۱۵۸	٦	لاٹھی کے ہانکے	لاٹھی سے ہانکے
۱٦۱	۱	انداز سخن	انداز ، سخن
۱٦۲	۱٦	آئینے کے	آئینے سے
۱٦۳	۵	یا سے مشابہ	یا کے مشابہ

صفحہ : سطر	غلط	صحیح
۱۶۳ : ۷	مثنوی درد	مثنوی دزد
۱۶۵ : ۸	ڈر سے ہے	ڈرے ہے
۱۶۹ : ۳	بھاگے ہیں	بھاگیں ہیں
۱۶۹ : ۴	لاگے ہیں	لاگیں ہیں
۱۷۴ : ۱	روبہ بازیاں ورنہ	روبہ بازیاں سب ، ورنہ
۱۷۵ : ۱۹	یہاں ہم ہیں	یاں ہم ہی ہیں
۱۷۹ : ۲۳	پیشۂ شاعر	پیشہ ، شاعر
۱۸۰ : ۸	ہر تار پیچ	ہر تار بیچ
۱۸۰ : ۱۱	ہو کہیں	ہو گئیں
۱۸۳ : ۲	ان کے کہا	ان نے کہا
۱۸۳ : ۵	کہیے تھی بھلا	کہی تھی بھلا
۱۸۳ : ۱۷	غلام کہنہ نکلا (کذا)	غلام کچھ نہ نکلا
۱۹۵ : ۱	کہتی یہ کفش	کہتی تھی یہ کفش
۱۹۶ : ۱۹	ڈور میں اس کی ...ہیں ہزار	دور میں اس کے گنڈسری ہے ہزار
۱۹۷ : ۱	نظر پڑے...	نظر پڑے ہتھیار
۲۰۱ : ۱۹	گلے کو باندھ دیا	گلے کو ناندہ دیا (رک : فرہنگ)
۲۰۱ : ۲۳	بھی سے باہر	آنکھیں بھی باہر
۲۰۲ : ۲۰	جکی جکی	چکی چکی (رک : فرہنگ)
۲۰۶ : ۱۱	مربوط و کلام	مربوط و کلام (مضبوط) ۔
۲۰۶ : ۱۲	زبان خواست	زمان خود است
۲۰۶ : ۱۷	محاورہ دان و متین	محاورہ دانِ متین
۲۰۹ : ۸	جلد تجھے	تجھ بہ جلد
۲۱۰ : ۶	زمیں سے	مژہ سے
۲۱۴ : ۱۴	ملاد	ملاذ
۲۲۵ : ۱۵	میر کہ جیو	کہ میر جیو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۲۸	۸	آ کر بچھا دیا	آخر بچھا دیا
۲۳۹	۱۹	دو بہتر لگائیے	دوہتّر لگائیے
۲۴۱	۲۱	غافل	عاقل (رک : حواشی)
۲۴۱	۲۲	غافل	عاقل (رک : حواشی)
۲۴۱	۲۳	غافل	عاقل (رک : حواشی)
۲۴۲	۲	غافل	عاقل (رک : حواشی)
۲۴۵	۱۰	میں نو	زیں تو
۲۵۲	۴	نگاہ مروت	نگاہ ، مروت
۸۵۸	۱۶	حلوالش	احوالش
۲۶۳	۲۳	یہی طرح دار	م ہی طرح دار
۲۶۶	۵	یاد آتا ہے	یار آتا ہے
۲۶۷	۴	زیاں میری	زباں میری
۲۷۰	۲۱	تجھ کو	مجھ کو
۲۷۴	۱	کر کے	گھر کے
۲۷۴	۱۷	گوے ، و	گوے و
۲۷۴	۱۸	دشمناں بے معنی	وسخناں بے معنی
۲۷۶	۲۴	کیا کہیے	کیا لکھیے
۲۷۹	۹	چلتے راہ علم	چلے راہ عدم
۲۸۰	۲۴	پھولے ہو	بھولے ہو
۲۸۱	۲۴	جلتے رہے	چلتے رہے
۲۸۷	۲۲	تحریر می آید	بہ تحریر می آید
۲۸۹	۹	گرچہ نانو	گرچہ ناؤ
۳۱۲	۲۳	میں پیارا ہوا	من پیارا ہوا
۳۱۷	۷	زندگانی میں مجھے (کذا)	نوحہ خوانی میں مجھے
۳۱۸	۱۱	ان تن	ان بن
۳۲۷	(حاشیہ)	یہ ضیا	کہ ضیا (رک : حواشی)

صفحہ		
[redacted]		
	ہی ترالا	سی ترالا سے
۳۳۲ : ۱۷	ہوتا کیا ہوتا	ہوتا ہو کیا ہو
۳۳۹ : ۱۹	اوپر ، گرے	اوپر گے
۳۴۰ : ۸	رغسب	رقیب
۳۴۸ : ۱۰	متبحر وتحریر	متبحر و محرر
۳۰۵ : ۲۰	ہمیں سراب	ہمیں شراب
۳۵۱ : ٦	اشارہ کرتے ہی	اشارہ کرتی ہ
۳۵٦ : ۱۲	اس بات کی سنتے	اس بات کے سنتے
۳۵۹ : ۵	حرف می داند	حرف می زند
۳۷۳ : ۱۴	جدھر مرے بانکے نے	جمدھر مرے بانکے ... (رک فرہنگ)
۳۷۷ : ۲۱	... تھاتنگ	دروازہ تھا تنگ
۳۷۷ : ۱۳	دی دی..	دی دی نہ دی نہ دی
۳۷۹ : ۱۸	سرگراں بود	سرگرداں بود
۳۸۱ : ۱	مت پکار کر (کذا)	مت ادھ کر
۳۸۳ : ۴	جی سا کھویا	جی کا کھویا
۳۸۵ : ۲۰	میں روز عید	میں رور عید
۳۹۱ : ۱۹	گل پکڑتے	گل پکڑا
۳۹۵ : ۲۳	باز ملک موروثی	باز بہ ملک موروثی
۳۹٦ : ۱۳	بھر یک جہاں	پھر یک جہاں
۳۹۸ : ۹	مری رات	پڑی رات
۴۰۹ : ۱۴	گھر سے گھر	گھر کے گھر
۴۱۳ : ۱۱	رونے پر	روئی پر
۴۱۴ : ۲۴	گڑا ہے (؟)	کڑا ہے

صفحہ : سطر	غلط	صحیح
[illegible]	[illegible]	سجلے
[illegible]	[illegible]	ری ساری
[illegible]	[illegible]	مر، دارد سر
[illegible]	[illegible]	اپ ڈو
[illegible]	[illegible]	زاغ کے
[illegible]	[illegible]	گل پھول
[illegible]	[illegible]	پزاوہ (رک : فرہنگ)
[illegible]	ہم چو سگس	ہجو کس
[illegible]	والسنۂ ترکی	و برالسنۂ ترکی
[illegible]	حرس جاوداں	حرمتش
[illegible]	مرنا ہے	مرنا ہے
[illegible]	سری وفاداری	خوے وفاداری
۳۷۰ : ۹	محب سے	محب نے
۳۷۰ : ۱۵	ڈر گوش کا	در گوش کا
۳۷۱ : ۵	مطالب بلی	مطالب دلی
۳۷۷ : ۱۸	گرچہ ہر اک کے زمانے میں ہے اک طرز پسند	گرچہ ہر یک کی زمانے میں ہے اک اور پسند
۳۷۸ : ۵	غمزدہ	غمزہ
۳۸۰ : ۷	تحریر	تحریر (رک : فرہنگ)
۳۸۲ : ۲۲	سیخا بیتی (کذا)	پنجاہ ہزار بیتی (رک : حواشی)
۳۸۳ : ۱۶	چھپی شمشیر	چبھی شمشیر
۳۸۳ : ۲۵	من لے او	من بے او
۳۸۵ : ۱۷	یا تو اب مرنے کو	پانو اب پڑنے کو
۳۸۹ : ۱۸	معارفت	مفارقت
۳۹ : ۱۴	ذرد	درد
۳۹۷ : ۵	سرہنک	سرہنگ (رک : فرہنگ)
۳۹۷ : ۱۱	کچھا بروے	کچھ ابروے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۹۸	۶	خریدی	خریداری
۴۹۸	۱۳	کیا میری منھ سے بات کچھ اس کے نکل گئی	کیا میرے منھ سے بات کچھ اس کی نکل گئی
۵۰۹	۲۴	بہت کج رو	بت کج رو
۵۰۷	۲	مہر شان	مہ وشاں
۵۰۸	۹	گہر والہ	گہر دانہ
۵۱۱	۱۸	کشتی	کشتی ہے
۵۱۳	۴	پڑتے پاؤں	پڑتے تھے پانو
۵۱۷	۸	رنگ راہ	زلگ راہ (رک فرہنگ)
۵۱۷	۱۲	ہی اپنا	ہے اپنا ،
۵۱۹	۱۵	نہیں جلتا ہے	نہیں چلتا ہے
۵۲۹	۲۰	خوش لگے	خوش لگی
۵۳۶	۱	مسجد جم	مسند جم
۵۵۲	۱۸	خالی منھ پر نہیں متاع چمن	خال منھ پر نہیں ، متاع حسن
۵۵۲	۲۳	ہوتی ہے	ہوتی تھی
۵۵۳	۲	دل کا چراغ	دل کا سراغ
۵۵۵	۴	بیٹھ کر کے وہ اڑنا	بٹ کر کے وہ اڑنا
۵۵۶	۴	حدت فہم	حدت فہم
۵۵۶	۸	کر یہ تیرے	گر یہ تیرے
۵۶۵	۱۱	حدت طبع	جدت طبع
۵۶۷	۱۰	لوٹ کی	لوٹ لی
۵۷۰	۱۷	گر چھوڑوں	کر چھوڑوں
۵۷۱	۱۰	اگر تجھ کو	اگر مجھ کو
۵۷۲	۱	ٹپکتا مرے	پٹکتا مری
۵۷۲	۸	بولدی وار	بولدی دار
۵۷۳	۱۱	شکوہ کا	شکوہ کیا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۸۳ :	۲	دور لگی	دو رنگی
۵۸۸ :	۲۳	حلقہ وار	حلقہ دار
۵۹۱ :	(حاشیہ)	ایک درجن	آٹھ (رک : حواشی)
۵۹۳ :	۵	ہم کو دل باتوں میں دیہہ	ہم ، کہ دل باتوں میں دیں
۶۰۲ :	۴	دارد ، بطرز	دارد ، (طرز او) بہ طرز
۶۰۲ :	۸	ضبط	خبط
۶۰۲ :	۲۰	رشتے کا	رشتے سے
۶۰۹ :	(حاشیہ)	اپنا نہ ہم	اپنا ، نہ ہم
۶۱۳ :	۷	پھر میں	میں پھیر
۶۱۶ :	۱۷	رالوت	راونت (رک : فرہنگ)
۶۲۵ :	(حاشیہ)	۱- پھری اصل :	۱- اصل : پھری
۶۲۷ :	۲۳	راہ میں ڈوبا	کاہ میں ڈوبا
۶۳۰ :	۴	مرد فغاں درد	میر و فغاں ، درد
۶۳۱ :	۱	وہ کل	وہ کل
۶۳۱ :	۲۰	یہ کا کل بتا نو شوق (کذا)	ہیں کامل بتا نو شوق
۶۳۳ :	۳	گر شوق سے	کر شوق سے
۶۳۹ :	۱۱	وغیرہ ذلک ۔	وغیر ذلک ۔